كتاب الوسيلہ
شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ
مترجم:
ضیغم الانصاری
تحقیق وتخریج:
سلیم اختر
اسلامی اکادمی
۱۷۔ الفضل مارکیٹ
اردو بازار۔ لاہور

نام کتاب	کتاب الوسیلہ
تالیف	شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ
ترجمہ	ضیغم الانصاری
تحقیق و تخریج	سلیم اختر
اہتمام	محمد رمضان محمدی، محمد سلیم جلالی
ناشر	ابو مومن منصور احمد اسلامی اکادمی

DAR-US-SALAM
486-Atlantic Ave, Brooklyn, ny 11217
Tel: (718) 625-5925 Fax:(718) 625-1511
E-mail: darussalamny@hotmail.com
Web Site: www.darussalamny.com

فہرست مضامین

پہلا باب

دوسرا باب

تیسرا باب

چوتھا باب

پانچواں باب

تعارف

ساتویں ہجری کا زمانہ تھا۔ یونانی فلسفہ و منطق نے مسلمانوں کے عقائد و نظریات کی عمارت کو متزلزل کر دیا، اسلامی عقائد میں بدعات و خرافات کی آمیزش ہوئی شرک اور توہم پرستی کو فروغ حاصل ہوا اور توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان و ایقان کا ایک ایک چراغ طاقِ قلوب سے بجھتا چلا گیا۔ فسادِ عقائد نے عمل و سعی کی قوتوں کو مضمحل کر دیا۔

اس شب تاریک میں علم و یقین کا ایک آفتاب جہانتاب طلوع ہوا۔ جس نے توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان و یقین کی قندیلیں روشن کیں اور شرک و بدعت کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔ یہ نابغہ روزگار شخصیت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تھی۔ اس مردِ مجاہد نے بدعات و خرافات کو ختم کرنے کے لیے پورے ماحول کو دعوتِ مبارزت دی۔ علمائے سوء کے چنگل سے لوگوں کو نکالا۔ خود ساختہ پیروں کے دام دجل و فریب سے ان کو نجات دلائی۔ مشرکانہ رسوم کے استیصال کے لیے بے شمار ٹھوس اور علمی کتابیں لکھیں جن کے مسکت دلائل نے باطل کے درودیوار کو لرزا دیا۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک گمراہ کن عقیدہ یہ بھی فروغ پا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے کسی بزرگ کے وسیلہ کی ضرورت ہے جس طرح ایک عام شہری کسی درمیانی واسطہ کے بغیر براہِ راست بادشاہِ وقت تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح اللہ کا تقرب بھی کسی توسط کے بغیر ممکن نہیں۔ جس طرح بادشاہ اپنے وزیروں اور مشیروں کی سفارش کو مسترد نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنے انبیاء و صلحاء کی بات رد نہیں فرماتا۔ لہٰذا حصولِ مراد کے لیے کسی نبی یا ولی کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی بنانا ضروری ہے۔ اس

یک باطل عقیدہ نے لاتعداد مشرکانہ افعال اور بدعات کو جنم دیا۔ چنانچہ اس بڑھتے ہوئے نہ کے سد باب کے لیے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نہایت قیمتی رسالہ ''التوسل الوسیلۃ'' تحریر فرمایا۔

عصرِ حاضر بدعات وخرافات اور مشرکانہ رسوم کے لحاظ سے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے دور سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ علماءِ سوء نے عشقِ رسول کے نام پر بدعات کی دوکانیں سجا رکھی یں اور اچھے اچھے پڑھے لکھے لوگ ان کے دامِ تزویر میں گرفتار ہیں۔ ضرورت تھی کہ ایک ایسی کتاب لوگوں تک پہنچائی جائے جو ٹھوس علمی انداز میں لکھی گئی ہو جس کے دلائل قرآن وسنت ی تعلیمات پر مبنی ہوں۔ جو ایک طرف بدعات وخرافات کی بیخ کنی کرے تو دوسری طرف حید، رسالت اور آخرت پر ایمان کی تجدید کرے۔ اس کوشش میں ہماری نظر امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے علمی شاہکار ''التوسل والوسیلۃ'' پر پڑی۔ اور ہم نے محسوس کیا کہ ''وسیلہ'' کے وضوع پر اس سے بہتر کتاب کا دستیاب ہونا آسان نہیں۔ لہٰذا ہم نے اس کتاب کو اردو واں طبقہ میں پہنچانے کے لیے سلیس اور عام فہم اردو میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

میں جناب منصور احمد صاحب مدیر اسلامی اکادمی لاہور کا ازحد ممنون ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کو عوام تک پہنچانے کے لیے زرِ کثیر صرف کر کے خوبصورت انداز میں شائع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ آمین

ضیغم الانصاری

یکم جولائی ۱۹۷۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ ضروریہ

تمام تعریفوں کی سزاوار اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ہم اسی سے مدد چاہتے اور اسی سے مغفرت کے طالب ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے نفس کی شرارتوں اور برے اعمال سے پناہ مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسے راہِ ہدایت دکھاتا ہے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اسے کوئی ہدایت کی روشنی عطا نہیں کر سکتا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ وحدہ لاشریک ہے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ تاکہ وہ اس دین حق کو تمام ادیان و نظامہائے حیات پر غالب کر دے اور اللہ تعالیٰ کی شہادت کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ کو قیامت کے نزدیک بشیر و نذیر، داعی الی اللہ اور سراج منیر بنا کر بھیجا ہے۔ آپ ﷺ کی بدولت اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو گمراہی سے نکال کر ہدایت کی شاہراہ پر گامزن کیا، اندھوں کو نور بصیرت عطا فرمایا، گمراہی و کجی کو دور کر کے رشد و ہدایت کا اجالا پھیلایا، بصیرت سے محروم آنکھوں کو روشنی دی، بہرے کانوں اور مردہ دلوں کو جن پر تعصب و جہالت کے پردے پڑے تھے، قبول حق کی صلاحیت سے نوازا۔

نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں کو پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلام کی جو امانت ان کے سپرد ہوئی اس کا حق ادا کر دیا۔ امت کی خیر خواہی فرمائی۔ اللہ کی راہ میں جدو جہد کرنے کا حق ادا کیا۔ اور تادمِ واپسین اللہ عزوجل کی عبادت میں مشغول رہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً۔

آپ ﷺ نے حق و باطل میں تفریق کی، ہدایت کو ضلالت سے ممیّز فرمایا اور راستی و کجی اور اہل جنت اور اہل دوزخ کے طور طریقوں کے درمیان خطِ امتیاز کھینچا۔ اولیاء اللہ اور دشمنانِ خدا کے درمیان فرق کو واضح کیا۔

حلال وحرام

یہی وجہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جس چیز کو حلال قرار دیا، وہ حلال ہے اور جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام ٹھہرادیا وہ حرام ہے۔ اسی طرح وہی دین (دستورِ حیات) قابلِ قبول ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے متعین فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو انسانوں اور جنوں کی طرف رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ لہٰذا ان میں سے ہر ایک کے لیے لازم ہے کہ آپ ﷺ کی ذات پر اور جو قانونِ الٰہی آپ ﷺ لے کر تشریف لائے ہیں اس پر ایمان لائے اور ظاہر و باطن میں آپ ﷺ کی اطاعت و اتباع کرے۔ آپ کی ذات پر ایمان اور آپ ﷺ کے احکامات کی اتباع ہی اللہ کا راستہ ہے اور یہی اللہ کا دین ہے۔ یہی اللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت ہے۔ تمام اولیاء اللہ اسی راستہ پر گامزن رہے۔

حقیقت وسیلہ

نبی اکرم ﷺ کی رسالت پر ایمان اور آپ کے احکامات کی اتباع ہی وہ وسیلہ ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱتَّقُوا ٱللَّهَ وَٱبْتَغُوٓا إِلَيْهِ ٱلْوَسِيلَةَ ﴾

(المائدہ: ۳۵)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔''

پس اللہ کی طرف وسیلہ کی تلاش اسی شخص کے حق میں سود مند ہے جو حضرت محمد ﷺ پر ایمان اور ان کی اطاعت کو اللہ کی طرف وسیلہ ٹھہراتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ پر ایمان اور آپ کی اطاعت کے ذریعہ سے وسیلہ طلب کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے جو ظاہر و باطن میں، رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اور آپ کے وصال کے بعد، ہر حالت میں ہر مومن پر فرض قرار دیا گیا ہے۔ حجت قائم ہو جانے کے بعد یہ وسیلہ مخلوق میں سے کسی ایک فرد سے بھی ساقط نہیں ہوسکتا۔ خواہ وہ کسی بھی حال میں ہو اور اسے کتنے ہی عذر لاحق ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں کرامت و رحمت کے حصول اور اس کے عذاب سے نجات کا طریقہ اس کے علاوہ کوئی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا جائے اور ان کی اطاعت بجا لائی جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ تمام مخلوق کی شفاعت کرنے والے ہیں اور مقامِ محمود کے منصب پر فائز ہیں۔ یہ ایک اعلیٰ و ارفع مقام ہے جس پر تمام اولین و سابقین رشک کرتے ہیں۔ آپ کی ذاتِ اقدس سب سے بڑی شفیع ہے اور اللہ کے ہاں آپ کو سب سے بلند مقام و مرتبہ حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق)

﴿ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيهًا ﴾ (احزاب: ٦٩)

''اور وہ خدا کے نزدیک عزت والا تھا۔''

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَجِيهًا فِي الدُّنيَا وَالْآخِرَةِ ﴾ (ال عمران: ٤٥)

''(وہ) دنیا اور آخرت میں بڑے عزت والے ہیں۔''

حضرت محمد ﷺ کو تمام نبیوں اور رسولوں سے بڑھ کر عزت و شرف حاصل ہے۔

تاہم ان کی شفاعت اور دعا انہی لوگوں کے حق میں سود مند ہے جن کے لیے آپ شفاعت اور دعا فرمائیں، جس شخص کے حق میں آپ ﷺ شفاعت کریں اور دعا فرمائیں وہ آپ

کی شفاعت و دعا کو اللہ کے ہاں وسیلہ ٹھہرا سکتا ہے۔ جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی شفاعت اور دعا کے ذریعے وسیلہ تلاش کرتے تھے اور جس طرح روزِ قیامت لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں آپ ﷺ کی شفاعت و دعا کو وسیلہ بنائیں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور وسیلہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لفظ توسل کو مذکورہ مفہوم ہی میں لیتے تھے۔ آپ ﷺ کی شفاعت و دعا کا وسیلہ اسی صورت میں نافع اور مفید ہے جب آپ کی رسالت پر ایمان بھی انسان کے دل میں موجود ہو۔ اگر آپ کی رسالت پر ایمان نہ ہوتو آخرت □ میں کسی سفارشی کی شفاعت کفار اور منافقین کے لیے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ اسی بناء پر نبی اکرم ﷺ کو اپنے والد ماجد، اپنے چچا ابو طالب اور دیگر کافروں کے لیے مغفرت کی دعا کرنے سے منع فرما دیا گیا۔ اس طرح منافقین کے لیے استغفار سے بھی آپ کو روک دیا اور فرمایا:

﴿ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴾ (المنفقون: ٦)

''ان کے لیے برابر ہے خواہ آپ ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں، اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔''

جس طرح مومن ایمان کے اعتبار سے ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں اسی طرح کفار بھی اپنے کفر کی بناء پر باہم مساوی نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس نکتہ کی وضاحت یوں فرمائی ہے۔

﴿ اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ ﴾ (التوبہ: ٣٧)

''آگے پیچھے کر لینا کفر میں زیادتی ہی ہے۔''

کفار اور شفاعت

اگر کفار میں سے کسی نے آپ کی نصرت و اعانت کی اور اس طرح اس نے اپنے کفر میں شدت اختیار نہیں کی تو حضور اکرم ﷺ کی شفاعت اس کے حق میں اس حد تک فائدہ مند ہوگی کہ اس کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے لیکن بالکلیہ اس سے عذاب ساقط نہیں ہوگا۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا:

((قُلتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَهَلْ نَفَعْتَ اَبَا طَالِبٍ بِشَيءٍ، فَاِنَّهُ كَانَ يَحُوطُكَ وَيَغْضَبُ لَكَ؟قَالَ: نَعَمْ هُوَ فِي ضَحْضَاحٍ مِنْ نَّارٍ وَّلَو اَنَا لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ .)) [1]

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ کیا آپ کسی طرح ابوطالب کو فائدہ پہنچائیں گے، کیونکہ وہ آپ کی حمایت اور آپ سے محبت کرتا تھا؟ آپ نے فرمایا: ہاں وہ ضحضاح (ہلکی آگ) میں ہوگا اگر میری شفاعت نہ ہوتی تو وہ جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوتا۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

((اَنَّ اَبَا طَالِبٍ كَانَ يَحُوطُكَ وَيَنْصُرُكَ وَيَغْضَبُ لَكَ،فَهَلْ نَفَعَهُ ذٰلِكَ؟ قَالَ: نَعَم، وَجَدْتُّهُ فِي غَمَرَاتٍ مِّن نَّارٍ فَاَخرَجْتُهُ اِلٰى ضَحْضَاحٍ.)) [2]

”(راوی نے پوچھا) کہ ابوطالب آپ کی حمایت کرتے، آپ ﷺ کی مدد کرتے اور آپ کی خاطر لوگوں سے غصے ہوتے، کیا یہ طرزِ عمل ان کے لیے نافع ہوگا؟

---

[1] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب قصة ابی طالب (۳۸۸۳) . صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب شفاعة النبی ﷺ لابی طالب (۲۰۹)

[2] صحیح مسلم ایضاً (۲۰۹/۳۵۸)

آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! میں نے ان کو آگ کی گہرائیوں میں پایا اور وہاں سے نکال کر ضحضاح کی طرف لے آیا۔''

اسی طرح ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آپ کے چچا ابوطالب کا تذکرہ کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَعَلَّهُ تَنفَعُهُ شَفَاعَتِي يَومَ القِيامَةِ،فَيُجعَلُ فِي ضَحضَاحٍ مِّنَ النَّارِ يَبلُغُ كَعبَيهِ يَغلِي مِنهَا دِمَاغُهُ.)) [1]

''ہوسکتا ہے کہ قیامت کے دن میری شفاعت اس کے حق میں مفید ثابت ہو اور اسے تھوڑی آگ میں ڈال دیا جائے وہ اس کے ٹخنوں تک پہنچے گی جس سے اس کا دماغ کھولے گا۔''

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اَهوَنَ اَهلِ النَّارِ عَذَاباً اَبُوطَالِبٍ وَهُوَمُنتَعِلٌ بِنَعلَينِ مِّن نَّارٍيَغلِي مِنهُمَا دِمَاغُهُ.)) [2]

''جہنمیوں میں سب سے ہلکا عذاب پانے والے ابو طالب ہوں گے۔ وہ آگ کے دو جوتے پہنے ہوئے ہوں گے جن سے ان کا دماغ کھول رہا ہوگا۔''

اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی یہ دعا بھی ان کفار کے لیے سودمند ہے۔

((لَا يَجعَلُ عَلَيهِمُ العَذَابَ فِي الدُّ نيَا))

''اے اللہ! دنیا میں ان پر عذاب نازل نہ فرما۔''

نبی اکرم ﷺ نے ایک حکایت بیان فرمائی ہے کہ ایک نبی کو اس کی قوم نے زدوکوب کیا تو انہوں نے یہ دعا فرمائی:

---

[1] صحيح البخاری ایضاً (۳۸۸۵) صحيح مسلم ایضاً (۲۱۰/۳۶۰)

[2] صحیح مسلم، كتاب الايمان، باب اهون اهل النار عذابًا (۲۱۲/۲۱۱)

((اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِی اِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ)) ❶

''اے اللہ میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ مجھے نہیں پہچانتے۔''

ایک روایت کے مطابق خود آپ ﷺ نے بھی ایسی ہی دعا کی:

((اِغْفِرْ لَھُمْ فَلَا تُعَجِّلْ عَلَیْھِمُ الْعَذَابَ فِی الدُّنْیَا))

''اے اللہ! انہیں بخش دے، دنیا میں عذاب کرنے میں جلدی نہ فرما۔''

اس سلسلہ میں قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ لَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِظُلْمِھِمْ مَّا تَرَکَ عَلَیْھَا مِنْ دَآبَّۃٍ وَّ لٰکِنْ یُّؤَخِّرُھُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ﴾ (النحل: ٦١)

''اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے پکڑتا تو (زمین کی) پشت پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا لیکن وہ ایک وقت مقررہ تک مہلت دیتا ہے۔''

اسی طرح آپ ﷺ کبھی کسی کافر کے حق میں دعا فرماتے تاکہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت نصیب فرمائے اور رزق عطا کرے اور اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت سے نواز دیتے اور رزق بھی مہیا فرماتے چنانچہ آپ ﷺ نے ام ابی ہریرہ رضی اللہ عنہا کے لیے دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت عطا فرمادی۔ ❷

اسی طرح آپ نے قبیلہ دوس کے لیے یہ دعا فرمائی:

((اَللّٰھُمَّ اھْدِ دَوْساً وَّائْتِ بِھِمْ)) ❸

''اے اللہ! دوس کو ہدایت دے اور ان کو (اسلام میں) لے آ۔''

---

❶ صحیح البخاری کتاب الانبیاء، باب نمبر (٥٤) رقم الحدیث (٣٤٧٧) صحیح مسلم کتاب الجہاد باب غزوۃ احد (١٧٩٢)

❷ صحیح مسلم کتاب الصحابہ، باب من فضائل ابی ہریرۃ الدوسی رضی اللہ عنہ (٢٤٩١)

❸ صحیح بخاری کتاب المغازی، باب قصۃ دوس والطفیل بن عمرو الدوسی رضی اللہ عنہ (٤٣٩٢) صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ باب من فضائل غفار واسلم ...... (٢٥٢٤)

پس اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت بخشی اور وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ اسی قبیل کی ایک روایت ابوداؤد رحمۃ اللہ نے بیان فرمائی ہے کہ جب مشرکین نے آپ سے بارش کے لیے دعا کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے ان کے لیے بارش کی دعا فرمائی۔ [1] آپ نے یہ دعا ازراہِ احسان اور ان کی تالیفِ قلوب کی خاطر فرمائی۔ جیسا کہ آپ ﷺ دوسرے طریقوں سے بھی ان کی تالیفِ قلوب فرمایا کرتے تھے۔

شرف وعظمتِ حضور اکرم ﷺ

تمام مسلمانوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضور اکرم ﷺ اللہ کے ہاں تمام مخلوق سے بڑھ کر شرف وعظمت رکھتے ہیں۔ دیگر مخلوق نہ تو اللہ کی نظر میں آپ ﷺ سے زیادہ قدر ومنزلت رکھتی ہے اور نہ اس کی شفاعت ہی آپ کی شفاعت سے زیادہ وقعت رکھتی ہے بلکہ انبیائے کرام علیہم السلام کی دعا اور شفاعت بھی ان پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت کرنے کے برابر نہیں ہے۔ کیونکہ ان پر ایمان اور ان کی اطاعت سے آخرت کی سعادت اور عذاب سے مطلق نجات واجب ٹھہرتی ہے۔ لہٰذا جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہو اور اللہ اور اس کے رسول کا مطیع فرمان ہو، وہ جب اس دنیا سے آنکھیں بند کر لیتا ہے تو حتمی طور پر وہ اہل سعادت گروہ سے تعلق رکھتا ہے اور جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ وہ رسولِ مقبول ﷺ اور ان کی لائی ہوئی تعلیمات کا منکر ہو تو اس کا شمار اصحابِ دوزخ میں ہو گا۔

شفاعت ودعا

نبی اکرم ﷺ کی شفاعت ودعا کا لوگوں کے حق میں مفید ہونا چند شرائط پر موقوف ہے۔ بعض موانع ہیں جو اس شفاعت ودعا سے مستفید ہونے کی راہ میں حائل ہیں۔ کفار

---

[1] صحیح بخاری کتاب التفسیر، باب "یغشی الناس ھذا عذاب الیم" (٤٨٢١) صحیح مسلم کتاب صفات المنافقین، باب الدخان (٢٧٩٨)

کے لیے جہنم سے رستگاری کی شفاعت اور بخشش کی دعا جب کہ یہ حالت کفر میں ہی مرے ہوں، کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی خواہ شفاعت کرنے والا شرف و جاہ میں سب سے بڑا شفاعتی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے بڑھ کر کوئی سفارشی نہیں ہے اور ان کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا درجہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ خلیل اللہ علیہ السلام ☐ نے اپنے باپ کے لیے یہ دعا مانگی اور ان کی مغفرت کی یوں درخواست کی:

﴿ رَبَّنَا اغْفِرْلِيْ وَ لِوَالِدَيَّ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴾

(ابراهيم : ٤١)

''اے ہمارے رب! بخش دے مجھے، میرے والدین کو اور تمام مومنوں کو اس دن جب حساب لیا جائے۔''

نبی اکرم ﷺ نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی میں اپنے چچا ابوطالب کے لیے مغفرت کی دعا کا ارادہ فرمایا۔ بعض مسلمانوں نے بھی اپنے کچھ اعزہ و اقارب کے لیے مغفرت کی دعا کی خواہش کی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیات نازل فرمائیں:

﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴾

(التوبه: ١١٣)

''نبی اور اہل ایمان کے لیے مناسب نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش مانگیں خواہ وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ بعد اس کے کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ وہ دوزخی ہیں۔''

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس عذر کا ذکر بھی فرمایا ہے، جس کی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لیے دعا فرمائی تھی۔

﴿ وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّ عَدَهَآ اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴾

(التوبہ: ۱۱٤)

''اور ابراہیم علیہ السلام کی استغفار اپنے باپ کے لیے صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھی، جو انہوں نے اس سے کیا تھا۔ پھر جب ان پر واضح ہو گیا کہ وہ دشمنِ خدا ہے تو اس سے برأت کا اظہار کر دیا۔ بے شک ابراہیم علیہ السلام بہت ہی نرم دل اور بردبار تھے۔''

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَلْقٰى اِبرَاهِيمُ عليه السلام اَبَاهُ اٰزَرَ يَومَ القِيَامَةِ وَ عَلٰى وَجهِ اٰزَرَ قَتَرَةٌ وَّغَبَرَةٌ فَيَقُولُ لَهُ اِبْرَاهِيمُ عليه السلام اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ لَا تَعْصِنِي؟ فَيَقُولُ لَهُ اَبُوهُ: فَالْيَومَ لَا اَعْصِيكَ، فَيَقُولُ اِبْرَاهِيمُ عليه السلام يَا رَبِّ اَنْتَ وَعَدْتَّنِيْ اَنْ لَّا تُخْزِنِي يَومَ يُبْعَثُونَ، وَاَيُّ خِزْيٍ اَخْزٰى مِنْ اَبِي الْاَبْعَدِ؟ فَيَقُولُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِنِّي حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَى الْكَافِرِيْنَ، ثُمَّ يُقَالُ اُنْظُرْ مَا تَحتَ رِجْلَيْكَ؟ فَيَنْظُرُ فَاِذَا هُوَ بِذِيخٍ مُّتَلَطِّخٍ فَيُؤْخَذُ بِقَوَائِمِهٖ فَيُلْقٰى فِي النَّارِ.)) [1]

''ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اپنے باپ آزر سے ملیں گے اور اس کے چہرہ پر تاریکی چھائی ہوگی اور غبار سے اٹا ہوگا۔ ابراہیم علیہ السلام اس سے سوال کریں گے کیا میں نے تجھے نہ کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کر؟ ان کا باپ ان سے کہے گا کہ: آج کے دن میں تمہاری نافرمانی نہیں کرتا۔ ابراہیم کہیں گے: اے رب!

---

[1] صحیح البخاری کتاب احادیث الانبیاء، باب قول الله تعالی "واتخذ الله ابراهیم خلیلاً" (۳۳۵۰) المستدرك للحاکم (۲/۲۳۸)۔

تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ مجھے قیامت کے دن ذلیل نہیں کرے گا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا رسوائی ہوگی کہ میرا باپ خیانت کرنے والا ہو؟ اللہ عزوجل فرمائے گا: میں نے جنت کافروں پر حرام کردی ہے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام سے کہا جائے گا اپنے پاؤں کے نیچے دیکھو۔ پس وہ نیچے نگاہ ڈالیں گے تو دیکھیں گے کہ ان کا باپ گندگی میں آلودہ بھیڑیا ہے اس کو ٹانگوں سے پکڑا جائے گا اور آگ میں ڈال دیا جائے گا۔''

چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ شرک کی حالت میں مرا تھا اس لیے ابراہیم علیہ السلام کی دعائے مغفرت، ان کے شرف ومنزلت کے باوجود، اسے کوئی فائدہ نہ پہنچا سکی قرآن میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے اس طرح خطاب کیا ہے:

﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَاۤ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ رَبَّنَا عَلَیْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَیْكَ اَنَبْنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ ﴾ (الممتحنہ: ٤، ٥)

''تمہارے لیے اسوۂ حسنہ موجود ہے ابراہیم علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کی زندگی میں جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا ''ہم تم سے اور اللہ کے علاوہ تم جن کی عبادت کرتے ہو، ان سب سے بری ہیں۔ ہم تمہاری بات نہیں مانتے اور ہمارے اور تمہارے درمیان ایک ابدی دشمنی اور بغض پیدا ہوگیا ہے، تاوقتیکہ تم اللہ وحدہ پر ایمان لے آؤ۔ البتہ اپنے باپ سے ابراہیم علیہ السلام کے

وعدہ میں (کوئی اسوہ نہیں) کہ میں تیری بخشش کے لیے پروردگار سے ضرور دعا کروں گا۔ اور میں اللہ کے مقابلہ میں تیری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ اے ہمارے رب! ہم نے تجھ ہی پر بھروسہ کیا ہے، تیری طرف ہم نے رجوع کیا ہے۔ اور تیری ہی طرف ہم نے پلٹنا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں کفر کرنے والوں کے لیے فتنہ نہ بنا اور ہمیں بخش دے۔ اے ہمارے رب! بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا اسوہ اپنائیں لیکن ان کی اس بات کی پیروی نہ کریں جو انہوں نے اپنے باپ سے کہی تھی کہ ''میں تمہارے لیے ضرور مغفرت کی دعا کروں گا'' کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کے گناہ کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، سید الشافعین

اس طرح کی صورتِ حال سے سید الشافعین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سابقہ پیش آیا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں نے اپنے رب سے اجازت طلب کی کہ میں اپنی والدہ کے لیے دعائے مغفرت کروں لیکن مجھے اجازت نہیں دی گی، پھر میں نے ان کی قبر کی زیارت کرنے کی اجازت چاہی تو مجھے اجازت دے دی گئی۔''[1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آبدیدہ ہو گئے اور اپنے اردگرد ساتھیوں کو رلا دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب استیذان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ربه عزوجل فی زیارة قبر امه (۹۷۶)، سنن النسائی، الجنائز، باب زیارة القبر المشرك (۲۰۳۶)، سنن ابن ماجه، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی زیارة قبور المشرکین (۱۵۷۲).

''میں نے اپنی والدہ کے لیے دعائے مغفرت کی اجازت چاہی تو مجھے اجازت نہ دی گئی، پھر میں نے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت چاہی تو مجھے اجازت مل گئی۔ قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ موت کو یاد دلاتی ہے۔''❶

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے باپ کہاں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جہنم میں۔'' جب وہ پیچھے مڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلایا اور کہا: ''میرے اور تمہارے باپ دونوں جہنم میں ہیں۔''❷

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی ایک روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴾

(یعنی اپنے رشتہ داروں کو ڈرا) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام خاص و عام قریشیوں کو بلایا اور فرمایا:

''اے بنی کعب لؤی! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ۔ اے بنی مرہ بن کعب! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ۔ اے اولادِ عبد شمس! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ۔ اے میری بیٹی فاطمہ! اپنی جان کو آگ سے بچا۔ میں تمہارے لیے اللہ کے مقابلہ میں کوئی اختیار نہیں رکھتا، الا یہ کہ میں تم سے صلہ رحمی کروں۔''❸

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی ایک دوسری روایت اس طرح ہے:

❶ صحيح مسلم ايضًا (١٠٤/٩٧٦)، سنن ابى داؤد، كتاب الجنائز، باب فى زيارة القبور (٣٢٣٤).

❷ مسند احمد (٢٢٨/١٩) صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان ان من مات على الكفر فهو فى النار (٢٠٣)، سنن ابى داؤد، كتاب السنة، باب فى ذرارى المشركين (٤٧١٨).

❸ صحيح مسلم كتاب الايمان ،باب فى قوله تعالى : وانذر عشيرتك الاقربين (٢٠٤)سنن الترمذى تفسير القرآن ،باب ومن سورة الشعراء (٣١٨٥).

نبی اکرم ﷺ نے قریش کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''اے گروہ قریش! اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کردو۔ میں اللہ کے مقابلہ میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ اے بنی عبدالمطلب! میں اللہ کے مقابلہ میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ اے صفیہ! رضی اللہ عنہا (یہ آنحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں)، (یادرکھ) میں تیرے کسی کام نہ آؤں گا۔ (اپنی بیٹی سے فرمایا) اے رسول اللہ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا! میرے مال سے جو چاہے مانگ لے۔ اللہ کے مقابلہ میں میں تیری کوئی مدد نہیں کرسکوں گا۔''[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آیت: ﴿ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوگئے اور فرمایا: ''اے فاطمہ بنت محمد ﷺ! اے عبدالمطلب کی بیٹی صفیہ رضی اللہ عنہا! میں اللہ کے مقابلہ میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ میرے مال سے جو پسند کرو مانگ لو۔''[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور مال غنیمت میں خیانت کا ذکر فرمایا اور اسے بہت اہمیت دے کر ارشاد فرمایا:

''میں قیامت کے دن تم میں سے کسی کو اس حالت میں آتا نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر ایک اونٹ ہو جو بلبلا رہا ہو، اور وہ فریاد کر رہا ہو ''یا رسول اللہ ﷺ! میری مدد کیجئے'' اس پر میں اس سے کہوں گا ''میں تمہارے لیے کچھ نہیں کرسکتا۔ میں نے تو (دین حق) تم تک پہنچا دیا تھا۔'' میں قیامت کے دن تم میں سے کسی کو اس حالت میں آتے نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر کوئی کپڑا لہرا رہا ہو اور وہ فریاد کر رہا ہو ''یا رسول اللہ ﷺ! میری مدد کیجئے۔'' اور

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب هل یدخل النساء والولد فی الاقارب (۲۷۵۳)، صحیح مسلم ایضًا (۲۰۶)۔ [2] صحیح مسلم ایضًا (۲۰۵)۔

میں اس سے کہوں کہ ''میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ میں نے تمہیں (اس صورتِ حال کی خبر) پہلے ہی پہنچا دی تھی۔'' قیامت کے دن میں کسی کو اس حالت میں آتے نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر ایک گھوڑا ہو جو ہنہنا رہا ہو اور وہ شخص فریاد کر رہا ہو۔'' یا رسول اللہ ﷺ! میری مدد کیجئے۔'' اور میں اس سے کہوں کہ ''میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ میں (اس صورت حال کی خبر) تمہیں پہلے ہی پہنچا چکا ہوں۔'' میں تم میں سے کسی کو اس حالت میں آتے نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر ایک بکری ہو جو ممیا رہی ہو اور وہ فریاد کر رہا ہو کہ ''یا رسول اللہ ﷺ! میری مدد کیجئے۔'' اور میں اس سے کہوں کہ ''میں تمہارے کسی کام نہیں آ سکتا۔ میں نے تمہیں اس کی خبر دے دی تھی۔'' قیامت کے دن میں تم میں سے کسی کو اس حالت میں آتے نہ دیکھوں کہ اس کی گردن پر کچھ کپڑے ہوں جو پھڑ پھڑا رہے ہوں اور وہ فریاد کر رہا ہو کہ ''یا رسول اللہ ﷺ! میری مدد کیجئے'' اور میں کہوں کہ میں تمہارے کسی کام نہیں آ سکتا۔ میں نے تمہیں پہلے ہی اس کی خبر دے دی تھی۔ میں تم میں سے کسی کو اس حالت میں آتا نہ پاؤں کہ اس کی گردن میں اموالِ صامت (سونا، چاندی) لدے ہوں اور وہ فریاد کر رہا ہو کہ ''یا رسول اللہ ﷺ! میری مدد کیجئے'' اور میں اس کو جواب میں کہوں کہ ''میں تمہارے کسی کام نہیں آ سکتا۔ میں پہلے ہی تم تک (یہ خبر) پہنچا چکا ہوں۔''

مسلم نے اس روایت میں ان الفاظ کو مزید روایت کیا ہے:

((لَا أُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يُجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهِ نَفْسٌ لَّهَا صِيَاحٌ فَيَقُولُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ اَغِثْنِي فَاَقُولُ: لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ بَلَّغْتُكَ.)) [1]

''تم میں سے کوئی قیامت کے دن میرے پاس اس حالت میں نہ آئے کہ اس

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجهاد، باب الغلول وقول الله عزوجل "ومن يغلل يأت بما غل" (۳۰۷۳) صحیح مسلم کتاب الامارة، باب غلظ تحريم الغلول (۲۴/۱۸۳۱).

کی گردن پر (کوئی بے گناہ) جان سوار ہو اور چیخ پکار کر رہی ہو اور وہ کہہ رہا ہو کہ "یا رسول اللہ مجھے بچایئے" اور میں کہوں "میں تمہارے کسی کام نہیں آ سکتا۔ میں تمہیں پہلے ہی (یہ خبر) پہنچا چکا ہوں۔"

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

"قیامت کے دن تم میں سے کوئی آدمی اس حالت میں نہ آئے کہ اپنی گردن پر ایک بکری اٹھائے ہوئے ہو جو ممیا رہی ہو اور وہ فریاد کر رہا ہو "یا محمد ﷺ!" اور میں کہوں کہ "میں تیرے کسی کام نہیں آ سکتا۔ میں پہلے ہی پہنچا چکا ہوں اور تم میں سے کوئی اس حالت میں نہ آئے کہ اپنی گردن پر ایک اونٹ اٹھائے ہوئے ہو جو بلبلا رہا ہو اور وہ شخص کہہ رہا ہو "اے محمد ﷺ!" جس پر میں کہوں کہ "میں تیری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ میں پہلے ہی پہنچا چکا ہوں۔"[1]

اس مقام پر نبی اکرم ﷺ کا قول کہ:

((لَا اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا.))

(میں اللہ کے مقابلے میں تیرے کسی کام نہیں آ سکتا) بالکل وہی مفہوم رکھتا ہے جو مفہوم اس جملہ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول میں ہے:

﴿ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ﴾ (الممتحنه : ٤)

"میں تیرے لیے ضرور بخشش مانگوں گا۔ مگر اللہ کے مقابلہ میں تیرے کسی کام نہ آ سکوں گا۔"

منکرین شفاعت

جہاں تک اہل ایمان کے حق میں حضور اکرم ﷺ کی شفاعت اور دعا کا تعلق ہے وہ تمام مسلمانوں کے نزدیک دنیا اور دین دونوں کے لیے سودمند ہے۔ اسی طرح تمام مسلمان

[1] صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب اثم مانع الزكوة (١٤٠٢) عن عمران بن حصين.

اہل علم کا اس بات پر بھی اتفاق رائے ہے کہ قیامت کے دن آپ کی شفاعت اہلِ ایمان کے اجر وثواب میں اضافہ اور بلندیٔ درجات کا موجب ہوگی۔ کہا جاتا ہے کہ اہل بدعت اس عقیدہ کے منکر ہیں۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہ اللہ علیہم اور مسلمانوں کے ائمہ اربعہ کا اس امر پر اجماع ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے روز اپنی امت کے گنہگار لوگوں کی شفاعت کریں گے۔ لیکن بعض اہل بدعت مثلاً خوارج، معتزلہ، زیدیہ وغیرہم اس بات کا انکار کرتے ہیں اور یہ دلیل دیتے ہیں کہ ''جو شخص جہنم میں ڈال دیا جائے گا اسے نہ شفاعت اور نہ کوئی اور چیز اس سے نکال سکتی ہے'' ان کے خیال میں حقیقت یہ ہے کہ جو شخص جنت میں داخل ہوگا اسے دوزخ میں نہیں پھینکا جائے گا اور جو شخص دوزخ میں پھینک دیا جائے گا اس کو جنت میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا۔ اور ایک ہی شخص پر ثواب وعذاب کا اجتماع ممکن نہیں ہے۔ اس کے برعکس تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور جملہ ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر صحیح احادیث کی روشنی میں کہتے ہیں کہ، اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو، جس قدر وہ عذاب دینا چاہے، عذاب دے کر، نارِ جہنم سے نکالے گا۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ جہنم سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر نکالے گا۔ کچھ دوسرے لوگ دیگر انبیاء وصلحاء کی شفاعت کی بدولت دوزخ سے نکالے جائیں گے اور بعض لوگ بغیر کسی شفاعت کے عذاب دوزخ سے رستگاری پائیں گے۔ [1]

منکرین شفاعت کے دلائل

شفاعت کے منکرین اپنے دعویٰ کی دلیل میں قرآن مجید کی یہ آیات پیش کرتے ہیں:

﴿ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب اثم مانع الزکوۃ (۱۴۰۲) عن عمران بن حصین.
صحیح البخاری کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار (٦٥٦٦)صحیح مسلم کتاب الایمان باب ادنی اهل الجنة منزلة فیها (١٩١)عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نحوه.

شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ ﴾ (البقرة: ٤٨)

''اور ڈرواس دن سے جب کوئی شخص کسی کے کام نہ آئے گا، نہ اس سے شفاعت قبول ہوگی، نہ اس سے فدیہ ہی لیا جائے گا۔''

﴿ وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ ﴾ (البقرة: ١٢٣)

''نہ اس سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ کوئی شفاعت ہی اسے نفع دے گی۔''

﴿ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَ لَا خُلَّةٌ وَّ لَا شَفَاعَةٌ ﴾

(البقرة: ٢٥٤)

''قبل اس کے کہ وہ دن آپہنچے جس میں نہ کوئی تجارت (فائدہ مند) ہوگی اور نہ کوئی دوستی اور نہ کوئی شفاعت ہی۔''

﴿ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴾ (المومن: ١٨)

''اور (اس دن) ظالموں کے لیے نہ کوئی مددگار ہوگا، نہ کوئی سفارشی، جس کا کہا واجب التعمیل ہو۔''

﴿ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ ﴾ الشّٰفِعِيْنَ ﴾ (المدثر: ٤٨)

''پس کسی شفاعت کرنے والے کی شفاعت بھی اسے فائدہ نہ پہنچائے گی۔''

اہل سنت ان دلائل کا یہ جواب دیتے ہیں کہ شاید ان آیات سے دو چیزیں مراد ہیں۔

اولاً:...... یہ شفاعت صرف مشرکین کے لیے فائدہ مند نہیں ہوگی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ○ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ○ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ○ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ○ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ○ حَتّٰى اَتٰـنَا الْيَقِيْنُ ○ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ

الشّٰفِعِيْنَ ۝﴾ (المدثر: ٤٢: ٤٨)

"کس چیز نے تمہیں دوزخ میں داخل کیا؟ وہ کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں نہ تھے۔ اور ہم کسی مسکین کو کھانا نہ کھلاتے تھے اور ہم مشغول رہتے تھے (فضول کاموں میں) مشغول رہنے والوں کے ساتھ اور ہم جھٹلاتے تھے روزِ جزا کو حتی کہ یقینی ساعت ہم تک آ پہنچی۔ پس کسی سفارشی کی سفارش بھی ان کو فائدہ نہ پہنچائے گی۔"

ان لوگوں کو شفاعت اس وجہ سے نافع نہیں ہوگی کہ وہ کافر تھے۔

ثانیاً:...... جس شفاعت کی اس جگہ نفی کی گئی ہے وہ شفاعت ہے جس پر اہلِ شرک اور دوسرے اہلِ بدعت یقین رکھتے ہیں۔ ان اہل بدعت میں اہل کتاب یعنی یہودی اور نصرانی اور مسلمانوں کا وہ گروہ شامل ہے جو اس بدعقیدگی میں مبتلا ہے کہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بہت قدر و منزلت حاصل ہے اور وہ اس کے اذن کے بغیر ہی سفارش کریں گے۔ بالکل اسی طرح جس طرح بعض لوگ لوگوں کے پاس سفارش لے جاتے ہیں اور وہ قبول کر لیتے ہیں اور کسی لالچ و خوف کی وجہ سے ان کی حاجت پوری کر دیتے ہیں۔

چنانچہ مشرکین اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر نبیوں، فرشتوں اور صالح لوگوں کو اپنا سفارشی ٹھہراتے، ان کی تماثیل بناتے، ان کے ذریعہ شفاعت طلب کرتے اور کہتے ہیں کہ "یہ اللہ کے خاص بندے ہیں۔ ہم ان کی دعا اور عبادت کی وساطت سے ان کو اللہ تعالیٰ اور اپنے درمیان وسیلہ بناتے ہیں تاکہ وہ ہماری سفارش کریں۔ ہمارا یہ عمل ان لوگوں کی طرح ہے جو بادشاہوں تک ان کے خواص و مقربین کے ذریعہ رسائی حاصل کرتے ہیں، کیونکہ یہ خواص دوسرے لوگوں کی نسبت ان کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔" یہ مقربین بادشاہوں سے اجازت طلب کیے بغیر ہی سفارش کر دیتے ہیں۔ کبھی کبھی ان مصاحبین میں سے کوئی بادشاہ

کے پاس ایسی بات کی سفارش بھی کر سکتا ہے جو اسے ناگوار ہوتی ہے لیکن وہ اس کی سفارش کسی لالچ اور خوف کی بناء پر قبول کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اللہ تعالی نے اس نوعیت کی شفاعت کی نفی کردی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ:

﴿ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ ﴾ (البقرة: ۲۵۵)

''کون ہے جو اس کے پاس شفاعت کرے مگر اس کی اجازت سے۔''

﴿ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَرْضٰی ۝ ﴾ (النجم: ۲٦)

''اور آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں جن کی شفاعت کسی کام نہ آئے گی الا یہ کہ اللہ اجازت دے دے جسے چاہے اور پسند کرے۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرشتوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ ۝ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی وَهُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝ ﴾

(الانبیاء: ۲٦ : ۲۸)

''انہوں نے کہا کہ رحمٰن نے اولاد اختیار کی ہے۔ پاک ہے وہ بلکہ وہ تو معزز بندے ہیں۔ بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم پر عمل کرنے والے ہیں۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ وہ نہیں سفارش کرتے مگر اس کے لیے جسے وہ پسند کرے اور وہ اس کے ڈر سے خوف زدہ ہیں۔''

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِیْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ

مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ٥ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ط ﴾

(سبا: ۲۲ : ۲۳)

''(اے نبی) کہہ دیجیے ان لوگوں کو پکارو جن کو تم اللہ کے سوا (معبود) ٹھہراتے ہو۔ وہ تو ایک ذرہ بھر کے بھی مالک نہیں، نہ آسمانوں میں نہ زمین میں، ان دونوں میں ان کے پاس کوئی حصہ نہیں۔ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار نہیں ہے۔ اس کے ہاں کوئی شفاعت کوئی فائدہ نہ دے گی سوائے اس کے جس کے لیے وہ اذن دے۔''

﴿ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ٥ ﴾ (یونس: ۱۸)

''اللہ کو چھوڑ کر وہ ان کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ کوئی فائدہ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ کہیے! کیا تم اللہ کو ان چیزوں کی خبر دے رہے ہو جن کو وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے اور نہ زمین میں وہ پاک ہے اور بلند ہے ان سے جسے وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔''

﴿ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ٥ ﴾ (الانعام: ۵۱)

''اور ان کو اس کے ذریعہ سے ڈرا جو ڈرتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔ اللہ کے سوا ان کا نہ کوئی مددگار ہوگا نہ شفاعت کرنے والا، تا کہ وہ ہماری پرہیزگاری اختیار کریں۔''

﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ اَفَلَا

تَتَذَكَّرُوْنَ ٥ ﴾ (السجده : ٤)

''اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پیدا کیا چھ دنوں میں۔ پھر وہ عرش پر جلوہ افروز ہوا۔ اس کو چھوڑ کر تمہارے لیے نہ کوئی مددگار ہو گا اور نہ شفاعت کرنے والا۔ کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے۔''

﴿ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ٥ ﴾ (زخرف : ٨٦)

''وہ اللہ کو چھوڑ کر جن کو پکارتے ہیں وہ شفاعت کا کوئی اختیار نہیں رکھتے مگر وہ جنھوں نے حق کی شہادت دی جانتے ہوئے۔''

﴿ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ٥ ﴾ (الانعام : ٩٤)

''بیشک تم ہمارے پاس اکیلے آئے جیسا کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا پہلی مرتبہ اور ہم نے تمہیں جو نعمتیں عطا کی تھیں تم ان کو اپنی پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے ہو اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے سفارشی نہیں دیکھ رہے جن کا تم دعویٰ کرتے تھے کہ وہ تمہارے اندر شریک ہیں جن کو تم معبود خیال کرتے تھے۔ (آج) سب تم سے غیب ہو گئے ہیں۔''

﴿ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ٥ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ٥ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ٥ ﴾

(الزمر: ۴۳: ۴۵)

''کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا سفارشی بنا رکھے ہیں؟ کہیے! (اے رسول) خواہ کسی چیز پر بھی اختیار نہ ہو اور وہ کچھ بھی سوجھ بوجھ نہ رکھتے ہوں؟ کہیے شفاعت تو ساری اللہ کے پاس ہے۔ تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کے قبضہ میں ہے۔ پھر تمہیں اسی کی طرف پلٹنا ہے۔ جب ایک اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کے دل بھینچ جاتے ہیں لیکن جب اللہ کے سوا کچھ اور لوگوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔''

﴿ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ۝ یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا ۝ ﴾

(طٰہٰ: ۱۰۸: ۱۰۹)

''آوازیں خدائے رحمٰن (کے خوف سے) دب جائیں گی۔ پس تو نہیں سنے گا مگر صرف پاؤں کی آہٹ۔ اس روز شفاعت فائدہ نہ دے گی مگر اس کو جس کے لیے خدائے رحمٰن اجازت دے گا، اور اس کی بات اسے پسند آئے گی۔''

صاحبِ یٰسین حضرت رسول عربی ﷺ نے بزبانِ قرآن فرمایا:

﴿ وَمَا لِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْئًا وَّلَا یُنْقِذُوْنَ ۝ اِنِّیْٓ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ اِنِّیْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنَ ۝ ﴾ (یس: ۲۲: ۲۵)

''اور مجھے کیا ہو گیا کہ میں اس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور جس کی طرف تم سب کو پلٹ کر جانا ہے، کیا میں اس کو چھوڑ کر اور معبود بنا لوں کہ رحمٰن مجھے کوئی تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرے تو اس کی شفاعت میرے

کسی کام نہ آئے اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں۔ تب تو میں کھلی گمراہی میں مبتلا ہوں گا۔ میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا ہوں۔ پس میری بات سنو۔''

حقیقتِ شرک

پس یہی وہ شفاعت ہے جو مشرکین فرشتوں، نبیوں اور صالح و مقدس لوگوں کے لیے ثابت کرتے تھے۔ حتی کہ ان برگزیدہ ہستیوں کی تماثیل (بت) بناتے اور کہتے کہ ''ہماری ان بتوں سے شفاعت کی درخواست درحقیقت ان مقدس ہستیوں ہی سے شفاعت کی درخواست ہے۔ اسی طرح وہ ان ہستیوں کی قبروں پر جاتے اور کہتے ''ہم ان کی موت کے بعد ان سے شفاعت کی درخواست کرتے ہیں تاکہ وہ ہمارے حق میں اللہ کی بارگاہ میں سفارش کریں۔ اسی طرح ان مشرکین نے ان ہستیوں کے بت تراش لیے اور ان کی پرستش کرنے لگے۔ اسی شفاعت کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے باطل قرار دیا ہے۔ مشرکین کی مذمت کی ہے اور ان کو ان مشرکانہ عقیدہ کی وجہ سے کافر ٹھہرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔

﴿ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۝ ﴾ (نوح: ۲۳)

''اور ان (سرداروں) نے کہا: اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ ودّ کو چھوڑو اور نہ سواع کو نہ یعوق کو اور نہ نسر کو۔''

قبر پرستی کی اصل بنیاد

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر اہلِ علم فرماتے ہیں کہ ''یہ برگزیدہ ہستیاں قومِ نوح کے نیک و صالح لوگ تھے۔ جب انہوں نے اس دنیا سے آنکھیں بند کیں تو ان کے عقیدت مندوں نے ان کے بت تراش لیے اور ان کی پوجا پاٹ کرنے لگے'' یہ قول تفسیر اور حدیث

کی کتابوں میں بہت مشہور ہے، ان میں صحیح بخاری بھی شامل ہے۔ [1]

حضور اکرم ﷺ نے اس شفاعت کو باطل ٹھہرایا اور اس کی اصل بنیاد کی بیخ کنی فرما دی حتی کہ آپ ﷺ نے ان لوگوں پر لعنت کی جنہوں نے انبیاء وصلحاء کرام کی قبروں کو مسجد بنا لیا اور ان میں نمازیں پڑھنے لگے۔ اگرچہ وہاں پر نماز پڑھنے کا ارادہ ان سے شفاعت کی درخواست کرنا نہ ہو۔ نیز آپ ﷺ نے قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ وہ کسی بھی نمایاں اور بلند قبر کو نہ چھوڑیں، جب تک اس کو زمین کے ساتھ برابر نہ کر دیں۔ اور کسی بت اور تصویر کو مسمار اور محو کیے بغیر نہ چھوڑیں۔ نیز آپ ﷺ نے تصویر بنانے والوں پر لعنت کی ہے۔ ابی الہیاج اسدی کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھے کہا:

((اِنِّی لَاَبْعَثُکَ عَلٰی مَا بَعَثَنِی رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ اَلَّا تَدَعَ تِمْثَالًا اِلَّا تَمَسْتَهُ وَلَا قَبْرًا اِلَّا سَوَّيْتَهُ.))

''میں تجھے اسی کام کے لیے بھیج رہا ہوں جس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا تھا کہ تو کسی بت کو مٹائے بغیر نہ چھوڑے اور نہ کسی بلند قبر کو چھوڑ ے جب تک تو اسے زمین کے ساتھ ہموار نہ کر دے۔''

ایک دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

((وَلَا صُورَةً اِلَّا طَمَسْتَهَا.)) [2]

''اور نہ کسی تصویر کو مٹائے بغیر چھوڑنا۔''

---

[1] صحیح البخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورة نوح (٤٩٢٥).

[2] مسند احمد ٩٦/١، صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب الامر بتسویة القبر (٩٦٩).

پہلا باب:

توسل سے مراد

لفظ توسل سے تین باتیں مراد ہیں۔ ان میں سے دو باتیں ایسی ہیں جن کے متعلق عام مسلمانوں کے درمیان اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔ ایک تو ایمان و اسلام کی اصل بنیاد ہے اور وہ ہے اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان اور آپ ﷺ کی اطاعت کے ذریعہ توسل۔ دوسری بات آپ ﷺ کی دعا اور شفاعت ہے۔ یہ بھی ایسے شخص کے لیے نافع ہے جو آپ ﷺ کو وسیلہ بنائے اور خود آپ ﷺ نے اس کے لیے دعا کی ہو۔ اور اس کے حق میں شفاعت کی ہو اس بات پر بھی تمام مسلمان متفق الرائے ہیں۔ جو شخص ان دونوں معنوں میں سے کسی ایک معنی کے لحاظ سے آپ ﷺ کے وسیلہ کا انکار کرتا ہے۔ وہ کافر مرتد ہے۔ جس پر توبہ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کرلے تو ٹھیک ورنہ وہ مرتد قتل کر دیا جائے گا۔ نبی اکرم ﷺ کی رسالت پر ایمان اور ان کے احکامات کی اطاعت کو وسیلہ بنانا اصل دین ہے۔ ہر خاص و عام مسلمان کو معلوم ہے کہ یہ وسیلہ عین دین اسلام ہے۔ وسیلہ کے اس مفہوم سے جو انکار کرتا ہے وہ بھی کفر کا صریح ارتکاب کرتا ہے۔ جہاں تک آپ ﷺ کی دعا اور شفاعت اور مسلمانوں کا اس سے مستفیض ہونا ہے۔ اگر کوئی شخص اس کا انکار کرتا ہے تو وہ بھی کافر ہے، لیکن یہ کافر اول الذکر کافر سے کم درجہ کا ہے۔ جو شخص لاعلمی اور جہالت کی بناء پر اس کا انکار کرتا ہے اس پر حقیقتِ مسئلہ واضح کی جائے گی اور اگر وہ اپنے انکار پر اصرار کرتا ہے تو وہ مرتد ہے۔

شفاعت اور توحید

رہا دنیا میں آپ ﷺ کی شفاعت کا مفید ہونا، تو اہل قبلہ میں سے کسی نے اس کا

انکار نہیں کیا۔ جہاں تک قیامت کے دن آپ ﷺ کی شفاعت کا تعلق ہے، اہل سنت والجماعت جس میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ شامل ہیں، کا مذہب یہ ہے کہ آپ ﷺ اس دن کئی عام و خاص شفاعتیں کریں گے۔ آپ ﷺ امت کے ان گنہگاروں کے حق میں شفاعت کریں گے، جن کے لیے شفاعت کی اجازت آپ ﷺ کو دی جائے گی۔ آپ ﷺ کی شفاعت سے صرف توحید پرست اہل ایمان ہی فائدہ اٹھائیں گے۔ مشرکین اس سے بالکل مستفید نہ ہوسکیں گے۔

مشرک خواہ آپ ﷺ سے کتنی ہی محبت رکھتا ہو اور آپ ﷺ کی کتنی ہی تعظیم کرتا ہو۔ آپ ﷺ کی شفاعت اس کو دوزخ سے بچا نہیں سکے گی۔ صرف عقیدۂ توحید اور آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان ہی نجات کا موجب ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ ابوطالب اور دوسرے لوگ آپ ﷺ سے بہت محبت کرتے تھے لیکن چونکہ انہوں نے توحیدِ باری تعالیٰ کا اقرار نہیں کیا تھا اس لئے وہ صرف آپ ﷺ کی شفاعت کی بدولت عذابِ جہنم سے نجات نہیں پاسکیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ! اَیُّ النَّاسِ اَسْعَدُ شَفَا عَتِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ فَقَالَ: اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِن قَلْبِهِ.)) [1]

''میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! قیامت کے دن آپ ﷺ کی شفاعت کے سبب سب سے خوش نصیب کون ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میری شفاعت کے سبب قیامت کے دن سب سے زیادہ سعادت مند وہ شخص ہوگا جس نے خلوصِ دل سے اقرار کیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں''

[1] صحيح البخاری، كتاب العلم، باب الحرص على الحديث (۹۹).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهُ وَاِنِّي اَخْتَبَاْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً يَومَ الْقِيَامَةِ فَهِيَ فَائِلَةٌ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ مَّاتَ مِنْ اُمَّتِي لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا.))[1]

''ہر نبی کی ایک دعا مقبول ہوتی ہے۔ پس ہر نبی نے اپنی دعا کرنے میں عجلت کی اور میں نے اپنی دعا کو پوشیدہ رکھا قیامت کے دن شفاعت کے طور پر۔ ان شاء اللہ تعالیٰ وہ میری امت کے ہر اس شخص کو حاصل ہوگی جو اس حالت میں مرا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا۔''

نیز سنن میں حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَتَانِيْ اٰتٍ مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ وَخَيَّرَنِي اَنْ يَّدْخُلَ نِصْفَ اُمَّتِي الْجَنَّةَ وَبَيْنَ الشَّفَاعَةِ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ وَهِيَ لِمَنْ مَّاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا.))

''میرے اللہ کی طرف سے ایک آنے والا (فرشتہ) میرے پاس آیا اور مجھے میری نصف امت کو جنت میں داخل کرنے اور شفاعت کرنے کے درمیان اختیار دیا۔ میں نے شفاعت کو اختیار کرلیا۔ یہ اُس شخص کے لیے ہے جو اس حالت میں مرے کہ اللہ سے کسی کو شریک نہ بناتا ہو۔''

ایک روایت کے الفاظ ہیں:

((وَمَنْ لَّقِيَ اللّٰهَ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا فَهُوَ فِي شَفَاعَتِي.))[2]

''اور جو شخص اس حالت میں اپنے اللہ سے ملے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب اختیاء النبی ﷺ دعوۃ الشفاعۃ لامتہ (۱۹۹).

[2] مسند الطیاسی (۹۹۸) مسند احمد ٦/ ۲۸، ۲۹، سنن الترمذی، صفۃ القیامۃ (۲٤٤۱)، صحیح ابن حبان (۲۱۱، ٦٤٦۳، ٦٤۷۰).

ٹھہراتا ہو وہ میری شفاعت میں ہے۔''

توحید، اصل دین

توحید دین کی اصل بنیاد ہے۔ توحید کے برخلاف اللہ تعالیٰ متقدمین و متاخرین میں سے کسی سے کوئی دوسرا دین قبول نہیں کرے گا۔ توحید کی دعوت دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کو بھی بھیجا ہے۔ اور اسی غرض کے لیے اس نے ساری کتابیں نازل فرمائیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

﴿ وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۝ ﴾ (زخرف : ٤٥)

''اور پوچھ ہمارے ان رسولوں سے جن کو تجھ سے پہلے ہم نے بھیجا تھا کہ ''کیا ہم نے رحمٰن کے سوا دوسرے معبود بنائے تھے جن کی پوجا کی جا سکے؟''

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝ ﴾ (الانبياء: ٢٥)

''اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر ہم نے اس کی طرف یہ بات وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس میری عبادت کرو۔''

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ط ﴾

(النحل: ٣٦)

''اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو، پس ان میں بعض کو اللہ نے ہدایت عنایت کی اور ان میں سے بعض کو گمراہی لاحق ہوگئی۔''

اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ اس نے جس رسول کو بھی بھیجا اس نے اپنی دعوت کا آغاز اپنی قوم سے اس خطاب سے کیا۔

﴿ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ. ﴾ (الاعراف : ٦٥)

''اللہ کی عبادت کرو اس کے ماسوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔''

مسند میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((بُعِثْتُ بِا السَّيْفِ بَيْنَ يَدِي السَّاعَةِ حَتّٰى يُعْبَدَ اللّٰهَ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَجُعِلَ رِزْقِي تَحْتَ رُمْحِي وَجُعِلَ الذِّلُّ وَالصِّغَارُ عَلٰى مَنْ خَالَفَ اَمْرِيْ وَمَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَمِنْهُمْ.)) [1]

''مجھے قیامت کے قریب تلوار دے کر بھیجا گیا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت ہونے لگے اور میرا رزق میرے نیزے کے نیچے رکھا گیا ہے جس نے میرے حکم کی مخالفت کی اس پر ذلت و رسوائی مسلط ہوگی۔ اور جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے۔''

مشرکینِ قریش اور اللہ تعالیٰ کی صفتِ خلق

قبیلۂ قریش کے مشرکین وغیرہم جن کی شرک کی خبر قرآن مجید نے دی ہے، جن کے مال و جان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال قرار دیا ہے، جن کی عورتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈیاں بنالیا اور جن کے لیے عذابِ دوزخ واجب ہے، اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ صرف اللہ وحدہ لا شریک نے ہی تمام آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے اس اقرار کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔

﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ

[1] مسند احمد: ۲/ ۵۰، ۹۲۔ صحیح البخاری تعلیقاً کتاب الجهاد، باب ما قیل فی الرماح قبل الحدیث ۲۹۱۴۔ ارواء الغلیل: ۱۲۶۹۔

وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴾ (العنكبوت : ٦١)

''اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے پھر وہ کدھر بہکائے جاتے ہیں۔''

﴿ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ○ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ ﴾

(المومنون : ٨٤ تا ٩١)

''(آپ ان سے) کہیے، کس کے قبضہ میں ہے یہ زمین اور اس کے اندر جو کچھ ہے (بتاؤ) اگر تم کچھ علم رکھتے ہو؟ وہ فوراً کہیں گے، اللہ کے قبضہ میں ہے۔ کہیے کہ ''پھر کیا تم نصیحت نہیں حاصل کرتے؟ کہیے کہ کون ہے ساتوں آسمانوں کا رب؟ اور عرش عظیم کا رب؟ وہ فوراً کہیں گے کہ ''یہ سب اللہ کے لیے ہے۔'' پھر تم ڈرتے کیوں نہیں؟ کہیے کہ ''ہر شے کی بادشاہت کس کے ہاتھ میں ہے اور وہ کون ہے جو پناہ دیتا ہے لیکن اس کے خلاف کوئی پناہ نہیں؟ بتاؤ اگر علم رکھتے ہو؟'' وہ فوراً کہیں گے کہ ''یہ اللہ کے پاس ہے'' کہیے کہ پھر تم کہاں بہکائے جا رہے ہو؟ بلکہ ہم ان کے پاس حق لے کر آئے ہیں اور وہ اس کو جھٹلا رہے ہیں۔ اللہ نے کوئی بیٹا نہیں بنایا، اور نہ اس کے ساتھ کوئی معبود (شریک) ہے۔ ایسی صورت ہوتی تو ہر ایک خالق اپنی مخلوق کو لے جاتا تا کہ وہ

دوسروں پر غلبہ حاصل کرے۔ اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔''

مشرکین کا اعتراف کہ ان کے معبود مخلوق ہیں

مشرکین اللہ کے ساتھ جن دوسرے معبودانِ باطلہ کو مانتے تھے ان کے بارے میں وہ اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں وہ ان معبودوں کو صرف اپنا سفارشی ٹھہراتے ہیں اور ان کی عبادت کے واسطے سے اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ ﴾ (یونس: ۱۸)

''اور وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکتی ہیں اور نہ نفع دے سکتی ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں (آپ) کہیے کیا تم اللہ کو اس چیز کی خبر دے رہے ہو جسے وہ نہ آسمانوں اور نہ زمین میں جانتا ہے۔ وہ پاک ہے اور شرک سے بہت بلند ہے۔''

﴿ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ○ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ ○ ﴾ (الزمر: ۱)

''یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو غالب حکمت والا ہے۔ بیشک

اسے ہم نے تیری طرف نازل کیا ہے حق کے ساتھ، پس اللہ کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کرو۔ خبردار! خالص عبادت اللہ ہی کے لیے ہے۔ جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو مددگار بناتے ہیں (وہ کہتے ہیں) ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر صرف اس لیے کہ وہ ہمیں اللہ کے نزدیک کر دیں۔ جن باتوں میں یہ اختلاف کرتے ہیں اللہ ان میں فیصلہ فرما دے گا۔ اللہ ہدایت نہیں دیتا جھوٹے ناشکرے کو۔''

مشرکین کا تلبیہ

مشرکین حج کے دوران جو تلبیہ پڑھتے تھے اس کے الفاظ یہ ہیں:

((لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكاً هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ))[1]

''میں تیرے (در پر) حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں، بجز اس شریک کے جو تو نے خود اختیار کیا ہے تو اس کا اور جو کچھ اس کی ملک میں ہے کا مالک ہے۔''

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الحج، باب التلبية وصفتها ووقتها (١١٨٥).

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝﴾ (الروم: ۲۸،۳۲)

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایک مثال خود تمہاری ہی بیان کی ہے جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے کیا اس میں تمہارے غلاموں میں سے بھی کوئی تمہارا شریک ہے کہ تم اور وہ اس میں برابر درجے کے ہو؟ تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو جیسے اپنے آپ سے ڈرتے ہو۔ اسی طرح ہم عقل رکھنے والوں کے لیے آیات کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔ لیکن ظالم بغیر کسی علم کے اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں۔ جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کون راہ دکھا سکتا ہے؟ ان کا کوئی بھی مددگار نہیں۔ پس تو یکسو ہو کر دین کی طرف متوجہ ہو جا۔ اللہ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا، اللہ کی تخلیق میں تبدیلی نہیں۔ یہی دینِ قیم ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس سے ڈرو اور نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔ جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ چھوٹے چھوٹے گروہ بن گئے۔ ہر گروہ اپنے طرزِ عمل پر خوش ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے جو مثال پیش کی، اس سے واضح کر دیا کہ یہ بات اس کی شان سے فروتر ہے کہ وہ اپنے غلام کو اپنا شریک وسہیم بنائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں سے پوچھا کہ ''کیا جو کچھ رزق ہم نے تمہیں عنایت کیا ہے اس میں تم اپنے غلاموں کو بھی شریک بناتے ہو، کیا تم ان کو مساوی درجے دیتے ہو؟ تم اپنے غلام سے اسی طرح ڈرتے ہو جس طرح تم ایک دوسرے سے خوف زدہ رہتے ہو؟ پس تم میں سے کوئی بھی پسند نہیں کرتا کہ اس کا غلام کسی لحاظ سے بھی اس کا شریک ہو تو پھر جس چیز کو تم خود ناپسند کرتے ہو اسے میرے لیے کیسے پسند کرتے ہو؟''

اسی طرح سے مشرکین کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے

فرمایا:

﴿ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ۝ ﴾ (النحل: ٦٢)

''اور اللہ کے لیے وہ ان چیزوں کو ثابت کرتے ہیں جن کو خود ناپسند کرتے ہیں، ان کی زبانیں جھوٹ تصنیف کرتی ہیں کہ ان کے لیے خوبی ہے بلاشبہ ان کے لیے آگ ہے اور وہ دوزخیوں کے پیش رو ہیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾

(النحل: ٥٨ : ٦٠)

''اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے۔ اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔ (سوچتا ہے) کہ کیا اس ذلت (لڑکی) کو لیے رہے یا مٹی کے نیچے دبا دے۔ آہ! کیا ہی برے فیصلے کرتے ہیں۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کی بڑی بری مثال ہے۔ اور اللہ کی تو بہت بلند صفت ہے۔ وہ بڑا ہی غالب اور حکمت والا ہے۔''

مشرکین کی اقسام

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ نے جن مشرکین کا ذکر کیا ہے ان کی دو

قسمیں ہیں:

۱ قومِ نوح علیہ السلام اور ۲ قومِ ابراہیم علیہ السلام

جہاں تک قومِ نوح علیہ السلام کا تعلق ہے ان کے شرک کی بنیاد اس طرح پڑی کہ وہ اپنے صلحاء کی قبروں پر اعتکاف کرنے لگے۔ پھر انہوں نے ان صلحاء کی مورتیاں بنالیں اور ان کی پوجا پاٹ کرنے لگے۔ قوم ابراہیم علیہ السلام میں شرک کا آغاز، چاند، سورج اور ستاروں کی پرستش سے ہوا۔ یہ دونوں قومیں جنوں کی پوجا کرتی تھیں، لہٰذا جنات بعض اوقات ان سے ہمکلام ہوتے۔ اور کبھی کبھی ان کی مدد بھی کر دیتے تھے۔ یہ مشرکین کبھی یہ سمجھتے ہیں کہ وہ فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ جنات کی پرستش کر رہے ہوتے تھے۔ کیونکہ صرف جنات ہی ان کی مدد کرتے اور ان کے شرک پر خوش ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ أَهَٰٓؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ۝ قَالُوا سُبْحَٰنَكَ أَنتَ وَلِيُّنَا مِن دُونِهِم بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ ۝ ﴾ (سبا: ۴۰، ۴۱)

”اور (قیامت کے) دن اللہ ان سب کو اکٹھا کرے گا، پھر فرشتوں سے پوچھے گا، کیا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کرتے تھے؟ وہ عرض کریں گے ”تو پاک ہے ان کے بجائے ہمارا ولی تو تُو ہی ہے بلکہ وہ جنوں کی پوجا کرتے تھے۔ اور اکثر ان ہی پر ایمان رکھتے تھے۔“

اللہ کے فرشتے شرک باللہ میں لوگوں کی مدد نہیں کرتے، نہ زندگی میں نہ ان کی موت کے بعد، نہ وہ اس شرک پر خوش ہوتے ہیں۔

شیاطین ملائکہ کے بھیس میں

اس کے برعکس شیاطین لوگوں کی امداد کرتے ہیں۔ اور انسانوں کا روپ دھار کر ان

کے سامنے آتے ہیں۔ لہٰذا لوگ ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ ان شیاطین میں سے کوئی کہتا کہ میں ابراہیم علیہ السلام ہوں، میں مسیح علیہ السلام ہوں، میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، میں خضر علیہ السلام ہوں، میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوں، میں عمر رضی اللہ عنہ ہوں، میں عثمان رضی اللہ عنہ ہوں، میں علی رضی اللہ عنہ ہوں۔'' یا یوں کہتا ہے: ''میں فلاں شیخ اور بزرگ ہوں۔'' کبھی وہ آپس میں گفتگو کرتے ہیں تو ایک دوسرے کو کہتا ہے: ''یہ فلاں نبی ہے، یہ خضر علیہ السلام ہے۔'' حالانکہ یہ سب جنات ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کی شہادت دیتے ہیں۔ جنات بھی انسانوں کی طرح کی ایک مخلوق ہیں، ان میں کافر بھی ہوتے ہیں اور فاسق بھی۔ ان میں گنہگار بھی پائے جاتے ہیں اور جاہل عبادت گزار بھی۔ ❶

ان میں سے بعض کسی بزرگ سے محبت بھی کرتے ہیں۔ اور اس کا روپ دھار لیتے ہیں اور کہتے ہیں ''ہم فلاں بزرگ ہستی ہیں۔'' یہ جنگلوں اور ویرانوں میں رہتے ہیں، لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں، پانی پلاتے ہیں۔ بھولے بھٹکوں کی راہنمائی کرتے ہیں اور بعض پیش آنے والے واقعات کی پیشگی خبر دیتے ہیں۔ چنانچہ لوگ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ کسی زندہ یا فوت شدہ بزرگ کی روح ہے۔ جو اس طرح کے کام کرتی ہے کبھی یہ مشرکین کہتے ہیں کہ یہ کوئی بزرگ ہستی ہے یا کوئی فرشتہ ہے جو شکل بدل کر ظاہر ہوا ہے۔'' حالانکہ وہ تو صرف کوئی جن ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فرشتے شرک، جھوٹ، گناہ اور سرکشی میں تعاون نہیں کرتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝ ﴾ (بنی اسرائیل: ۵۶، ۵۷)

---

❶ اس آیت کی طرف اشارہ ہے: ﴿ وَاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۝ ﴾ [جن: ۱۱]

''(اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے کہ پکارو جن کو تم اس (اللہ) کے سوا معبود سمجھ رہے ہو، وہ تم میں سے کسی کی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں نہ تبدیل۔ جن لوگوں کو یہ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کے ہاں وسیلہ کی تلاش میں ہیں کہ ان میں کون زیادہ نزدیک ہو جائے۔ وہ خود اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بیشک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔''

سلف صالحین کا ایک گروہ کہتا ہے کہ بعض قومیں مصیبت کے وقت فرشتوں اور نبیوں مثلاً عزیر علیہ السلام اور مسیح علیہ السلام کو مدد کے لیے پکارتی تھیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے واضح کیا کہ فرشتے اور انبیاء کرام تو اسی طرح اللہ کے اطاعت گزار بندے ہیں جس طرح ان کی عبادت کرنے والے اللہ کے بندے ہیں۔ اس بات کی بھی صراحت فرما دی کہ وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں، اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور تمام نیکوکار لوگوں کی طرح اللہ کے قرب کے متلاشی ہیں۔

بتوں اور قبروں کی شفاعت کے بارے میں مشرکین کا دعویٰ

یہ مشرک لوگ کبھی کہتے کہ ''ہم ان فرشتوں سے شفاعت چاہتے ہیں، بالفاظِ دیگر ہم فرشتوں اور نبیوں سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کریں۔ جب ہم کسی قبر پر حاضری دیتے ہیں تو اس سے عرض کرتے ہیں کہ وہ ہماری شفاعت کرے جب ہم ان کی تصویریں یا مجسمے بناتے ہیں، جس طرح عیسائی اپنے گرجوں میں تصویریں اور مجسمے بناتے ہیں، تو اس سے ہمارا مقصود یہ ہوتا ہے کہ ان کے جلیل القدر ساتھی اور ان کی سیرت کے روشن باب زندہ و تابندہ رہیں۔ جب ہم ان بتوں سے مخاطب ہوتے ہیں تو ہم دراصل ان ہستیوں سے مخاطب ہوتے ہیں جن کے یہ بت ہوتے ہیں تاکہ وہ اللہ کے پاس ہماری شفاعت کریں۔'' چنانچہ وہ اس طرح انہیں پکارتے ہیں یا سیدی! اے بطرس!

اے مریم! یا ابراہیم خلیل اللہ! میری اللہ کے پاس شفاعت کیجیے۔'' اور کبھی یہ کسی فوت شدہ ہستی کو اس کی قبر کے پاس پکارتے ہیں۔ کبھی وہ زندہ بزرگوں کو پکارتے ہیں جب کہ وہ پاس موجود نہیں ہوتے۔ وہ ان ہستیوں کو بالکل اسی طرح پکارتے ہیں جیسا کہ وہ زندہ ہوں اور ان کے پاس موجود ہوں۔ وہ ان کی تعریف وتوصیف کے قصیدے پڑھتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے: ''اے فلاں شیخ! میں تیری پناہ میں ہوں، اللہ کے ہاں میری سفارش کیجیے۔ اللہ سے کہیے کہ وہ ہماری فلاں مصیبت دور کردے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا کیجیے کہ وہ ہمارے دشمنوں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرمائے۔ میں تجھ ہی سے فریاد کرتا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ وہ میری مصیبت کو رفع کردے۔'' ان میں سے کوئی کہتا: اے شیخ! اللہ سے میری مغفرت کی درخواست کیجیے۔'' بعض لوگ اپنے اس طرزِ عمل کے جواز میں اللہ تعالیٰ کا درج ذیل فرمان پڑھ کر سناتے ہیں:

﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ ﴾ (النساء: ٦٤)

''اور اگر وہ جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، تیرے پاس آتے اور اللہ سے مغفرت چاہتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا رحیم پاتے۔''

اس آیت کی بنا پر وہ کہتے ہیں کہ ''جب ہم نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد ان سے مغفرت کی درخواست کرتے ہیں تو ہم ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام پر ہوتے ہیں۔ جو آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے دوران آپ سے مغفرت کی درخواست کرتے تھے۔ اس طرح یہ لوگ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور تمام علمائے اسلام کے اجماع کے خلاف عمل کرتے ہیں کیونکہ ان میں سے کسی نے بھی نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد ان سے بخشش کی درخواست کرنے کا مطالبہ کیا اور نہ کسی چیز کا سوال ہی ان سے کیا۔ کسی امام نے

بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس طرزِ عمل کا ذکر اپنی کتابوں میں نہیں کیا ہے۔ اس طرح کا ذکر صرف بعد میں آنے والے چند فقہاء نے کیا ہے جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک جھوٹی حکایت منسوب کرتے ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ ہم اس کا آئندہ ذکر کریں گے اور اس پر شرح وبسط سے کلام کریں گے۔

ملائکہ، انبیاء اور صلحاء کی قبروں کے پاس اور ان کی عدم موجودگی میں اس طرح کا خطاب اور ان کی مورتیوں کو اس طرح پکارنا سب سے بڑا شرک ہے جو غیر اہل کتاب مشرکین میں پایا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ ایک عظیم شرک ہے جسے اہل کتاب یہود ونصاریٰ اور مسلمانوں میں سے اہل بدعت نے ایجاد کر لیا ہے۔ اور جس کی اللہ تعالیٰ نے ہرگز اجازت نہیں دی۔

﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ط ﴾

(الشوریٰ: ۲۱)

''کیا ان لوگوں نے ایسے شریک مقرر کر رکھے ہیں جنھوں نے ایک ایسا دین ان کے لیے مقرر کر دیا، جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔''

انبیاء کی موت کے بعد ان سے دعا

لہٰذا ثابت ہوا کہ ملائکہ اور انبیاء کرام علیہم السلام سے ان کی موت کے بعد یا ان کی غیر موجودگی میں دعا کرنا، ان سے سوال کرنا، ان سے مدد کی درخواست کرنا، ان کی سفارش طلب کرنا اور ان کی مورتیوں کو طلبِ شفا کی غرض سے نصب کرنا، سب اعمال ایسے دین سے تعلق رکھتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مقرر نہیں کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دین کے ساتھ نہ کوئی دین مبعوث فرمایا اور نہ کوئی کتاب ہی نازل کی ہے۔ تمام مسلمان اس پر اتفاق رائے رکھتے ہیں کہ ایسا کرنا نہ واجب ہے نہ مستحب۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ میں سے

کسی نے ان غیر اسلامی باتوں پر عمل نہیں کیا۔ اور نہ کسی امام نے ان کا حکم دیا ہے۔ اگر کچھ لوگ، جن کی عبادت اور زہد کے چرچے عام ہیں، یہ کام کرتے ہیں اور ان کے جواز میں بعض حکایتوں اور خوابوں کا تذکرہ کرتے ہیں تو یہ سب شیطانی وساوس ہیں۔ بعض بدعقیدہ لوگ مردوں سے دعا مانگنے، ان سے شفاعت و سفارش کی درخواست کرنے اور ان سے مدد مانگنے کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔ یا پھر وہ انبیاء وصلحاء کی مدح میں ایسی باتوں کا ذکر کرتے ہیں، جن میں سے کسی چیز کو بھی شریعت نے جائز قرار نہیں دیا۔ کسی مسلمان کے نزدیک بھی یہ نہ واجب ہے نہ مستحب۔ جو شخص ایسے طریقہ سے عبادت کرتا ہے جو نہ واجب ہے نہ مستحب لیکن وہ اسے واجب اور مستحب سمجھتا ہے، وہ بہت بڑا گمراہ ہے اور بہت بری بدعت کا ارتکاب کرتا ہے۔ تمام ائمہ دین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کوئی بدعت بدعتِ حسنہ نہیں ہوسکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف اسی طریقہ سے کی جاسکتی ہے جسے شریعت نے واجب گردانا ہو یا مستحب۔

اکثر لوگ اس قسم کے شرک کے بہت سے فوائد اور مصالح گنواتے ہیں، وہ اپنے مسلک کے حق میں رائے اور ذوق یا تقلید اور خواب کی بنا پر دلیلیں پیش کرتے ہیں۔

اہل بدعت کے سوال کا جواب

اہل بدعت کے دلائل کا دو طریقوں سے ابطال کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ قرآن وسنت کی واضح نص اور اجماع امت سے۔

۲۔ قیاس، ذوق اور اس فسادِ عظیم کے بیان سے جو ان دلائل سے جنم لے گا۔ ان دلائل سے جو فتنۂ ایمانی برپا ہوگا وہ ان مصالح سے بہت بڑا ہے۔

جہاں تک پہلے طریقۂ ابطال کا تعلق ہے۔ دینِ اسلام کے تواتر، اجماعِ سلف صالحین اور ائمۂ کرام کے عمل سے یہ بات ثابت ہے کہ اس طرح کا کوئی فعل شریعت میں نہ تو واجب

ہے نہ مستحب۔ ہر کہ دمہ اس حقیقت سے باخبر ہے کہ نہ ہمارے نبی اکرم ﷺ نے اور نہ آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی علیہ السلام نے لوگوں کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ ملائکہ، انبیاء اور صلحاء کو مدد کے لیے پکاریں اور ان سے سفارش کی درخواست کریں۔ اس کی اجازت نہ ان کے وصال کے بعد ہے اور نہ ان کی عدم موجودگی میں۔ لہٰذا کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ اس طرح کہے ''اے اللہ کے فرشتو! اللہ تعالیٰ کے پاس میری سفارش کرو۔ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ ہماری مدد کرے، ہمیں رزق عطا کرے۔ اور ہمیں راہ راست دکھائے۔ انبیاءِ کرام رضی اللہ عنہم اور صلحائے عظام رحمہم اللہ جو اس دنیا سے کوچ کر گئے ہیں، ان میں سے بھی کسی کو اس طرح پکارنا جائز نہیں کہ: ''اے اللہ کے نبی! اے اللہ کے رسول! میرے لیے اللہ سے دعا کرو، میرے لیے اللہ تعالیٰ سے سوال کرو، میرے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو، اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو کہ وہ مجھے بخش دے۔ مجھے ہدایت نصیب فرمائے، میری مدد فرمائے اور مجھے مصیبتوں سے محفوظ رکھے۔'' اس طرح کے الفاظ استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

۱۔ اے نبی ﷺ! میں تیرے پاس فریاد کرتا ہوں اپنے گناہوں کی، رزق میں کمی کی، اپنے اوپر دشمن کے غلبہ و تسلط کی۔

۲۔ میں فلاں شخص کے خلاف تجھ سے فریاد کرتا ہوں، اس نے مجھ پر ظلم و زیادتی کی ہے''

۳۔ میں تیرے در پر حاضر ہوں، میں تیرا مہمان ہوں۔ میں تیری پناہ میں ہوں۔''

۴۔ ''جو آدمی تجھ سے پناہ مانگتا ہے تو اس کو پناہ عطا کرتا ہے''

۵۔ ''تم ان سب سے بہترین ہستی ہو جس سے لوگ پناہ طلب کرتے ہیں''

مزید برآں کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ کاغذ کے ٹکڑے پر کچھ لکھ کر قبروں کے پاس لٹکائے۔ نہ کسی کو اس عنوان کی کوئی درخواست (محضر نامہ) ہی لکھے کہ ''میں فلاں ہستی کے طفیل پناہ مانگتا ہوں۔'' اور پھر اس محضر نامہ کو اس بزرگ ہستی کے پاس لے جائے جس کے

لیے یہ لکھا گیا تھا۔اسی قبیل کے دوسرے افعال بھی درست نہیں ہیں ،جن پر اہلِ کتاب اور اسلام سے تعلق رکھنے والے بدعتی لوگ عمل پیرا ہیں ،جن کا ارتکاب یہود و نصاریٰ اپنی عبادت گاہوں میں کرتے ہیں اور جن میں اسلام کے دعویدار بدعتی انبیاء وصلحاء کرام کی قبروں کے پاس یا ان کی عدم موجودگی میں مبتلا ہیں۔دین اسلام (قرآن وسنت) کی واضح نصوص ،متواتر آثار اور امتِ مسلمہ کے اجماع سے یہ بات بلا ریب پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ نے ان میں سے کوئی چیز بھی اپنی امت کے لیے جائز قرار نہیں دی ہے۔آپ ﷺ سے پہلے جتنے انبیاء کرام علیہم السلام گزر چکے ہیں ان میں سے بھی کسی نے اس طرح کی کوئی بات اپنی شریعت میں مقرر نہیں فرمائی۔ بلکہ اس ضمن میں اہلِ کتاب کے پاس اپنے انبیاء سے کوئی روایت یا اثر موجود نہیں ہے ،جس طرح مسلمانوں کے پاس اپنے نبیٔ برحق ﷺ کی کوئی حدیث ان باتوں کے جواز میں دستیاب نہیں ہے۔اس کے برعکس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمہم اللہ میں سے کسی نے بھی ان باتوں پر عمل نہیں کیا اور نہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ یا ان کے علاوہ مسلمانوں کے کسی اور معتبر امام نے ان باتوں کو پسندیدہ قرار دیا ہے۔نہ ہی کسی عالمِ دین نے مناسکِ حج یا کسی دوسرے موقع پر اس بات کو پسند کیا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس جا کر اپنے لیے شفاعت کی درخواست کرے ،یا امت کے لیے دعا کی عرض کرے یا امت مسلمہ پر دین و دنیا میں جو مصائب وآلام ٹوٹ پڑے ہیں ان کی فریاد آپ ﷺ سے کرے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور آپ کے وصال کے بعد طرح طرح کی مصیبتوں کے گرداب میں مبتلا ہوئے۔کبھی وہ خشک سالی اور قحط کا شکار ہوئے ،اور کبھی رزق میں نقصان واقع ہوگیا۔کبھی خوف کے بادل ان پر چھائے اور کبھی وہ گناہوں اور لغزشوں میں ملوث ہوئے۔ لیکن کسی نے کبھی بھی آپ ﷺ کے روضۂ اقدس یا خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام یا کسی دوسرے نبی کی قبر پر حاضر ہو کر یہ فریاد نہیں کی کہ ''اے نبی ﷺ! ہم اس قحط سالی ،غلبۂ دشمن اور

کثرتِ گناہ کے خلاف آپ ﷺ سے فریاد کرتے ہیں۔'' نہ کسی نے آپ سے یہ درخواست کی کہ '' اپنے اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں یا آپ کی امت کو رزق عطا فرمائے ،ان کی مدد ونصرت فرمائے اوران کی خطاؤں کو معاف فرمائے۔''

اس کے برعکس یہ اوراس سے ملتی جلتی دوسری ساری باتیں بھی من گھڑت بدعتیں ہیں جنہیں کسی بھی امام نے پسند نہیں کیا کیونکہ تمام ائمہ دین رحمہم اللہ اس پر متفق ہیں کہ یہ باتیں نہ واجب ہیں نہ مستحب۔

بدعتِ سیئہ

دین میں ہر نئی بات جو شریعت میں نہ واجب ہو نہ مستحب وہ بدعت سیئہ ہے۔ جو تمام ائمہ دین رحمہم اللہ کی نظر میں کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ بعض لوگ اگر کسی بدعت کو بدعتِ حسنہ کہتے ہیں تو کسی چیز کو بدعتِ حسنہ اسی وقت کہا جا سکتا ہے جب کوئی شرعی دلیل پیش کی جائے کہ وہ بات شریعت میں مستحب ہے جو بات نہ واجب ہو نہ مستحب ،اسے کوئی مسلمان نیکی کا درجہ نہیں دیتا ،جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جا سکے۔ جو شخص کسی بھی ایسے عمل سے اللہ کا تقرب حاصل کرتا ہے جس کا شمار حسنات میں نہ ہو اور نہ ہی وہ وجوب اور استحباب کے درجہ میں ہو، تو وہ شخص پرلے درجے کا گمراہ اور شیطان کا پیروکار ہے اور شیطان کی راہ پر گامزن ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے ایک لکیر کھینچی ،پھر اس کے دائیں بائیں آپ ﷺ نے کچھ دوسری لکیریں کھینچیں ،اور سیدھی لکیر کے بارے میں فرمایا:

((هٰذَا سَبِيلُ اللّٰهِ، وَهٰذِهِ سُبُلٌ عَلٰى كُلِّ سَبِيلٍ مِّنْهَا شَيْطَانٌ يَدْعُو إِلَيْهِ.)) ❶

'' یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ (صراط مستقیم) ہے اور یہ دوسرے راستے ہیں، ہر راستہ پر

---

❶ مسند احمد ۱/۴۳۵، شرح السنة (۹۷)، السنة للمروزی صفحه ۵، مسند الشاشی (۵۳۵).

ایک شیطان ہے، جو اس (غلط راستہ) کی طرف بلا رہا ہے۔"
اس کے بعد آپ ﷺ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ﴾ (الانعام: ۵۳)

"یہ میرا سیدھا راستہ ہے، پس اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو ورنہ شیطان تم کو اس کی راہ سے ہٹا لے جائے گا۔"

اصل جامع

یہی اصل جامع ہے کہ جس کی اتباع ہر اس فرد پر واجب ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کے لیے یہ درست نہیں ہے کہ وہ سنت ثابتہ کی مخالفت کرے اور مہاجرین و انصار میں سے سابقون الاولون کی راہ کو ترک کرے۔ جو شخص سنتِ رسول ﷺ اور علمائے قدیم کے اجماع کے خلاف عمل کرے، اس کی اتباع بھی کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ خاص طور پر جب کوئی بھی امام اس کی بدعت میں اس کا ہم رائے نہ ہو، نہ کوئی مجتہد ہی دین کے معاملہ میں اس کی رائے کو قابلِ اعتبار سمجھتا ہو۔ پھر اگر کوئی شخص اجماعی مسائل میں اس کا ہم خیال بھی ہو تو اس کا اختلاف اجماعِ امت کو ختم نہیں کر سکتا اور نہ اجماع کا دارومدار اس کی موافقت پر ہے۔ اگر کوئی عالمِ مجتہد اجماعِ امت کے برعکس رائے رکھتا ہو تو اس کی رائے اس اجماع پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ سنت متواتر اور اس سے پہلے گزرے ہوئے ائمہ دین کے اتفاق رائے پر مبنی ہے۔ پھر ایسے شخص کی بات کیسے معتبر ہو سکتی ہے جو نہ مجتہد ہو، نہ کوئی شرعی دلیل رکھتا ہو اور جو ایسے لوگوں کی اتباع کرتا ہو جو علمِ دین کے بغیر ہی دینی امور میں بحث و تمحیص کرتا ہو اور جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کرتا ہو، حالانکہ اس کے پاس نہ علم و ہدایت ہو، نہ وہ قرآنِ مجید کی تعلیمات سے روشناس ہو۔

قبور کو مساجد بنانے کی حرمت

نبی کریم ﷺ نے نہ صرف یہ کہ کسی ایسی بات کی اجازت نہیں دی جو نہ واجب ہو نہ مستحب بلکہ اسے حرام قرار دیا اور ہر اس چیز کو بھی ناجائز ٹھہرایا جو شرک وغیرہ سے ذرا بھی مناسبت رکھتی ہو۔ چنانچہ آپ ﷺ نے انبیاء وصلحاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کی بھی ممانعت فرمائی ہے جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے وصال سے پانچ دن قبل فرمایا:

((اِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ الْقُبُورَ مَسَاجِدَ، اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ.)) [1]

”جو قومیں تم سے پہلے ہو گزری ہیں، انہوں نے قبروں کو مسجدیں بنا لیا خبردار! تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے وصال سے عین پہلے فرمایا،

((لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ وَالنَّصٰرٰى اتَّخَذُوا قُبُورَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ.)) [2]

”اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور نصرانیوں پر لعنت بھیجی ہے، انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا تھا۔“

پس ہمیں ان مغضوب قوموں کے طرزِ عمل سے بچنا چاہیئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر ہمیں خطرہ نہ ہوتا کہ آپ کی قبر کو مسجد بنا لیا جائے گا تو آپ کی قبر مبارک کو نمایاں کر کے بنایا جاتا۔ لیکن آپ ﷺ نے اس بات کی نکیر فرمائی کہ آپ ﷺ کی قبر کو مسجد بنا لیا جائے۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النهی عن بناء المسجد علی القبور (۵۲۹).

[2] صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما یکره من اتخاذ المساجد علی القبور (۱۳۳۰). صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النهی عن بناء المسجد علی القبور (۵۲۹).

مساجد اللہ کی عبادت کے لیے ہیں

کسی جگہ کو مسجد بنا لینے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں نمازِ پنجگانہ اور دوسری نفل نمازیں ادا کی جائیں، جس طرح کہ مساجد کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے تعمیر کیا جاتا ہے۔ کسی جگہ کو مسجد اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور اس سے دعائیں مانگی جائیں۔ نہ اس لیے اس کو مسجد بنایا جاتا ہے کہ اس میں غیر اللہ کو پکارا جائے اور اپنی حاجات مخلوق کے سامنے پیش کی جائیں۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے قبروں کو مسجد بنانے اور اس میں نمازیں پڑھنے کے لیے جانے سے منع فرمادیا خواہ قبر پر جانے والا اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کا ارادہ کیوں نہ رکھتا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس کو دیکھ کر لوگ صاحبِ قبر کی عقیدت، اس سے دعا مانگنے، اس کے وسیلہ سے دعا مانگنے اور اس کی قبر کے پاس دعا مانگنے کی غرض سے ایسی مساجد میں جانے لگیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایسی جگہ کو اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کے لیے بھی مسجد بنانے سے روک دیا تاکہ یہ اللہ کے ساتھ شرک کا سبب نہ بن جائے۔ ہر وہ فعل جو فسادِ ایمان کا موجب ہو اور اس میں کوئی اہم مصلحت بھی پوشیدہ نہ ہو، ناجائز وحرام ہے، جس طرح کہ نبی اکرم ﷺ نے تین اوقات کے دوران نماز پڑھنے سے روک دیا، کیونکہ ان اوقات میں نماز بڑے فتنہ کا باعث بن سکتی ہے اور اس میں مشرکین کے ساتھ تشبہ پایا جاتا ہے جو بالآخر شرک کی طرف لے جاتا ہے۔ ان اوقات میں نماز پڑھنے میں کوئی مصلحت بھی نہیں ہے کیونکہ نفل نماز دوسرے وقتوں میں بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء میں ان اوقات میں دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنے میں بڑا اختلاف ہے۔ علماء کا مشہور قول یہ ہے کہ اگر کسی فتنہ کا سد باب مقصود ہو تو یہ نماز جائز نہیں اور اگر اس میں کوئی دینی مصلحت پوشیدہ ہے تو یہ جائز و مباح ہے۔ تحیۃ المسجد کی رکعات ان ہی اوقات سے وابستہ ہیں اگر انہیں وقت پر ادا نہ کیا جائے تو

وہ فوت ہو جائیں گی۔ مصلحت کے پیشِ نظر اس فعل کو مباح قرار دیا جائے گا۔ جب کسی فعل میں مفسدہ کا شائبہ ہوگا تو اس سے اس کی نفی واجب ہو جائے گی۔ پس اگر ان اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت اس لیے تھی کہ یہ شرک کا ذریعہ نہ بن جائے جس سے لوگ سورج کی پرستش کرنے لگیں اور اس سے دعا والتجا کے مرض میں مبتلا ہو جائیں، جیسا کہ سورج چاند اور ستاروں کے پرستار انہیں پکارتے ہیں اور ان سے دعائیں کرتے ہیں۔ تو پھر بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سورج کو سجدہ کرنا، جو فی نفسہ حرام ہے، ان اوقاتِ ممنوعہ میں نماز پڑھنے سے بھی کہیں زیادہ حرام ہے۔ اسی طرح جب انبیاء وصلحاء کی قبروں کو مسجد بنانے سے روک دیا گیا ہے تو وہاں جا کر نماز پڑھنے سے بھی روک دیا گیا۔ تا کہ لوگ ان بزرگ شخصیتوں سے دعائیں نہ کرنے لگیں اور ان کو سجدہ کرنا شروع نہ کر دیں کیونکہ ان سے دعائیں کرنا اور ان کے لیے سجدہ بجالانا تو ان کی قبروں کو مسجد بنانے سے بھی زیادہ ناجائز اور منع ہے۔

شرعی زیارتِ قبور

بنا بریں مسلمانوں کی قبروں کی زیارت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ زیارتِ شرعیہ　　۲۔ زیارتِ بدعیہ

زیارت شرعیہ ہے کہ کسی بزرگ کی قبر پر جا کر اس کے مغفرت اور بلندی درجات کی دعا کی جائے، جس طرح نماز جنازہ میں میت کے لیے دعا کی جاتی ہے۔ کسی قبر پر جا کر قیام کرنا نماز کی جنس سے ہے۔ اللہ تعالیٰ منافقین کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿ وَ لَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ط ﴾

(التوبہ: ۸٤)

''ان میں سے کوئی مر جائے تو ہرگز ان کی نمازِ جنازہ نہ پڑھو اور نہ ہی ان کی قبر پر کھڑا ہو۔''

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ان کی نماز جنازہ پڑھنے اور ان کی قبر پر کھڑے ہونے سے منع فرما دیا۔ کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے منکر تھے۔ اور حالتِ کفر میں مر گئے۔ نماز جنازہ کی ممانعت ایک علت پر مبنی ہے اور یہ علت کفر ہے، لہٰذا اس سے یہ دلیل نکلتی ہے کہ جس میں بھی یہ علت موجود ہوگی اس پر اس کی ممانعت کا اطلاق ہوگا۔ نماز جنازہ کی ممانعت کے سلسلے میں کفار و منافقین کا خصوصی ذکر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ دوسرے تمام لوگوں کے لیے نماز جنازہ جائز ہے اور ان کی قبروں پر بغرض دعائے مغفرت کھڑا ہونا بھی جائز ہے۔ اگر نماز جنازہ کسی کے لیے بھی جائز نہ ہوتی تو اس کی ممانعت کفار و منافقین تک محدود نہ ہوتی اور نہ ہی ان کے کفر کو اس کی علت قرار دیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ مومن کی میت کے لیے نماز جنازہ اور اس کی قبر پر قیام سنت متواترہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے نہ صرف خود مسلمان میت کے لیے نمازِ جنازہ پڑھی، بلکہ اسے اپنی امت کے لیے مقرر کر دیا۔ حدیث سے ثابت ہے نبی اکرم ﷺ جب کسی میت کو قبر میں دفن کر چکے ہوتے تو اس کی قبر پر کھڑے ہو کر فرماتے:

((سَلُوا لَهُ التَّثْبِيتَ فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْئَلُ.)) [1]

''اس کے لیے ثابت قدمی کی دعا کرو کیونکہ اب اس سے سوال و جواب ہو رہے ہیں۔''

آپ ﷺ جنت البقیع اور شہدائے احد کی قبروں کی زیارت کرتے تھے اور جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قبروں کی زیارت پر جاتے آپ ﷺ ان کو تعلیم دیتے کہ قبرستان میں جا کر یہ دعا پڑھیں:

((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِكُمْ لَاحِقُونَ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ تَعَالٰى الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنَّا

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للمیت فی وقت الانصراف (۳۲۲۱). المستدرك للحاكم: ۱/۳۷۰

وَالْمُسْتَاخِرِيْنَ، نَسْاَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمْ عَاقِبَةً. اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهُمْ وَتَفْتِنَّا بَعْدَهُمْ.)) ❶

''اے اس شہر (خموشاں) کے مومن و مسلم مکینو! تم پر سلامتی ہو۔ اور ان شاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ یا جو بعد میں آئے ہیں۔ ہم اپنے لیے بھی اور تمہارے لیے بھی اللہ سے سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں ان کے اجر سے محروم نہ کرنا اور نہ ہمیں ان کے بعد فتنہ میں مبتلا کرنا۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں تشریف لے گئے اور فرمایا:

((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَقَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ.)) ❷

''اے اہل ایمان کے گھرو! تم پر سلامتی ہو بے شک ہم بھی تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔''

اس ضمن میں بہت سی صحیح اور مشہور احادیث پائی جاتی ہیں۔ اہل ایمان کی قبور کی اس زیارت سے مقصود یہ ہوتا کہ اہل قبور کے لیے دعا کی جائے۔ یہ زیارتِ مشترکہ ہے جو کفار کی قبروں کی زیارت کو جائز ٹھہراتی ہے۔ چنانچہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آبدیدہ ہو گئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد ساتھی بھی رونے لگے۔ پھر آپ نے فرمایا:

''میں نے اپنے رب سے ان کی مغفرت کی درخواست کرنے کی اجازت مانگی، جو مجھے نہ دی گئی۔ پھر میں نے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت چاہی اور مجھے

---

❶ مسند احمد ۳۵۳/۵، صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب ما یقال عنه دخول القبور والدعاء لاھلھا (۱۰۴، ۹۷۴/۱۰۳).

❷ صحیح مسلم، کتاب الطھارة، باب استحباب اطالة الغرة ...... (۲۴۹).

اجازت مل گئی، پس قبور کی زیارت کیا کرو، کیونکہ یہ تمہیں آخرت یاد دلاتی ہیں۔''❶

ایسی زیارت موت یاد دلاتی ہے اور جائز ہے خواہ صاحبِ قبر کوئی کافر ہی کیوں نہ ہو، البتہ جس زیارت کا مقصد میت کے لیے دعا کرنا ہو تو یہ صرف اہلِ ایمان کے لیے ہی جائز و مشروع ہے۔

زیارتِ بدعیہ

رہی زیارتِ بدعیہ تو اس سے مراد قبر پر اس نیت اور غرض سے جانا ہے کہ مردے سے اپنی حاجت طلب کی جائے اس سے دعا مانگی جائے اور اس سے سفارش کی درخواست کی جائے یا اس کی قبر کے پاس دعا مانگنے کے لیے قبر پر حاضری دی جائے اور یہ عقیدہ رکھا جائے کہ قبر کے پاس کی گئی دعا مقبول ترین ہے۔ ان مقاصد کے تحت کسی قبر پر حاضری دینا بدعت ہے جس کی اجازت نبی اکرم ﷺ نے نہیں دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کبھی نہ حضور ﷺ کے روضۂ اقدس پر اس بغرض دعا حاضری دی نہ کسی دوسرے نبی کی قبر پر۔ یہ فعل عین شرک ہے اور شرک کے اسباب میں سے ایک ہے۔ انبیاء اور صلحاء کی قبروں پر نماز پڑھنا جبکہ نہ ان سے دعا مانگی جائے اور نہ ان کی قبروں کے پاس ہی دعا مانگی جائے تو یہ فعل بھی حرام ہے اور ایسا شخص اللہ کے غضب اور اس کی لعنت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

((اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰی قَوْمٍ اِتَّخَذُوا قُبُوْرُ اَنْبِيَآئِهِمْ مَّسَاجِدَ.))❷

''جن لوگوں نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی قبور کو مساجد بنا لیا، اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ان پر نازل ہوگا۔''

---

❶ تقدم تخريجة برقم: ۱۰، ۱۱.

❷ مسند احمد: ۲/ ۲۴۶ عن ابی هريرة رضي الله عنه نحوه الموطا للمالك، كتاب قصر الصلوة فى السفر (۸۵) عن عطاء بن يسار مرسلاً واللفظ له.

یا جیسا کہ آپ نے فرمایا:

((قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارىٰ اِتَّخَذُوا قُبُورَ اَنْبِيَآءِ هِمْ مَّسَاجِدَ.))[1]

"اللہ یہود و نصاریٰ کو ہلاک کرے، انہوں نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔"

یا جیسا کہ آپ نے فرمایا:

((اِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُوْنَ الْقُبُورَ مَسَاجِدَ اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا لْقُبُورَ مَسَاجِدَ. فَاِنِّي اَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ.))[2]

"تم سے پہلے لوگ قبروں کو مسجدیں بنا لیتے تھے۔ خبردار! تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا میں تمہیں اس فعل سے منع کرتا ہوں۔"

جب ایسا فعل حرام ہے اور اللہ تعالیٰ کے غیض و غضب اور اس کی لعنت کا موجب ہے تو پھر اس شخص کا کیا حال ہوگا جو مردے سے دعا مانگنے یا اس کے وسیلہ سے دعا مانگنے کے لیے اس کی قبر پر حاضری دیتا ہے؟ اور پھر یہ اعتقاد بھی رکھتا ہے کہ یہ عمل دعا کی قبولیت، آرزوؤں کی تکمیل اور حاجات کی برآری کا سبب ہے۔ یہ ان بے شمار اسباب میں سے جو قوم نوح کے اندر شرک اور بت پرستی کا موجب بنے۔ سب سے پہلا سبب ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضرت آدم سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام کے درمیانی عرصہ میں دس قومیں ایسی گزریں جن میں سے ہر ایک دین اسلام پر قائم رہی، اس کے بعد صلحاء کی قبور کی بے جا تعظیم و تکریم کی وجہ سے شرک رونما ہوا۔

صحیح بخاری، تفسیر کی کتابوں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے قصوں میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا وہ قول بہت معروف ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر میں آپ نے دیا ہے۔

---

[1] ٣١ انظر الحديث (٢٥).

[2] صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب النهى عن بناء المساجد على القبور (٥٣٢).

﴿ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝ ﴾ (النوح:۲۳)

"(سرادارانِ قوم) نے کہا اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا۔ اور ہرگز نہ چھوڑنا، ودّ کو اور نہ ہی سواع کو اور نہ یغوث، یعوق اور نسر کو۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مطابق ودّ، سواع اور یغوث وغیرہ قوم نوح کی نیک و صالح شخصیتیں تھیں۔ جب یہ اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئیں تو ان کے معتقدین ان کی قبروں پر اعتکاف کرنے لگے۔ پھر انہوں نے ان کے بت بنا لیے اور ان کی پوجا میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ وقت گزرنے کے بعد یہ بت عرب کے مختلف قبیلوں میں پہنچ گئے۔ [1]

ابن سینا وغیرہ کا ابطال

ملحد اور بے دین فلاسفہ نے شرک کے حق میں بعض دوسری چیزیں بھی گھڑ لی ہیں۔ جنہیں وہ زیارتِ قبور کے جواز میں بیان کرتے ہیں۔ ابن سینا نے ان دلائل کا ذکر کیا ہے اور غزالی جیسے فلسفیوں نے ان کو اپنی کتابوں میں درج کر دیا ہے۔ انہوں نے شفاعت کے معنی اپنے اصولِ موضوعہ کے مطابق بیان کیے اور وہ اس بات کو نہیں مانتے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن کے اندر پیدا کیا۔ وہ ان کی جزئیات کا علم رکھتا ہے۔ اپنے بندوں کی دعاؤں کو سنتا ہے۔ اور ان کو قبول فرماتا ہے۔ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شفاعت کا وہ مفہوم نہیں لیتے جو عام اہلِ ایمان کے اندر معروف ہے کہ یہ ایک طرح کی دعا ہے جو ایک صالح آدمی کسی کے لیے کرتا ہے اور اللہ اس کو شرف قبولیت بخشتا ہے۔ ان کے نزدیک بارش کا نزول ان کی دعائے استسقاء کی قبولیت کا مرہون منت نہیں ہے۔ اس کے برعکس وہ اس زعم باطل میں مبتلاء ہیں کہ یہ کچھ فلکی تغیر و تبدل اور طبعی عوامل ہیں جو دنیا میں رونما ہونے والے

[1] صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب "ودًا ولا سواعا ولا یغوث ویعوق": ۴۹۲۰۔

مختلف حوادث اور واقعات کے پیچھے کارفرما ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ''اگر کوئی انسان کسی فوت شدہ نیک مرد سے محبت کرتا ہے۔ خاص طور پر جب وہ اس کی قبر پر حاضری دیتا ہے تو اس کی روح میت کی روح سے وصال حاصل کرتی ہے اور اس روح پر عقلِ فعال یا نفس فلکیہ کا جو فیضان ہوتا ہے وہ زائر قبر کی روح پر بھی نازل ہوتا ہے اور اللہ اس چیز سے بالکل لاعلم ہوتا ہے۔ بلکہ فوت شدہ بزرگ سے شفاعت کی درخواست کرنے والی روح بھی اس فیضان کے احساس سے محروم رہتی ہے۔ اس پر وہ سورج کی مثال چسپاں کرتے ہیں جس کے سامنے آئینہ کیا جائے تو آئینہ میں سورج کی شعاعیں منعکس ہونے لگتی ہیں۔ جب کوئی دوسرا آئینہ پہلے آئینہ کے سامنے رکھا جاتا ہے تو شعاعیں پہلے آئینہ سے دوسرے آئینہ میں منعطف ہوجاتی ہیں۔ اور اگر اس آئینہ کو کسی دیوار یا پانی کے سامنے رکھا جائے تو شعاعیں اس میں سے دیوار پر یا پانی میں پڑنے لگتی ہیں۔ ان کے نزدیک شفاعت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ اسی بنا پر زائرِ قبر صاحبِ قبر سے مستفید ہوتا ہے۔'' اس فلسفیانہ عقیدہ میں کفر کے جس قدر جراثیم پوشیدہ ہیں وہ کسی صاحبِ عقل سے جو تھوڑے سے تدبر سے کام لیتا ہے مخفی نہیں ہیں۔

شیاطین کا تصرف

لاریب شیطان بتوں کے اردگرد جمع رہتے ہیں، لوگوں سے ہمکلام ہوتے ہیں اور بہت سے کاموں میں اپنے تصرفات کا مظاہرہ کرتے ہیں جو بنی نوع انسان کی گمراہی کا موجب بن جاتے ہیں۔ قبروں کو بت بنا لینا شرک کا آغاز ہے۔ اسی لیے بعض لوگوں کو قبروں کے پاس کچھ آوازیں سنائی دیتی ہیں بعض صورتیں دکھائی دیتی ہیں۔ تصرف کے عجیب وغریب کرشمے نظر پڑتے ہیں لوگ ان تمام باتوں کو فوت شدہ بزرگوں سے منسوب کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب جنوں اور شیطانوں کی شعبدہ بازیاں ہوتی ہیں۔ بعض اوقات ایک شخص مشاہدہ کرتا ہے کہ ایک قبر پھٹتی ہے اس سے مردہ باہر آتا ہے۔ جو اس سے ہمکلام

ہوتا ہے اور اس سے معانقہ کرتا ہے۔ایسے مشاہدات انبیاء کرام وغیرہم کی قبروں کے پاس اکثر ہوتے ہیں۔حقیقت میں یہ شیطان ہوتا ہے جو یہ ڈرامہ رچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو یہ طاقت ودیعت کی ہے وہ کسی بھی انسان کی شکل وصورت دھار لیتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں برگزیدہ نبی ہے یا فلاں شیخ ہے حالانکہ وہ اپنے دعویٰ میں بالکل جھوٹا ہوتا ہے اس ضمن میں بے شمار واقعات ملتے ہیں جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ ایک جاہل آدمی یہ سمجھتا ہے کہ جس شخص کو اس نے قبر سے نکلتے ، اس سے ہمکلام ہوتے اور معانقہ کرتے دیکھا ہے۔ وہ صاحبِ قبر بزرگ ہستی ہی ہے یا کوئی نبی اور صالح انسان ہے۔لیکن ایک راسخ العقیدہ مومن سمجھ جاتا ہے کہ وہ شیطان ہے۔

شیطان سے پناہ کا طریقہ

بے شمار ایسے امور ہیں جو واضح کر دیتے ہیں کہ ان عجیب وغریب واقعات کے پس پردہ شیطان ہے اول آدمی کو چاہیے کہ صدقِ دل سے آیت الکرسی کی تلاوت کرے جونہی آدمی اس کو پڑھتا ہے وہ غائب ہو جاتا ہے یا زمین کے اندر دھنس جاتا ہے یا پھر فوراً چھپ جاتا ہے۔اگر وہ شخص ، کوئی نیک آدمی ،فرشتہ، یا مومن جن ہوگا تو آیت الکرسی اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ کیونکہ یہ صرف شیاطین کے لیے ضرر رساں ہے۔ یہ بات صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے ایک جن نے ان سے کہا ''جب تم سونے لگو تو آیت الکرسی کی تلاوت کر لیا کرو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری محافظ ہوگی اور شیطان صبح تک تمہارے قریب نہ آئے گا۔اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوبٌ.))[1]

''وہ خود تو پرلے درجے کا جھوٹا ہے لیکن اس نے تجھے صحیح خبر دی ہے۔''

اس سے ثابت ہوا کہ شیاطین سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی چاہیے لیکن صرف ان طریقوں

---

[1] صحيح البخاري، كتاب الوكالة، باب اذا وكل رجلاً فترك والوكيل شيئا...... (۲۳۱۱).

کو اپنانا چاہیے جس کی شریعت نے اجازت دی ہے شیاطین انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی ان کی زندگی میں دکھ پہنچاتے اور ان کی عبادت میں خلل ڈالتے تھے۔

ایک واقعہ

ایک جن اپنے ہاتھ میں آگ کا شعلہ لیے ہوئے نبی کریم ﷺ کی طرف آیا۔ تا کہ (نعوذ باللہ) آپ ﷺ کو جلا ڈالے۔ اس پر جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس معوذ تین لے کر حاضر ہوئے جو ابو التیاح رضی اللہ عنہ کی حدیث میں پائی جاتی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ: ''ایک آدمی نے عبدالرحمٰن بن جنبش جو ایک بہت بڑے بزرگ تھے اور نبی اکرم ﷺ کے دیدار سے مشرف تھے، سے کہا ''رسول اللہ ﷺ کیا عمل اختیار فرماتے جب شیاطین آپ ﷺ سے شرارت کرتے؟ راوی بیان کرتے ہیں کہ شیطان پہاڑ کی گھاٹیوں اور وادیوں سے آپ ﷺ پر ٹوٹ پڑا۔ اس کے ہاتھ میں آگ کا شعلہ تھا۔ اور وہ اس سے رسول اللہ ﷺ کو جلا ڈالنا چاہتا تھا۔ حضور ﷺ کچھ گھبرا گئے اس پر جبرائیل حاضر ہوئے اور عرض کیا ''اے محمد ﷺ! پڑھیے'' آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا پڑھوں؟'' جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ دعا پڑھیے:

((اَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامّٰتِ الَّتِی لَا یُجَاوِزُهُنَّ بِرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ مِّنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَاَ وَبَرَاَ وَمِنْ شَرِّ مَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمِنْ شَرِّ مَا یَعْرُجُ فِیهَا۔ وَمِنْ شَرِّ مَا یَخْرُجُ مِنَ الْاَرْضِ وَمِنْ شَرِّ مَا یَنْزِلُ فِیهَا وَمِنْ شَرِّ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ طَارِقٍ یَّطْرُقُ اِلَّا طَارِقًا یَّطْرُقُ بِخَیْرٍ یَا رَحْمٰنَ.))[1]

''میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے کلماتِ تامات کے ساتھ جن سے نہ کوئی نیک نہ کوئی فاجر تجاوز کر سکتا ہے اس چیز کے شر سے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔ اور

[1] مسند احمد ۳/۴۱۹، اس کی سند میں جعفر بن سلیمان ضعیف راوی ہے۔

بڑھاپا اس چیز کے شر سے جو آسمان سے اترتی ہے۔ اور اس سے جو آسمان میں چڑھتی ہے۔ اور ہر چیز کے شر سے جو زمین سے نکلتی ہے۔ اور اس میں داخل ہوتی ہے۔ اور دن اور رات کے فتنوں سے اور ہر رات کے شر سے جو آنے والی ہے۔ سوائے اس رات کے جو بھلائی لے کر آئے اے رحمٰن! (میری دعا قبول فرما۔)''

اس پر شیطان کی آگ ماند پڑ گئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسے ہزیمت سے دوچار کر دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جنوں میں سے ایک دیو رات کے وقت میرے پاس آیا تا کہ میری نماز میں خلل ڈالے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر غلبہ عطا فرمایا۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس کو پکڑ کر مسجد کے ستون کے ساتھ باندھ دوں تا کہ صبح ہو تو لوگ اس کو دیکھیں مگر مجھے حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا یاد آ گئی

((رِبِّ اغْفِرْلِی وَهَبْ لِی مُلْكًا لَّا يَنْبَغِی لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِ.))[1]

''اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے۔ اور مجھے ایسی بادشاہت عطا فرما، جو میرے بعد کسی کو نہ دی جائے۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اپنے مقصد میں خائب و خاسر واپس لوٹا دیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ کے پاس شیطان آیا، آپ نے اس کو پکڑ لیا۔ اسے زمین پر دے پٹخا اور اس کا گلا دبایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس کی یہ حالت ہو گئی کہ میں نے اپنے ہاتھوں پر اس کی زبان کی ٹھنڈک محسوس کی۔ اگر مجھے حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا یاد نہ آتی تو میں صبح تک اس

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب الاسیر او الغریم یربط فی المسجد (٤٦١)۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب جواز لعن الشیطان فی أثناء الصلاة (٥٤١)۔

کو باندھے رکھتا یہاں تک کہ لوگ اس کو دیکھ لیتے۔“ ❶

ایک روایت کو نسائی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے اور اس کی اسناد بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر پوری اترتی ہے جیسا کہ ابوعبداللہ المقدسی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”مختار“ میں بیان کیا ہے۔ جس کا علمی پایہ صحیح الحاکم سے کہیں بلند ہے۔

اسی طرح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ اور میں ان کے پیچھے تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں قرات کے بارے میں التباس پیدا ہوا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ”کاش تم مجھے اور ابلیس کو دیکھتے میں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور اسے پکڑ لیا اس کا گلا دبایا یہاں تک کہ میں نے اس کے تھوک کی ٹھنڈک اپنی ان انگلیوں یعنی انگوٹھا اور انگشتِ شہادت کے درمیان محسوس کی۔ اگر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی دعا یاد نہ آتی تو میں اس کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیتا۔ اور مدینہ کے بچے اس سے کھیلتے۔ جہاں تک ہو سکے کوئی شخص کسی کو اپنے اور قبیلہ کے درمیان حائل نہ ہونے دے۔“ ❷

ابو درداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو ہم نے ان کو یہ الفاظ پڑھتے ہوئے سنا۔

((اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ.))

”میں تجھ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔“

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ فرمایا:

((اَلْعَنُكَ بِلَعْنَتِ اللّٰهِ.))

---

❶ السنن الکبری للنسائی، کتاب التفسیر، باب قوله تعالی: "وهب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی." (۱۱۳۷۵). ❷ مسند احمد: ۸۳۰۸۲/۳.

''میں تجھ پر اللہ کی تین بار لعنت بھیجتا ہوں۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ بڑھایا جیسے آپ کسی کو پکڑ رہے ہوں جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ ﷺ ہم نے آپ کو ایسے الفاظ پڑھتے سنا ہے جو ہم نے پہلے کبھی نہیں سنے۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ آپ اپنا ہاتھ آگے بڑھا رہے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ کا دشمن آگ کا ایک انگارہ لے کر آیا تاکہ میرے چہرے پر مارے چنانچہ میں نے تین مرتبہ کہا:

((اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ))

پھر میں نے کہا:

((اَلْعَنُكَ بِلَعْنَتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ))

''میں تجھ پر اللہ کی مکمل لعنت بھیجتا ہوں۔'' اس پر وہ پیچھے ہٹ گیا۔ پھر میں نے ارادہ کیا کہ اس کو پکڑ لوں اگر ہمارے بھائی سلیمان علیہ السلام نے دعا نہ مانگی ہوتی تو میں اسے باندھ لیتا اور اس سے مدینہ کے بچے کھیلتے۔''[1]

شیطان کا غلبہ

جب حقیقتِ حال یہ ہو کہ شیطان انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس بھی آتے ہیں ان کو اذیت پہنچاتے ہیں ان کی نماز میں فساد اور خلل ڈالتے ہیں تو دوسرے لوگوں کا کیا حال ہوگا۔ انبیاء کرام علیہم السلام دعا، ذکر و عبادت اور جہاد بالقوۃ کے ذریعے تائید الٰہی سے ان کو بھگا دیتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علوم اور اعمال کے ذریعہ سے جن میں نماز اور جہاد سب سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ تمام شیطانوں کا قلع قمع کر دیتے ہیں خواہ ان کا

---

[1] صحیح مسلم ایضًا (٥٤٢)، سنن النسائی، کتاب السھو، باب لعن ابلیس والتعوذ باللّٰہ منہ فی الصلاۃ (١٣١٦)، ١٣/٣.

تعلق انسانوں سے ہو یا جنوں سے۔ نماز اور جہاد کی فضیلت میں نبی اکرم ﷺ کی احادیثِ مبارکہ بکثرت وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ جو لوگ انبیاء علیہم السلام کی اتباع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی انہی اعمال کے سبب نصرت فرماتا ہے۔ جن کے سبب وہ اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی مدد فرماتا ہے۔ جو لوگ ایک ایسا دین ایجاد کر لیتے ہیں جس کی دین اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہوتی خدائے واحد کی عبادت اور اطاعت رسول جس کا شریعت نے حکم دیا ہے۔ ترک کر دیتے ہیں۔ اور انبیاء و صلحاء کے عقیدے اور تعظیم میں غلو کر کے ان کو اللہ کا شریک بنا لیتے ہیں تو شیطان ان کو اپنا کھلونا بنا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ○ ﴾

(النحل: ۹۹، ۱۰۰)

''وہ (شیطان) ان لوگوں پر کوئی زور نہیں رکھتا جو ایمان لاتے ہیں اور پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں اس کا زور تو صرف ان لوگوں پر ہے جو اس کو اپنا دوست بناتے ہیں یا ان لوگوں پر جو اس کے سبب مشرک بن جاتے ہیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ○ ﴾

(الحجر: ٤٢)

''بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں بجز ان سرکشوں کے جو تیری اتباع کرتے ہیں۔''

شیطان کے فتنوں سے بچنے کی ایک صورت یہ ہے کہ جو آدمی اسے دیکھے وہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرے کہ وہ حقیقت حال کو واضح فرما دے۔ دوسری صورت یہ کہ وہ اس شخص سے یہ پوچھے ''کیا تو فلاں شخص ہے؟ اس کو بھاری قسمیں دلائے اور قرآن مجید کی وہ آیت پڑھ کر

اس پر پھونکے جس سے وہ خوفزدہ ہو کر بھاگ جائے۔ یہی وہ طریقے ہیں جن سے شیطان کسی خطرہ میں پڑ سکتے ہیں۔

طوافِ کعبہ اور رؤیتِ باری تعالیٰ کا گمان

اسی طرح اکثر لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ کعبۃ اللہ کو دیکھ رہے ہیں وہ عرش عظیم کا مشاہدہ کرتے ہیں جس پر ایک بہت بڑی شخصیت کو جلوہ گر پاتے ہیں بعض اوقات وہ ایک شخص کو آسمان پر چڑھتا اترتا دیکھ لیتے ہیں اور اس کو فرشتہ گمان کر لیتے ہیں وہ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ عرش عظیم پر جس ہستی کو انہوں نے جلوہ افروز دیکھا ہے وہ بزرگ و برتر اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے حالانکہ وہ حقیت میں شیطان ہوتا ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

یہ واقعہ لاتعداد لوگوں کو پیش آ چکا ہے۔ بعض کو اللہ تعالیٰ نے شیطان کے فتنوں سے بچا لیا اور ان پر اس حقیقت کو بروقت منکشف کر دیا کہ وہ شیطان ہے۔ جن لوگوں کی اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی ہے ان میں سے حضرت شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ زبان زد خاص و عام ہے۔ وہ اپنا واقعہ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ میں عبادتِ الٰہی میں مشغول تھا۔ کہ میں نے ایک عرشِ عظیم اپنے سامنے دیکھا جس پر ایک نور جلوہ فگن تھا۔ اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا: اے عبدالقادر! میں تیرا رب ہوں۔ میں نے تیرے لیے وہ کچھ حلال کر دیا جو دوسروں کے لیے حرام ٹھہرایا ہے۔''

میں نے اس سے کہا: کیا تو وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے؟ دور ہو اے دشمنِ خدا! اس پر یہ روشنی کافور ہوگئی اور تاریکی چھا گئی پھر آواز آئی۔ ''اے عبدالقادر رحمہ اللہ! تو میرے وار سے اپنے تفقہ فی دین، علم اور بلند مرتبہ کی بنا پر بچ گیا ہے۔ میں اس طرح سے ستر عظیم آدمیوں کو فتنہ میں بتلا کر چکا ہوں۔'' آپ سے پوچھا گیا کہ آپ نے کس طرح معلوم کر لیا

کہ یہ شیطان ہے۔ آپ نے کہا ''اس نے مجھ سے کہا تھا میں تیرے لیے وہ چیزیں حلال کر رہا ہوں جو دوسروں پر حرام ہیں۔ میں نے سوچا کہ شریعتِ محمدی نہ منسوخ ہوسکتی ہے نہ تبدیل۔ پھر کیسے حرام چیز حلال قرار پا سکتی ہے؟ نیز اس نے کہا تھا میں تیرا پروردگار ہوں لیکن اسے یہ کہنے کی ہمت نہ ہوئی کہ میں وہی اللہ ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔''

عالمِ بیداری میں رؤیت باری تعالیٰ

بعضِ اوقات آدمی جس چیز کا مشاہدہ کرتا ہے اس کو اللہ سمجھنے لگتا ہے وہ اور اس کے ساتھی اس بات کا یقین کر لیتے ہیں کہ انہوں نے عالمِ بیداری میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے وہ اپنے دعویٰ کی دلیل میں اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں۔ اس میں تو وہ سچے ہوتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ جس صورت کو انہوں نے دیکھا ہے وہ تو شیطان ہے۔ اس طرح کے واقعات بے شمار جاہل عبادت گزار لوگوں کو پیش آئے ہیں۔ وہ سمجھ لیتے ہیں کہ انہوں نے دنیا میں ہی اپنی ظاہری آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے۔ اکثر لوگوں کی حالت یہ ہے کہ جس چیز کو دیکھتے ہیں اس کو اللہ سمجھ لیتے ہیں جب کہ درحقیقت وہ شیطان ہوتا ہے۔ بعض لوگ اس خوش عقیدگی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ انہوں نے ایک نبی یا ایک صالح مرد یا خضر علیہ السلام وغیرہ کو دیکھا ہے۔ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ اصل میں انہوں نے شیطان کو دیکھا ہوتا ہے۔

صحیح حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ رَّآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي حَقًّا فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ فِي صُورَتِي.))[1]

---

[1] صحیح البخاری، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۱۱۰).
صحیح مسلم، کتاب الرؤیا، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم "من رآنی فی المنام فقد رآنی." (۲۲۶۶).

''جس نے مجھے عالمِ خواب میں دیکھا اس نے حقیقت میں مجھے دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت نہیں اپنا سکتا۔''

یہ تو عالمِ خواب میں حضور اکرم ﷺ کے دیدار کا مسئلہ ہے۔ عالم خواب میں کسی کا دیدار کبھی صحیح ہوتا ہے کبھی شیطان کی کرشمہ سازی ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے شیطان کو حضور اکرم ﷺ کی شکل و صورت اختیار کرنے سے منع فرمایا دیا۔ رہا عالمِ بیداری میں ان ظاہری آنکھوں سے اس دنیا میں آپ ﷺ کا دیدار تو یہ کسی کے لیے بھی ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا جو شخص یہ خیال رکھتا ہو کہ جس کو اس نے دیکھا ہے وہ نبی ﷺ ہی تھا وہ تو جہل مرکب کا شکار ہے۔ چنانچہ ایک بھی واقعہ ایسا منقول نہیں ہوا ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین علیہم السلام میں سے کسی نے دعویٰ کیا ہو کہ اس نے حضور ﷺ کو اس دنیا میں آپ کے وصال کے بعد دیکھا ہو۔

مخلوق کا ہر جگہ حاضر ہونا

بعض لوگ جنہوں نے اس طرح کے کرشمے دیکھے ہیں یا ان کی تصدیق کرتے ہیں اور جنہوں نے ان باتوں کا مشاہدہ کیا ہے یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ ایک ہی شخص ایک ہی حالت میں مختلف مقامات پر موجود ہو سکتا ہے۔ یہ بات عقل کے صریحاً خلاف ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دکھائی دینے والی شکل میت کی روحانی یا معنوی ہیئت ہے۔ لیکن وہ یہ کبھی نہیں سوچتے کہ یہ کوئی جن ہے جو دوسروں کی شکل و صورت کا بہروپ بھر لیتا ہے۔ بعض دوسرے لوگ اسے کوئی فرشتہ سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ ایک فرشتہ کئی لحاظ سے جن سے ممیّز ہے۔ جنوں میں کفار و فاسق بھی ہوتے ہیں اور جاہل و مومن بھی۔ اور نبی کریم ﷺ کے احکامات کی اطاعت کرنے والے بھی۔ پھر بھی ایک کثیر تعداد یہ نہیں جانتی کہ وہ تو جن و شیاطین ہیں۔ جن کو وہ ملائکہ سمجھے بیٹھے ہیں۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے جو ستاروں اور بتوں کی پوجا کرتے

ہیں۔ ان پر بھی ایک روح اترتی ہے۔ جسے روحانیتِ کواکب کہا جاتا ہے۔ بعض لوگ اس کو ملائکہ تصور کرتے ہیں حالانکہ یہ جن و شیاطین ہیں جو مشرکین کو مزید سرکشی میں دھکیل دیتے ہیں۔

اولیائے شیاطین

شیاطین ان لوگوں کو دوست رکھتے ہیں جو ایسے افعالِ شنیعہ کا ارتکاب کرتے ہیں جو ان شیاطین کو حد درجہ عزیز ہوتے ہیں مثلاً شرک، فسق اور سرکشی۔ کبھی یہ شیطان ان کو غیب کے امور کے بارے میں خبریں بتاتے ہیں۔ اور کبھی ان لوگوں کو تکلیف دینے والوں کو قتل کر کے مرض میں مبتلا کرتے ہیں اور اذیت دیتے ہیں۔ کبھی آدمیوں کو اٹھا کر ان کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں اور کبھی ان کے لیے لوگوں کے اموال مثلاً نقدی، کھانا، کپڑے اور دیگر اشیاء چوری کرتے ہیں۔ سادہ لوح لوگ یہ خیال کرتے ہیں یہ اولیاء اللہ کی کرامات ہیں۔ حالانکہ یہ تو چوری کا مال ہوتا ہے۔ کبھی وہ کسی آدمی کو ہوا میں اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ اور اس کو دور کسی جگہ پر پہنچا دیتے ہیں۔ ان شیاطین میں سے بعض ایک انسان کو اٹھا کر رات عشاء کے وقت میدانِ عرفات میں لے جاتے ہیں۔ اور پھر لے کر واپس آ جاتے ہیں۔ لہٰذا لوگ اسے کرامت سمجھنے لگتے ہیں باوجودیکہ اس نے مسلمانوں کے طریقہ پر حج سرانجام نہیں دیا ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نہ اس نے احرام باندھا نہ تلبیہ (**اللهم لبيك**) پکارا، نہ خانہ کعبہ کا طواف کیا نہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کی۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ یہ خیال و عقیدہ ایک بہت بڑی گمراہی ہے ان میں سے بعض لوگ صرف طواف کی خاطر جاتے ہیں۔ لیکن شرعی عمرہ اکثر انجام نہیں دیتے۔ اور میقاتِ مقررہ پر پہنچ کر احرام بھی نہیں باندھتے۔ حالانکہ ہر آدمی جانتا ہے کہ جو شخص مکہ کا حج کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ اس کے لیے جائز نہیں کہ احرام پہنے بغیر حدودِ میقات کو عبور کرے۔ اگر وہ تجارت اور حصولِ علم کی غرض سے مکہ مکرمہ جانا

چاہے تو بھی اسے میقات پہنچ کر احرام باندھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس قسم کے واقعات کے بارے میں علماء کے دو قول مشہور ہیں۔ یہ باب جو سحر اور کہانت سے متعلق ہے بہت وسیع ہے۔ ہم اس پر تفصیلی گفتگو کسی مناسب جگہ پر کریں گے۔

اس طرح کے قصے مشرکین میں خواہ وہ بت پرست ہو یا ان کے ہم مسلک یہود و نصاریٰ ہوں اور خواہ امت مسلمہ کے بدعتی لوگ ہوں بہت مشہور ہیں، ان کی تفصیل کی یہاں پر گنجائش نہیں ہے۔ جو شخص کسی مردے سے خواہ وہ نبی ہو یا غیر نبی، دعا مانگنے اور فریاد کرنے کا خوگر ہوتا ہے۔ اس طرح کا کوئی نہ کوئی قصہ اس کی گمراہی کا باعث بن جاتا ہے۔ ان کا حال ان لوگوں جیسا ہے جو انبیاء وصلحاء سے ان کی غیر حاضری میں دعائیں اور مدد مانگتے ہیں اور جب وہ کسی کو ان کا ہم صورت پاتے ہیں یا کسی کو ان کا ہم صورت تصور کر لیتے ہیں جو ان سے کہتا ہے ''میں فلاں نبی یا فلاں بزرگ ہوں۔'' اور ان سے ہمکلام ہوتا ہے۔ اور ان کی بعض حاجات کو پوری کر دیتا ہے۔ تو وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ وہی فوت شدہ ہستی ہے جس سے فریاد کی گئی تھی اور اسی نے ان سے باتیں کی ہیں اور ان کی حاجت براری فرمائی ہے۔ جب کہ درحقیقت وہ کوئی جن یا شیطان ہوتا ہے بعض جاہل لوگ اس کو کوئی فرشتہ سمجھ بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ ملائکہ کبھی بھی مشرکین کی مدد نہیں کرتے۔ یہ تو شیطان ہی ہوتے ہیں جو لوگوں کو صراطِ مستقیم سے منحرف کرتے ہیں۔

مقاماتِ شرک اور شیاطین

شرک کے مقامات اور ان سے منسوب حکایات اتنی طویل اور ان گنت ہیں کہ ان کا شمار و بیان ممکن نہیں ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں جاہل لوگوں کی دو قسمیں ہیں:

1. وہ جو سرے سے شیاطین و جن کے وجود سے انکار کرتے ہیں۔
2. وہ جو ان کی کرشمہ سازی کو اولیاء اللہ کی کرامات سمجھتے ہیں۔

پہلی قسم کے لوگوں کا دعویٰ ہے کہ جن و شیاطین کوئی خارجی حقیقت نہیں رکھتے ہیں بلکہ یہ انسان کے اپنے ہی تصورات واوہام کی پیداوار ہیں۔ جب یہ لوگ اپنے وہم وگمان کا ذکر دوسرے لوگوں تک پہنچاتے ہیں تو جن لوگوں نے اس طرح کی صورت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوتا ہے یا جن تک اس طرح کے تذکرے تواتر کے ساتھ ایسے لوگوں سے پہنچتے ہیں جنھوں نے خود اس طرح کا مشاہدہ کیا ہوتا ہے۔ اور جن کی صداقت پر انگشت نمائی نہیں کی جاسکتی تو مشرکین اور بدعتی لوگ اپنے عقائد میں اور بھی سخت ہو جاتے ہیں۔ پھر جن وشیاطین اور ان کی شعبدہ بازیوں کی تکذیب کرنے والے جب کوئی چیز اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں تو وہ اس کے سامنے عجز وانکساری کا اظہار کرنے لگتے ہیں۔ اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ اور اس کو اولیاء اللہ میں سے سمجھنے لگتے ہیں۔ ان کا یہ طرزِ عمل اس علم کے علی الرغم ہوتا ہے کہ جس شخص کو وہ ولی اللہ خیال کرتے ہیں وہ فرائضِ الٰہی کا تارک ہوتا ہے۔ حتی کہ وہ نماز پنجگانہ ادا کرتا ہے نہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کرتا ہے۔

بلکہ وہ فواحش و مظالم کا ارتکاب کرتا ہے۔ اور ایمان وتقویٰ جو اولیاء اللہ کی لازمی صفات ہیں، میں وہ عام انسانوں سے کہیں فروتر مقام پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ ﴾ (یونس: ٦٢)

''سنو! اللہ کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ کسی غم میں مبتلا ہونگے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ (برائیوں سے) بچتے ہیں۔''

پس جب لوگ کسی ایسی صورت کو دیکھ لیتے ہیں جو عام لوگوں کی نسبت ایمان وتقویٰ میں کہیں کم درجہ رکھتی ہے اور اس سے کرامات، تصرفات اور خرق عادت افعال کا ظہور دیکھتے ہیں تو وہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ تو اولیاء اللہ کی کرامات ہیں۔ اس طرح ان میں سے کثیر تعداد اسلام سے مرتد ہو کر الٹے پاؤں کفر میں جا گرتی ہے۔ وہ اس حد تک پستی میں جا

گرتے ہیں کہ جو شخص نہ نماز پڑھتا ہو، نہ انبیاء کرام پر ایمان رکھتا ہو بلکہ الٹا انبیاء کرام پر زبانِ طعن دراز کرتا ہو اور ان میں عیب جوئی کرتا ہو، اس کو سب سے بڑا ولی اللہ سمجھتے ہیں۔ بعض لوگ شک و ریب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان کا ایک قدم کفر کی طرف اٹھتا ہے تو دوسرا اسلام کی جانب۔ اکثر وہ ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ اس ضلالت وارتداد کی وجہ یہ ہے کہ وہ ولایت کو ان دلائل پر پرکھتے ہیں جن کا ولایت سے دور کا تعلق بھی نہیں ہوتا۔ ورنہ کفار، مشرکین، جادوگر اور کاہن بھی اپنے شیاطین کی مدد سے ان سے بڑھ چڑھ کر تصرفات کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ:

﴿ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ۝ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝ ﴾ (الشعراء: ۲۲۱۔۲۲۲)

''کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کس پر نازل ہوتے ہیں؟ وہ ہر جھوٹے اور بدکار پر اترتے ہیں۔''

اولیاء الشیطان

لازمی طور پر ان لوگوں میں دروغ گوئی اور شریعت حقہ کی مخالفت پائی جاتی ہے، وہ گناہ اور بہتان تراشی کے پتلے ہوتے ہیں۔ ان میں یہ صفات مذمومہ اسی نسبت سے پائی جاتی ہیں۔ جس نسبت سے وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی (جن کی تعلیم دینے کے لیے نبی اکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا ہے) کی مخالفت کرتے ہیں یہ شیطانی اعمال لوگوں کی گمراہی اور شرک کا باعث بنتے ہیں۔ اور وہ بدعات، جہالت اور کفر کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ چیز ان کے باطنی امراض کی دلیل و علامت ہے۔ جاہل اور گمراہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ پر ان کے ایمان اور اس سے ان کی محبت کا نتیجہ ہے۔ اور یہ ان کے ایمان و ولایت پر دلالت کرتی ہے۔ ان کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ اولیاء الرحمٰن اور اولیاء الشیطان میں تمیز نہیں کر

سکتے۔ ہم نے اس مسئلہ پر اپنی کتاب ''الفرق بین اولیاء الرحمٰن و بین اولیاء الشیطن'' پر تفصیلی کلام کیا ہے۔ یہ لوگ اس حقیقت سے نا آشنا ہیں کہ جن احوال و تصرفات کو وہ ولایتِ الٰہی کی دلیل ٹھہراتے ہیں ان کا ظہور کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے ہاتھوں مسلمانوں کی نسبت کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ دلیل اپنے مدلول سے مستلزم ہوتی ہے۔ دلیل مدلول سے مخصوص ہوتی ہے۔ اس کے بغیر دلیل کا کوئی وجود نہیں ہے۔ بالفاظ دیگر تصرفات و مکاشفات اگر ولایت کی دلیل ہوتی تو ان کا ظہور صرف اولیاء اللہ کے ہاتھ پر ہی ہونا چاہیے۔ جب کہ تم دیکھتے ہو کہ یہ خرقِ عادت کرشمے کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے ہاتھ پر بھی ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں تو پھر یہ ایمان کو بھی مستلزم نہیں۔ چہ جائیکہ ان کو معیار ولایت بنا لیا جائے۔ یہ چیزیں ولایت کے لیے ضروری بھی نہیں ہیں۔ اس لیے ان کو ولایت کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔

اولیاء اللہ

جہاں تک اولیاء اللہ کا تعلق ہے وہ صاحبِ ایمان بزرگ ہوتے ہیں۔ ان کی کرامات ان کے اعمال و تقویٰ کا ثمر ہوتی ہیں۔ نہ کہ شرک و بدعت اور سرکشی کا نتیجہ۔ اکابر اولیاء اللہ ان کرامات کا ظہور حجتِ دین قائم کرنے اور اہلِ اسلام کی بہتری کے لیے کرتے ہیں۔ بعض میانہ رو بزرگ ان کرامات کا اظہار مباح و جائز امور میں بھی کرتے ہیں۔ البتہ جو شخص ان خرق عادت افعال سے ارتکابِ معاصی میں مدد لیتا ہے۔ وہ اپنے نفس پر بہت بڑا ظلم کرتا ہے۔ اور پروردگار عالم کی قائم کی ہوئی حدود سے تجاوز کرتا ہے۔ خواہ ایمان و تقویٰ ہی اس کی کرامات کا باعث ہوں۔ پس جو شخص اللہ کی راہ میں دشمنوں سے جہاد کرتا ہے مال غنیمت حاصل کرتا ہے اور پھر اس مال غنیمت کو شیطان کی اطاعت میں ضائع کر دیتا ہے تو اس کا یہ مال جو اگرچہ اس نے ایک نہایت مقدس کام (جہاد) کے ذریعہ سے حاصل کیا ہے۔ اس کے لیے وبال بن جاتا ہے۔ غور کیجیے اور سوچئے کہ ان خرقِ عادت افعال کا کیا حکم ہوگا جن

کا سرچشمہ کفر، نافرمانی اور سرکشی ہو۔اور جو کفر وفسق اور اللہ سے بغاوت کی طرف دعوتِ عمل دیتے ہوں۔ یہی وجہ ہے ان لوگوں کے بڑے بڑے رہنما کفر کی موت مرجاتے ہیں۔اور ذلت وپستی کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرتے ہیں۔ ہم اس موضوع پر تفصیلی بحث کسی مناسب موقع پر کریں گے۔ان شاءاللہ

اسبابِ شرک

یہاں پر ان باتوں کے ذکر سے مقصود ہے کہ مشرکین کی گمراہی کا سب سے بڑا سبب وہ صورتیں اور آوازیں ہیں جو وہ بتوں کے پاس دیکھتے اور سنتے ہیں۔ مثلاً وہ بعض امورِ غیب کی خبر پاتے ہیں اور ایسے افعال کا مشاہدہ کرتے ہیں جو لوگوں کی حاجت برآری کا باعث بنتے ہیں۔لہٰذا ان مشرکین میں سے جب کوئی دیکھتا ہے کہ ایک قبر خود بخود شق ہو جاتی ہے۔اس میں سے ایک بزرگ نکلتا ہے جو اس سے معانقہ کرتا ہے۔اور ہم کلام ہوتا ہے۔تو وہ یہ گمان کر لیتا ہے کہ یہ صاحبِ قبر کوئی نبی ہے۔ حالانکہ صورت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ قبر شق نہیں ہوتی بلکہ یہ شیطان ہوتا ہے۔ جو کسی بزرگ ہستی کا روپ دھار لیتا ہے۔اسی طرح بعض اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ ایک دیوار شق ہو جاتی ہے۔جس میں سے ایک انسانی شکل نمودار ہوتی ہے یہ شیطان ہوتا ہے۔ جو انسانی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور لوگوں کو یہ باور کراتا ہے کہ وہ دیوار سے نمودار ہوا ہے۔

اسی طرح قبر سے نمودار ہونے والی صورت اس آدمی سے جس نے اسے دیکھا ہوتا ہے۔ یوں مخاطب ہوتی ہے۔ ہم اپنی قبروں میں پڑے نہیں رہتے بلکہ جونہی ہم میں سے کسی کو دفن کیا جاتا ہے وہ اپنی قبر سے باہر نکل آتا ہے۔اور لوگوں کے درمیان گھومتا پھرتا ہے۔ بعض لوگوں کے مشاہدہ میں یہ بات بھی آئی ہے کہ مردہ خود اپنے جنازہ کے ساتھ چلتا ہے اور اسے کندھا دیتا ہے۔اسی نوع کے بہت سے دوسرے واقعات ہیں جن کو ہر شخص خوب

جانتا ہے۔ اہلِ ضلالت یا تو ان احوال و مشاہدات کی سرے سے تکذیب کر دیتے ہیں یا اس خوش عقیدگی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ یہ سب شعبدہ بازیاں اولیاء اللہ کی کرامت ہیں۔ اور جس شخص کو انہوں نے دیکھا ہے وہ کوئی نبی، مرد صالح یا فرشتہ ہے۔ اکثر وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص کسی نبی، بزرگ یا فرشتہ کا روحانی وجود ہے۔ یا اس کا سرّ یا روح ہے۔ جو مجسم ہو کر نمودار ہوا ہے۔ بعض اوقات وہ ایک ہی شخص کو دو مختلف مقامات پر دیکھتے ہیں تو یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ایک ہی شخص ایک ہی وقت پر دو مختلف جگہوں پر موجود ہوتا ہے یہ لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہوتے ہیں کہ یہ شخص وہ فوت شدہ بزرگ نہیں ہے۔ جو اس کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔

غیر اللہ سے دعا و استغفار

اس بحث سے یہ واضح ہو گیا کہ جو لوگ انبیاء و صلحاء کو ان کی وفات کے بعد ان کی قبروں کے پاس یا ان کی عدم موجودگی میں حاجت روائی کے لیے پکارتے ہیں وہ مشرکین ہیں جو غیر اللہ سے دعائیں مانگتے ہیں اور ملائکہ اور انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنا رب بنا لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ ﴾

(آل عمران: ۷۹ : ۸۰)

’’کسی ایسے انسان کو جسے اللہ کتاب وحکمت اور نبوت دے، یہ لائق نہیں کہ پھر بھی وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ بلکہ وہ تو کہے گا کہ تم سب رب کے ہو جاؤ کیونکہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور خود بھی پڑھتے

ہو نہ وہ تمہیں حکم دے سکتا ہے کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو اپنا رب بنا لو کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے گا، جب کہ تم مسلمان بن چکے ہو؟''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ○ ﴾ (بنی اسرائیل: ٥٦ : ٥٧)

''اے نبی ﷺ! کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا جنہیں تم اپنا معبود سمجھ رہے ہو انہیں پکارو لیکن نہ تو وہ تم سے کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں نہ بدل سکتے ہیں جنہیں یہ لوگ پکارتے رہتے ہیں خود وہ اپنے رب کی نزدیکی کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ نزدیک ہو جائے وہ خود اس کی رحمت کی امید میں لگے رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوف زدہ ہو رہے ہیں۔ بات بھی یہی ہے کہ تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔''

پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ○ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ﴾

(سبا: ٢٢-٢٣)

''اے نبی ﷺ! کہہ دیجئے کہ جنہیں تم اپنا معبود سمجھ رہے ہو اللہ کو چھوڑ کر انہیں پکارو لیکن نہ تو ان میں سے کسی کو آسمانوں اور زمین میں ذرہ بھر اختیار ہے نہ ان کا ان میں کوئی حصہ ہے۔ نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔

شفاعت بھی اُس کے پاس کچھ فائدہ نہیں دیتی بجز ان کے جن کے لیے اجازت ہو جائے۔''

اس مضمون کی آیات قرآن پاک میں کثرت سے پائی جاتی ہیں جو غیر اللہ مثلاً ملائکہ اور انبیاء وغیرہ کو حاجت روائی کے لیے پکارنے سے منع کرتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام و ملائکہ کو پکارنا یا تو فی نفسہ شرک ہے۔ یا شرک کا موجب۔

انبیاء و صلحاء کرام سے ان کی زندگی میں دعا کرنا:

اس کے برعکس کسی سے اس کی زندگی میں دعا اور شفاعت کی درخواست کرنا درست ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی بھی نبی یا بزرگ کی بندگی اس کی موجودگی میں نہیں کی گئی جس کسی بزرگ کی پوجا پاٹ کرنے کی کوشش کی گئی۔ اُس نے فوراً اسے روک دیا۔ لیکن انبیاء و صلحاء کرام کی وفات کے بعد ان سے دعا یا دعا کی درخواست جائز نہیں کیونکہ یہ شرک کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اسی طرح ان کی غیر حاضری میں ان سے دعا یا دعا کی درخواست کرنا بھی شرک کا سبب ہے۔ اگر کوئی شخص کسی نبی اور فرشتہ کو دیکھتا ہے اور اس سے دعا کی درخواست کرتا ہے تو یہ شرک کا موجب نہیں بنتا لیکن اگر کوئی شخص کسی نبی کی غیر حاضری میں دعا کرتا ہے تو خطرہ ہے کہ وہ شرک کا شکار ہو جائے۔ جیسا کہ عملاً ایسے واقعات پیش آ چکے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی نبی یا بزرگ اس دنیا سے کوچ کر جانے کے بعد کسی کو شرک سے باز رکھنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ بلکہ جب لوگوں کے دل کسی نبی یا ولی کی دعا اور شفاعت کے ساتھ وابستہ ہو جاتے ہیں تو وہ آہستہ آہستہ شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس سے دعائیں مانگی جانے لگتی ہیں اس کی قبر یا مجسمہ پر حاضری دی جانے لگتی ہے۔ مشرکین ان کے ہم مشرب یہود و نصاریٰ اور اہل بدعتِ مسلمان ان خرافاتِ شرکیہ میں مبتلا ہو چکے ہیں۔

فرشتوں سے دعا

یہ حقیقت تو سب پر واضح ہے کہ فرشتے خود اہل ایمان لوگوں کے لیے دعائیں مانگتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی مغفرت و بخشش کی درخواست کرتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ الَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ٥ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ٥ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ٥ ﴾ (المومن: ۷،۹)

''عرش کو اٹھانے والے اور اس کے آس پاس کے فرشتے اپنے رب کی تسبیح حمد کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں (کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار! تو نے ہر چیز کو رحمت اور علم سے گھیر رکھا ہے پس تو انہیں بخش دے جو توبہ کریں اور تیری راہ کی پیروی کریں تو انہیں دوزخ کے عذاب سے بھی بچالے۔ اے ہمارے رب! تو انہیں ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں داخل کر جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ اور ان کے باپ دادا، بیویوں اور اولادوں میں سے بھی جن لوگوں نے نیک عمل کیا (ان کو جنت میں داخل فرما) یقیناً تو بڑا غالب و حکیم ہے۔ انہیں برائیوں سے بچا۔ بیشک اس دن، جس کو تو نے برائیوں سے بچالیا اس پر تو نے

رحمت کر دی سب سے بڑی کامیابی یہی ہے۔"

﴿ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ○ ﴾ (الشوریٰ: ۵، ۶)

"قریب ہے آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں۔ تمام فرشتے اپنے رب کی تسبیح تعریف کے ساتھ کر رہے ہیں اور زمین والوں کے لیے استغفار کر رہے رہیں۔ خبردار! اللہ ہی معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ جن لوگوں نے اس کے سوا دوسروں کو اپنا کارساز بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ انہیں خوب دیکھ بھال رہا ہے۔ اے نبی ﷺ! تو ان کا ذمہ دار نہیں ہے۔"

پس ثابت ہوا کہ ملائکہ اہلِ ایمان کے حق میں دعائے استغفار کرتے رہتے ہیں خواہ اہلِ ایمان ان سے اس قسم کی کوئی درخواست نہ کریں روایات سے پتہ چلتا ہے کہ نبی آخر الزمان ﷺ اور دوسرے انبیاء وصلحاء کرام اپنی اپنی امت کے لیے دعا و شفاعت کریں گے۔ اس دعا و شفاعت کی نوعیت بھی فرشتوں کی دعا و استغفار کی سی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام انہی لوگوں کے حق میں دعا کریں گے، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ ان کو اجازت دے گا۔ نیز یہ دعا و شفاعت کسی کی دعا کے بغیر ہی کی جائے گی۔

مخلوق سے دعا کی حقیقت

جب ملائکہ سے دعا کی گنجائش شریعت میں موجود نہیں تو پھر اس دنیا سے رخصت ہو جانے والے انبیاء وصلحاء کرام کی حیثیت شریعت میں کیا رہ جاتی ہے، ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ان کی وفات کے بعد ہم ان سے دعا اور شفاعت کی درخواست کریں۔ اگرچہ

وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی حیاتِ دنیاوی میں لوگوں کے لیے دعا کیا کرتے تھے۔ اس عدمِ جواز کی دو وجوہات ہیں۔

اول: ...... اللہ تعالیٰ جن لوگوں کے حق میں شفاعت کی اجازت دے گا وہ ان کے لیے ضرور شفاعت کریں گے، خواہ ان سے شفاعت کی التجا نہ بھی کی جائے۔ جن لوگوں کے لیے انہیں شفاعت کی اجازت نہیں دی جائے گی ان کی طلبِ شفاعت پر بھی ان کے حق میں انبیاء کرام علیہم السلام شفاعت نہیں کریں گے۔ ان لوگوں کو شفاعت کی درخواست کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہوگا۔

دوم: ...... وفات کے بعد انبیاء وصلحاء کرام سے دعا اور شفاعت کی درخواست شرک کا باعث بن جاتی ہے۔ لہٰذا اس طرزِ عمل میں بہت بڑا فتنہ پنہاں ہے۔ اگر اس میں بہتری کا کوئی پہلو بھی موجود ہو اس میں مضمر ومفسدہ کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ چنانچہ ایسا طرزِ عمل جس کے دامن میں کوئی مصلحت نہ ہو، کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟ انبیاء وصلحاء کی زندگی میں ان سے کوئی چیز طلب کرنے کا معاملہ بہت مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی مفسدہ پوشیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اپنی زندگی میں شرک سے ان کو باز رکھتے تھے۔ بلکہ اس سے کئی طریقے کے فوائد حاصل ہوتے تھے۔ وہ یہ کہ خود وہ لوگوں کی مدد واستعانت کی وجہ سے ثواب واجر کے مستحق ٹھہرتے تھے۔ یہ دنیا ان کے لیے دار العمل ہے اور اللہ کی نگاہ میں انہیں جو کرامت و شرافت حاصل ہوگی اس کی بنا پر اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے دن منصبِ شفاعت پر فائز فرمائیں گے۔ اس کے برعکس بندہ کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے دستِ سوال دراز کرے، اس کی طرف رجوع کرے اور اس پر توکل رکھے۔ اصل میں مخلوق سے سوال کرنا حرام ہے۔ صرف اضطراری حالت ہی میں اس امر کی اجازت ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہوئے مخلوق کے سامنے دست دعا بڑھانے سے اس کو ترک کر دینا ہی افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝ ﴾ (انشراح : ۸،۷)

''پس جب تو فارغ ہو تو عبادت میں محنت کر اور پروردگار کی طرف دل لگا۔''

اس آیتِ کریمہ میں نبی کریم ﷺ کو ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف خدائے واحد کی طرف رجوع و رغبت کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ﴾ (التوبہ : ۵۹)

''اگر یہ لوگ اللہ اور اس کے دینے پر خوش رہتے اور کہتے کہ اللہ ہمیں کافی ہے تو اللہ اپنے فضل سے دے گا۔ اور رسول ﷺ بھی، ہم تو اللہ کی ذات ہی سے توقع رکھنے والے ہیں۔''

اس آیت کریمہ میں عطا و بخشش کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول دونوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا ہے:

﴿ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ط ﴾

(الحشر : ۷)

''جو کچھ رسول اکرم ﷺ تمہیں دیں اسے لے لو اور جس سے روک دیں، اس سے رک جاؤ۔''

لہٰذا اہلِ ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ دونوں کی رضا اور خوشنودی حاصل کریں لیکن جہاں تک حسب و کفایت کا تعلق ہے، ان کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ ﴿ حسبنا اللّٰہ ﴾ (اللہ ہمارے لیے کافی ہے) کہیں اور یہ نہ کہیں کہ ﴿ حسبنا اللّٰہ ورسولہ ﴾ (ہمارے لیے اللہ اور اس کا رسول کافی ہے) اس کے برعکس وہ کہیں کہ:

((اِنَّا اِلَی اللّٰہ رَاغِبُونَ))

''ہم اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔''

ان کے لیے یہ جائز نہیں رکھا گیا کہ:

((اِنَّا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُولِہٖ رَاغِبُوْنَ))

(ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رغبت رکھتے ہیں، کہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ رغبت صرف خدائے واحد کے لیے مخصوص ہے چنانچہ دوسری آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ ﴾ (النور: ۵۲)

''جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہیں اور اس کا تقویٰ اختیار کرتے ہیں وہی کامیاب ہیں۔''

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اطاعت و فرمانبرداری کو تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ دونوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے، لیکن تقویٰ اور خشیت کو صرف اللہ وحدہ لاشریک کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

''اے لڑکے! میں تجھے کچھ کلمات سکھا رہا ہوں (جو یہ ہیں:) اللہ (کے ذکر) کی حفاظت کر وہ تیری حفاظت کرے گا۔ اللہ کو یاد رکھ تو اسے اپنے سامنے پائے گا۔ تو اللہ کو خوشحالی میں پہچان وہ تجھے سختی میں پہچانے گا۔ جب تجھے سوال کرنا ہو، اللہ سے سوال کر۔ جب تجھے مدد مانگنا ہو، اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ۔ تجھے جو کچھ پیش آنے والا ہے، قلم تقدیر اس کو تحریر کر کے خشک ہو چکا ہے۔ پس اگر تمام مخلوق کوشش کرے کہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو وہ تجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتی بجز اس کے جو تیرے مقدر میں اللہ تعالیٰ نے لکھ دی ہے۔ اگر تو خوشی خوشی یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی عمل کر سکے تو اسے کر۔ اگر تجھے کسی عمل کی استطاعت نہ ہو تو (جان لے) کہ جس چیز کو تو پسند نہیں کرتا اس

پر صبر کرنے میں خیرِ کثیر پنہاں ہے۔''[1]

یہ حدیث بہت معروف و مشہور ہے اسے یہاں پر اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ:

((اِذَا سَئَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ))

(تجھے مدد مانگنا ہو تو اللہ سے مانگ۔) ان تمام اقوال میں سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں، سب سے زیادہ مستند قول ہے۔ مسند احمد میں ایک روایت درج ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کوڑا اگر جاتا تو آپ کسی سے یہ نہ کہتے کہ اسے مجھے پکڑا دو۔ بلکہ فرماتے:

((اِنَّ خَلِیْلِیْ اَمَرَنِیْ اَنْ لَّا اَسْئَلَ النَّاسَ شَیْئًا.))

''میرے خلیل (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں لوگوں سے کوئی چیز نہ مانگوں۔''[2]

مسلم میں حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک گروہ سے بیعت لی۔ اور ان کے کان میں مندرجہ ذیل ہلکا پھلکا جملہ کہا:

((لَاتَسْئَلُوا النَّاسَ شَیْئًا.))[3]

''لوگوں سے کوئی چیز نہ مانگو۔''

جھاڑ پھونک کی ممانعت

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ

---

[1] مسند احمد: ۲۹۳/۱، ۳۰۳، ۳۰۷، سنن الترمذی، صفة القيامة، باب حديث حنظلة ...... (٢٥١٦)، نحوه.

[2] مسند احمد ۱۱/۱۔ اسکی سند میں عبداللہ بن امموسل ضعیف راوی ہے۔ نیز ابن ابی ملیکہ کی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں۔ لیکن اس روایت کے کئی صحیح شواہد ہیں حدیث عوف بن مالک رضی اللہ عنہ۔ [صحیح مسلم (۲۰۴۳) ابو داؤد (۱٦٤٢)، ابن ماجہ (۲۸٦۷)] اور حدیث ثوبان رضی اللہ عنہ [مسند احمد ۲۷۷/۵، ۲۷۹]۔

[3] صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب کراهة المسألة للناس (۱۰٤۳) نیز نمبر ۴۵ کی تخریج دیکھیں۔

اگر ان کا چابک ان کے ہاتھ سے گر جاتا تو وہ کسی کو یہ نہ کہتے کہ مجھے پکڑا دو۔ نیز نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

((يَدْخُلُ مِنْ أُمَّتِي الْجَنَّةَ سَبْعُونَ أَلْفاً بِغَيْرِ حِسَابٍ، وَقَالَ هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَسْتَرْقُونَ وَ لَا يَكْتَوُونَ وَ لَا يَتَطَيَّرُونَ وَ عَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ.)) [1]

''میری امت میں سے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے اور فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو جھاڑ پھونک نہیں کراتے۔ اپنے آپ کو دغواتے نہیں ہیں۔ اور کوئی برا شگون نہیں لیتے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔''

اس حدیث میں بغیر حساب و کتاب جنت میں داخل ہونے والوں کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے کہ وہ تعویذ گنڈے کے قائل نہیں، بالفاظِ دیگر وہ کسی سے تعویذ گنڈہ نہیں کراتے۔ رقیہ (تعویذ) ایک طرح کی دعا ہے اور وہ کسی سے یہ دعا طلب نہیں کرتے۔ اسی سلسلہ میں ایک حدیث میں یہ الفاظ روایت ہوئے ہیں:

((وَ لَا يَرْقُونَ.)) [2]

''وہ جھاڑ پھونک نہیں کرتے۔''

یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ لوگوں کو اپنے لیے اور دوسروں کے لیے جھاڑ پھونک کرنا ایک اچھا عمل ہے۔ نبی اکرم ﷺ اپنے آپ پر پھونکتے تھے اور دوسروں پر بھی۔ لیکن انہوں نے دوسروں سے جھاڑ پھونک نہیں کروائی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی اپنے اور دوسروں کے لیے جھاڑ پھونک جنسِ دعا ہے، جو آپ ﷺ اپنے اور دوسروں کے لیے فرماتے تھے۔ اس دعا پر آپ مامور بھی تھے، تمام انبیاء کرام علیہم السلام اللہ سے مانگتے، اور اس سے دعا کرتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم، ابراہیم اور موسیٰ علیہم السلام کے قصے میں اس بات کا

---

[1] صحيح البخاری، كتاب الطب، باب من لم يرق (۵۷۵۲)، صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب الدليل على دخول طوائف من المسلمين الجنة بغير حساب ولا عذاب (۲۱۸، ۲۲۰).

[2] صحيح مسلم، ايضًا (۲۲۰)، فتح الباری: (۱۱/۴۰۸).

ذکر فرمایا ہے۔

اسوۂ ابراہیم علیہ السلام

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو آگ میں پھینکنے کے لیے منجنیق میں ڈالا گیا تو جبرائیل امین علیہ السلام ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا ''مانگو'' آپ نے فرمایا:

((حَسْبِیْ مِنْ سُؤَالِی عِلْمُهُ بِحَالِی.))

''وہ میرے سوال سے بے نیاز ہے، اسے میرے حال کا بخوبی علم ہے۔''

اس روایت کی سند غیر معروف ہے اور یہ روایت باطل ہے۔ اس کے برعکس حقیقت وہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں بیان ہوئی ہے۔ جس کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

((حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیلُ.))

''میرے لیے اللہ ہی کافی ہے اور وہ سب سے اچھا کارساز ہے۔''

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات اس وقت کہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگ میں ڈالا گیا۔ یہی الفاظ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے کہے، جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اہل ایمان کو دھمکی دی کہ:

﴿ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ ط ﴾[1] (آل عمران: ۱۷۳)

''سب لوگ تمہارے خلاف جمع ہو گئے ہیں لہٰذا ان سے ڈرو۔''

یہ بھی روایت کیا جاتا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے خلیل اللہ علیہ السلام سے پوچھا کہ ''کیا تمہیں کسی (مدد) کی حاجت ہے۔؟'' آپ نے فرمایا ''اگر یہ مدد تمہاری طرف سے ہے تو مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں'' اس روایت کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔

---

[1] صحیح البخاری، کتاب التفسیر، سورۃ آل عمران (٤٥٦٣ـ٤٥٦٤).

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کے حضور جو دعا کی تھی اس کا ذکر خود قرآن مجید میں ایک سے زیادہ جگہ پر کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ کیسے باور کرلیا جائے کہ آپ نے کہا تھا:

((حَسْبِیْ مِنْ سَوَالِی عِلْمُهُ بِحَالِی اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ))

''میرا رب میرے سوال سے بے نیاز ہے،۔ وہ میرے حال سے بخوبی واقف ہے۔ وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں، اس پر توکل رکھیں۔ اور اس سے مانگتے رہیں، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان امور کا حکم اس لیے دیا ہے کہ عبادت گزاروں کی عبادت کا ثواب اور مانگنے والوں کی دعاء کی قبولیت انہی پر منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کی ماہیت و کیفیت کا علم رکھتا ہے، وہ جانتا ہے کہ کون محتاج اور گنہگار ہے لیکن لوگوں کا تو[illegible] استغفار کا حکم دینا اس کے اس علم کے منافی نہیں ہے۔ اس نے لوگوں کو دعا کا [illegible] اس [illegible] دیا ہے کہ یہ حاجت پوری کرنے کا ایک ذریعہ ہے جس طرح اس نے اپنی عبادت واطاعت کا حکم دیا ہے جس سے لوگوں کو اس کی نگاہ میں قدر ومنزلت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن بعض اوقات آدمی کو ایسی بات کا حکم دیا جاتا ہے جو دعا سے افضل ہے۔ چنانچہ ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

((مَنْ شَغَلَهُ ذِكْرِیْ عَنْ مَسْأَلَتِیْ اَعْطَیْتُهُ اَفْضَلَ مَا اُعْطِی السَّائِلِیْنَ.))

''جسے میرے ذکر نے مجھ سے مانگنے سے غافل کر دیا میں اس کو مانگنے والوں سے زیادہ دیتا ہوں۔''

ترمذی میں نبی اکرم ﷺ کی حدیث نقل ہوئی ہے۔ جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ شَغَلَهُ قِرَاْةُ الْقُرْاٰنِ عَنْ ذِكْرِیْ وَمَسْأَلَتِیْ اَعْطَیْتُهُ اَفْضَلَ مَا

اُعْطِي السَّائِلِينَ.)) [1]

''جسے قرآن مجید کی تلاوت نے میرے ذکر اور مجھ سے مانگنے سے غافل کر دیا میں اس کو مانگنے والوں سے زیادہ دیتا ہوں۔''

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

نماز افضل ترین بدنی عبادت:

تمام بدنی عبادات میں سے افضل ترین عبادت نماز ہے۔ کیونکہ یہ قرات قرآن، ذکر الٰہی اور دعا سب پر محیط ہے۔ ان میں سے ہر چیز اپنے اپنے مقام پر ضروری ہے۔ دعائے استفتاح ((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ)) کے بعد قیام میں قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے، جو رکوع اور سجدہ میں ممنوع ہے۔ اس کے بجائے رکوع اور سجدہ میں دعا کی تعلیم دی گئی ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نماز کے آخر میں دعا فرمایا کرتے تھے اور لوگوں کو بھی اس کا حکم دیتے تھے۔ سجدہ میں جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے ان میں سب سے عمدہ فعل دعا ہے۔ یہ دعا دورانِ قیام اور رکوع کے اندر بھی جائز ہے۔ اگرچہ ان مقامات پر تلاوتِ قرآن اور ذکرِ الٰہی ہی افضل عمل ہے۔ ان گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بندے کا سوال وہی جائز ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہے اور جسے حسن قرار دیا ہے۔ خود ابراہیم، خلیل اللہ علیہ السلام نے بھی اللہ سے سوال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ○ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا

---

[1] سنن الترمذی، فضائل القرآن، (۲۹۲۶) مسند الدارمی، کتاب فضائل القرآن، باب فضل کلام اللّٰہ علی سائر الکلام (۳۳۹۹)، اس کی سند میں محمد بن الحسن الهمدانی اور عطیة العوفی دونوں ضعیف راوی ہیں۔[سلسلہ الاحادیث الضعیفة للالبانی: ۱۳۳۵].

نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ وَمَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَھَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ○ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ○ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ○ ﴾ (ابراھیم : ۳۷ : ۴۱)

''اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد اس بے آب و گیاہ جنگل میں تیرے محترم گھر کے پاس آباد کر دی ہے۔ اے ہمارے رب! تا کہ وہ نماز قائم کریں۔ پس تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں پھلوں کا رزق عطا فرما تا کہ وہ تیرا شکر ادا کریں۔ اے ہمارے رب! تو خوب جانتا ہے جو کچھ ہم چھپائے ہوئے ہیں اور جو کچھ ہم ظاہر کر رہے ہیں۔ نہ زمین میں نہ آسمان میں کوئی ایسی چیز ہے جو اللہ سے مخفی ہو۔ تمام تعریفیں اس ذات اقدس کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام عطا کیے۔ بے شک ہمارا پروردگار دعا سننے والا ہے۔ اے پروردگار! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا۔ اے ہمارے رب! میری دعا قبول فرما۔ اے ہمارے پروردگار! اس دن جب میزانِ حساب قائم ہوگی، مجھے اور میرے والدین کو اور تمام ایمان والوں کو بخش دے۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ○ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ

اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ (البقره : ۱۲۷ : ۱۲۸)

''وہ (وقت یاد کرو) جب ابراہیم اور اسماعیل اس گھر کی بنیادی اُٹھا رہے تھے، تو وہ یہ دعا مانگ رہے تھے) کہ اے ہمارے پروردگار! ہماری دعا قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد میں سے ایک مطیع فرمان اُمت پیدا کر اور ہمیں عبادت کے طریقے سمجھا اور ہم پر نظر کرم فرما۔ بے شک تو کرم کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! اس اُمت میں ایک رسول بھیج جو اس کو تیری آیات سنائے، کتاب وحکمت کی تعلیم دے، اس کے نفوس کا تزکیہ کرے۔ بے شک تو غالب حکمت والا ہے۔''

اسی طرح ایک مسلم کی اپنے بھائی کے لیے دعا بھی ایک عمدہ عمل ہے۔ جس کا شریعت نے حکم دیا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث درج ہے۔ کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ رَجُلٍ يَّدْعُوا لِاَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ اِلَّا وَكَّلَ اللّٰهُ بِهٖ مَلَكًا كُلَّمَا دَعَا لِاَخِيْهِ بِدَعْوَةٍ قَالَ الْمَلَكُ الْمُوَكَّلُ بِهٖ، آمِينَ وَلَكَ بِمِثْلِه۔)) [1]

''جب کوئی آدمی اپنے بھائی کے لیے اس کی غیر حاضری میں دعا کرتا ہے تو اللہ اس کے لیے ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جب کوئی اپنے بھائی کے لیے دعا کرتا ہے تو وہ موکل فرشتہ کہتا ہے آمین! اسی طرح کی دعا تیرے لیے بھی ہو۔''

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب الدعاء بظهر الغيب (۱۵۳٤)، صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الدعاء للمسلمين بظهر الغيب (۲۷۳۲-۲۷۳۳).

یعنی جو دعا تو نے اپنے بھائی کے لیے کی ہے اسی طرح کی دعا تیرے حق میں بھی قبول ہو۔

مخلوق سے سوال

رہا مخلوق سے یہ سوال کہ وہ حاجت پوری کرے یا اس کے لیے دعا کرے تو اس کا حکم نہیں دیا گیا۔ البتہ مخلوق سے طلبِ علم کے لیے سوال کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَسْئَلُوٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (الانبياء: ٧)

''پس اگر تمہیں علم نہیں ہے تو اہلِ ذکر سے پوچھ لو۔''

﴿ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ﴾ (يونس: ٩٤)

''ہم نے تجھ پر جو کچھ اتارا ہے۔ اگر اس کے بارے میں تجھے کوئی شک ہو تو ان لوگوں سے پوچھ لے جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔''

﴿ وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۝ ﴾ (الزخرف: ٤٥)

''(اگر تجھے کوئی شک ہے تو) تجھ سے پہلے جن رسولوں کو ہم نے بھیجا ہے ان سے پوچھ لے: ''کیا ہم نے خدائے رحمٰن کے سوا کچھ دوسرے معبود بنائے۔ جن کی عبادت کی جائے۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ علم کی اشاعت کو فرض کیا گیا ہے۔ لہٰذا جس شخص سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے لیکن وہ اسے چھپائے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے منہ میں آگ کی لگام دے گا۔ [1]

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب العلم، باب کراهية منع العلم (٣٦٥٨)، سنن الترمذی العلم، باب ما جاء فی کتمان العلم (٢٦٤٩)، سنن ابن ماجه، المقدمة، باب من سئل عن علم فكتمه (٢٦١).

تعلیم و تدریس سے علم میں اضافہ ہوتا ہے، مال و دولت کی طرح اس میں کمی نہیں ہوتی۔ مال و دولت خرچ کرنے سے ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے علم کو چراغ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے کسی کو قرض دیا ہو یا کسی کے پاس امانت رکھی ہو یا کسی کاروبار میں شریک کی حیثیت رکھتا ہو تو وہ قرض اور امانت اور اپنے حصہ نفع کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح مالِ فَے وغنیمت کی نوعیت کے مشترکہ اموال میں سے اپنے حصہ کا سوال کر سکتا ہے جس طرح وہ وقف، میراث اور وصیت میں سے اپنے حق کو طلب کر سکتا ہے کیونکہ جس کے ذمہ کوئی حق ہے اس پر واجب ہے کہ وہ یہ حق مستحق آدمی کو ادا کر دے۔ اسی طرح عورت اپنے خاوند سے نان ونفقہ کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ کیونکہ اس کی ادائیگی خاوند پر واجب ہے۔ مسافر کسی بستی والوں سے کھانا مانگ سکتا ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام نے گاؤں والوں سے کھانا کھلانے کی درخواست کی تھی۔ قرض خواہ اپنے مقروض سے ادائیگی قرضہ کا سوال کر سکتا ہے۔ اسی طرح معاہدہ کا ایک فریق دوسرے فریق سے اپنا حق مانگ سکتا ہے۔ چنانچہ فروخت کرنے والا اپنی چیز کی قیمت کا مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہے اور خریدنے والا اس قیمت کے عوض مال کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِی تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْاَرْحَامَ ﴾ (النساء: ۱)

''اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو۔''

بعض سوال ممنوع ہیں۔ لیکن جس سے یہ سوال کیے گئے ہیں وہ ان سوالات کے پورا کرنے کا پابند ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ ﴾ (الضحیٰ: ۱۰)

''اور سائل کو نہ جھڑک۔''

﴿ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ ﴾

(المعارج: ۲۴: ۲۵)

''اور ان لوگوں کے اموال میں سائل اور محروم کا ایک متعین حق ہے۔''

﴿ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ﴾ (الحج: ۳۶)

''پس اس سے خود کھاؤ اور فقیر اور قانع اور سائل کو بھی کھلاؤ۔''

اسی سلسلہ کی ایک حدیث ہے:

((اِنَّ اَحَدَكُمْ يَسْأَلُنِي الْمَسْأَلَةَ فَيَخْرُجُ بِهَا يَتَأَبَّطُهَا نَارًا.))[1]

''تم میں سے اگر کوئی مجھ سے سوال کرتا ہے۔ تو وہ اسے لے کر ایسے نکلتا ہے گویا کہ بغل میں آگ دبائے ہو۔''

ممنوع سوالات

کچھ سوال ایسے ہیں جن سے منع کیا گیا۔ اور وہ حرام اور مکروہ ہیں خواہ ان کو پورا کرنا ضروری ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ اپنے کمال اخلاق کی بنا پر سائل کو عطاء و بخشش کے بغیر کبھی نہیں لوٹاتے تھے۔ سائل کے سوال کو پورا کرنا آپ کے فضائل و مناقب کے پیش نظر آپ پر ایک ایسا حق تھا، جسے ادا کرنا واجب اور مستحب تھا۔ اگرچہ سائل کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے۔

اکابر صحابہ کا سوال سے اجتناب

لہٰذا سب اہلِ علم پر یہ واجب ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور دیگر اکابر

[1] ۵۰ مسند احمد ۳/۴،۱۶مسند البزار (۹۲۵)،صحیح الترغیب والترهیب للالبانی (۸۱۵).

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے آپ سے کبھی کوئی سوال نہیں کیا ہے۔ انہوں نے آپ ﷺ سے کبھی دعا کی درخواست بھی نہیں کی۔ اگر صحابہ کرام نے آپ سے دعا کے لیے عرض بھی کیا تو تمام مسلمانوں کے لیے دعا کی درخواست کی۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک جنگ کے موقع پر جب لوگوں نے اپنے بعض جانور قربان کرنے کے لیے اجازت چاہی تو یہ مشورہ دیا۔

''یارسول اللہ ﷺ! اگر جانور ذبح کر لیے تو پھر ہم پر کیا گزرے گی، جب ہم صبح پاپیادہ بھوکے پیٹوں دشمن سے مقابلہ کریں گے بلکہ میری رائے یہ ہے کہ آپ لوگوں کو بلائیں کہ وہ اپنے بچے کھچے زادراہ لے کر آ جائیں۔ پھر آپ ان کو جمع کریں اور اللہ تعالیٰ سے اس میں برکت ڈالنے کی دعا کریں اللہ آپ کی دعا کے صدقہ ہمارے لیے اس میں برکت ڈال دے گا۔ ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

((فَإِنَّ اللّٰهَ سَيَغِيثُنَا بِدُعَائِكَ.)) [1]

''اللہ تعالیٰ آپکی دعا سے ہماری مدد فرمائے گا۔''

بلاشبہ بعض عام مسلمان بھی اپنے حق میں دعا کی درخواست فرماتے تھے۔ مثلاً ایک نابینا صحابی نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ میری بصارت لوٹا دے۔ [2]

ام سلیم رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے ان کے خادم انس رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کرنے کو کہا۔ [3]

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ سے

---

[1] مسند احمد ٤١٧/٣ـ٤١٨، کتاب الزهد لابن المبارك (٩١٧) السنن الکبری للنسائی (٨٧٠٣)، عن ابی عمرة الانصاری رضی الله عنه.

صحیح البخاری، کتاب الشرکة (٢٤٨٤) عن سلمة رضی الله عنه صحیح مسلم کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من مات علی التوحید دخل الجنة قطعاً (٢٧) عن ابی هریرة رضی الله عنه.

[2] اسکی تخریج آگے (۲۱۰) پر آ رہی ہے۔ ان شاء اللہ

[3] صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء بکثرة الولد مع البرکة (٦٣٨٠، ٦٣٨١).

صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل انس بن مالك رضی الله عنه (٢٤٨٠).

دعا کریں کہ وہ انہیں اور ان کی والدہ کو لوگوں کی نظروں میں محبوب بنا دے۔ ❶

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی دعا

جہاں تک حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کا مقام و مرتبہ اس آیتِ کریمہ میں بیان فرمایا ہے۔

﴿ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ٥ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ٥ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰىٓ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ٥ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ٥ ﴾

(اللیل : ۱۷ : ۲۱)

"(اس آگ سے) وہ شخص دور رکھا جائے گا جو پرہیزگار ہوگا، جو پاکی (تزکیہ) حاصل کرنے کے لیے اپنا سب کچھ دے دیتا ہے۔ کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں کہ جس کا بدلہ دیا جا رہا ہو بلکہ صرف اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی خوشنودی مطلوب ہوتی ہے۔ یقیناً وہ بھی (اللہ) عنقریب اس سے راضی ہو جائے گا۔"

صحاح ستہ میں بھی آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((اِنَّ اَمَنَّ النَّاسَ عَلَيْنَا فِيْ صُحْبَتِهٖ وَذَاتِ يَدِهٖ اَبُوْبَكْرٍ رضی اللہ عنہ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ خَلِيْلًا لَّاتَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ رضی اللہ عنہ خَلِيْلًا.)) ❷

"دوستی اور مال کے لحاظ سے ہم پر سب سے زیادہ احسان کرنے والا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے۔ اگر اہلِ زمین میں سے میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیل بناتا۔"

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر جان و مال کی قربانی دینے

❶ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب من فضائل ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ (۳٤۹۱)

❷ صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب الخوفۃ والممر فی المسجد (٤٦٦). صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ : ۲۳۸۲

والا کوئی نہیں ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جان و مال کی قربانی صرف اللہ تعالیٰ کی رضاء وخوشنودی حاصل کرنے کے لیے دیتے تھے۔ کسی مخلوق سے کسی جزاء وانعام کی امید نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ٥ الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ٥ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى ٥ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ٥ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ٥ ﴾ (والليل : ١٧ : ٢١)

''(اس آگ سے) وہ شخص دور رکھا جائے گا جو پرہیز گار ہوگا، جو پاکی (تزکیہ) حاصل کرنے کے لیے اپنا سب کچھ دے دیتا ہے۔ کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں کہ جس کا بدلہ دیا جارہا ہو بلکہ صرف اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی خوشنودی مطلوب ہوتی ہے۔ یقیناً وہ بھی (اللہ) عنقریب اس سے راضی ہو جائے گا۔''

پس حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر کسی کا کوئی احسان نہیں تھا جس کا بدلہ چکانے کے لیے وہ رفاقت اور جود وسخا سے کام لے رہے ہوں۔ وہ اپنی تجارت اور دولت وثروت کی وجہ سے ہر آدمی سے بے نیاز تھے۔ البتہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان پر بے شمار احسانات تھے کیونکہ آپ نے ان کو ایمان کی دولت عطاء کی تھی اور علم کے زیور سے آراستہ کیا تھا۔ یہ ایسی بے بدل نعمت ہے جس کا بدلہ چکایا نہیں جا سکتا۔ اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس اجر کے مستحق تھے وہ اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو درج ذیل آیت میں واضح فرما دیا ہے۔

﴿ وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ٥ ﴾

(الزمر : ٨٦)

''اور میں اس ''تبلیغ دین'' کے لیے تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا میرا اجر تو

صرف تمام جہانوں کے پروردگار کے ذمہ ہے۔''

اس کے برعکس حضرت علی اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کے احسانات اس نوعیت کے تھے کہ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا ہی میں چکا دیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ ایک غلام تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ ﴾ (الروم: ۳۷)

''اور وہ وقت یاد کر جب تو جس پر اللہ نے انعام کیا اور جس پر تو نے بھی انعام کیا کو کہہ رہا تھا، اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھ۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر کفالت تھے۔ جب قحط اور خشک سالی کے بادل اہلِ مکہ پر چھائے ہوئے تھے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوطالب کے معاشی بوجھ میں ہاتھ بٹانے کا ارادہ کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو اپنے اہل وعیال میں شامل کر لیا۔ اس موضوع پر کسی دوسری جگہ تفصیلی کلام کیا جائے گا۔ [1]

یہاں ان واقعات کا تذکرہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سب سے بڑھ کر افضل البشر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جان و مال کے لحاظ سے عمدہ برتاؤ کیا تھا۔ کیونکہ آپ اللہ کی راہ میں بڑھ چڑھ کر مال خرچ کیا کرتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے لیے کسی کے محتاج نہ تھے نہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اور نہ کسی دوسرے کے بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: ''میرے پاس دو اونٹنیاں ہیں، ان میں سے ایک آپ لے لیں۔'' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ''میں یہ سواری قیمتاً لوں گا۔'' [2]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة رضی اللہ عنہم، باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ (۲۳۸۲).

[2] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابه الی المدینة (۳۹۰۵).

لٰہذا وہ افضل ترین نبی ﷺ کے بہترین دوست تھے۔ یہ ان کا کمالِ ایمان تھا کہ جو عمل بھی کرتے رضائے الٰہی کے حصول کے لیے کرتے تھے۔ مخلوق میں سے کسی کے اجر کے خواہشمند نہ تھے خواہ وہ ملائکہ ہوں یا انبیاء کرام علیہم السلام۔

دعا بھی جزا ہے۔

جو شخص کسی سے دعا کا طالب ہوتا ہے وہ گویا اپنے کسی عمل کی جزا کا طالب ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کی تعریف کی ہے ان کا تذکرہ کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

﴿ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ﴾

(الدھر : ۹)

"ہم تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کھلاتے ہیں۔ تم سے کسی معاوضہ اور شکر گزاری کی خواہش نہیں رکھتے۔"

لٰہذا دعا بھی جزا اور معاوضہ کی ایک شکل ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے:

((مَنْ اَسْدٰى اِلَيْكُمْ مَّعْرُوْفًا فَكَافِئُوْهُ، وَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا مَا تُكَافِئُوْنَهُ بِهٖ فَادْعُوْا لَهٗ حَتّٰى تَعْلَمُوْا اَنْ قَدْ كَا فَاْتُمُوْهُ.))[1]

"تمہارے ساتھ جو شخص نیکی کرتا ہے، اس کو اس کا بدلہ دو اگر اس کا بدلہ چکانے کے لیے تمہیں کوئی چیز میسر نہ آئے تو اس کے لیے دعا ہی کر دو۔ یہاں تک کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ تم نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب کبھی کسی قوم کی طرف کوئی صدقہ بھیجتی تھیں تو ایلچی سے فرماتی تھیں "ہمارے حق میں اس صدقہ کی وجہ سے وہ جو دعا مانگیں اس کو سننا تا کہ ہم بھی ان کے لیے ویسی دعا کریں جیسی دعا وہ ہمارے لیے کرتے ہیں اور ہمارا اجر اللہ کے ہاں

---

[1] مسند احمد: ۲/ ۶۸، ۹۵، ۸۹، ۹۹، ۱۲۷، سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ، باب عطیة من سئال باللہ (۱۶۷۲، ۵۱۰۹)، سنن النسائی، کتاب الزکاۃ، باب من سال باللہ عزوجل (۲۵۶۸) ۵/ ۸۲.

باقی رہے۔“[1]

سلف صالحین میں سے بعض کہتے ہیں جب کوئی سائل تم سے یہ کہے:

((بَارَكَ اللّٰهُ فِيكَ.))

”یعنی اللہ تجھے برکت دے۔“

تو تجھے جواب میں کہنا چاہیے

((وَفِيكَ بَارَكَ اللّٰهُ))

”یعنی اللہ تجھے بھی برکت دے۔“

جو شخص بھی مخلوق میں سے کسی کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرے، خواہ وہ نبی ہو یا کوئی نیک بزرگ ہو، بادشاہ ہو یا دولت مند، اس کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ نیکی خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے کرے۔ اور اس کی رضا کے حصول کے لیے کرے۔ مخلوق سے نہ کسی معاوضہ کی امید رکھے اور نہ دعاء وغیرہ ہی اس سے طلب کرے اس طرح کی خواہش نہ کسی نبی سے طلب کرنا درست ہے۔ نہ کسی نیک بزرگ سے نہ ملائکہ سے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں کو یہی حکم دیا ہے کہ وہ دین (عبادت) کو خالص اللہ کے لیے کر کے اس کی عبادت کریں۔

صرف دین اسلام ہی مقبول ہے!

یہی وہ دین اسلام ہے جسے دے کر اللہ نے تمام اگلے پچھلے رسولوں کو مبعوث کیا اس دین کے علاوہ کوئی دین قابلِ قبول نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ ﴾ (آل عمران : ۸۵)

”اور جو شخص دین اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرتا ہے تو وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور آخرت میں وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے

[1] لم اجده.

ہوگا۔"

حضرت نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور ان کے بعد کے تمام انبیاء علیہم السلام دینِ اسلام پر تھے۔ نوح علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴾ (یونس : ۷۲)

"اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں (فرمانبرداروں) میں سے بنوں۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

﴿ وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ إِبْرٰهِمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَوَصّٰى بِهَا إِبْرٰهِمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ ﴾

(البقرہ: ۱۳۰ : ۱۳۲)

"ابراہیم علیہ السلام کے مشرب سے کون منہ موڑے گا، بجز اس کے جو احمق ہوگیا ہو۔ ہم نے اس کو دنیا میں منتخب کر لیا ہے۔ اور آخرت میں وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا۔ وہ وقت یاد کرو جب اس کے پروردگار نے اس سے کہا کہ جھک جا تو اس نے کہا کہ میں نے تمام عالموں کے پروردگار کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اسی بات کی وصیت ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو کی کہ "اے بیٹو! اللہ نے تمہارے لیے ایک دین منتخب کر لیا ہے پس تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔"

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

﴿ يٰقَوْمِ إِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا إِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝ ﴾

(یونس : ۸۴)

''اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو، اگر تم (واقعی) سب مسلمان ہو۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ دعا مانگی:

﴿ تَوَفَّنِي مُسْلِماً وَّأَلْحِقْنِي بِالصّٰلِحِينَ ۝ ﴾ (یوسف: ۱۰۱)

''مجھے فرمانبرداری کی حالت میں مار اور نیکو کاروں کے ساتھ ملا۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے جادوگروں نے ایمان قبول کرنے کے بعد دعا فرمائی:

﴿ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۝ ﴾ (الاعراف: ۱۲۶)

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا ﴾ (المائدہ: ۴۴)

''بلا شبہ ہم نے تورات نازل کی ہے جس میں ہدایت و نور ہے۔ اس کے ساتھ انبیاء جو اللہ کی اطاعت کرتے تھے۔ یہودیوں کے لیے فیصلے فرماتے تھے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوا بِي وَبِرَسُوْلِي ط قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۝ ﴾ (المائدہ: ۱۱۱)

''جب میں نے حواریوں کی طرف وحی کی کہ مجھ پر ایمان لے آؤ اور میرے رسول پر۔ انہوں نے کہا: ہم ایمان لے آئے ہیں اور اس بات پر تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہیں۔''

دینِ اسلام کی بنیادیں

دینِ اسلام دو بنیادوں پر قائم ہے۔ اول یہ کہ ہم صرف خدائے واحد کی عبادت کریں جس کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے اور اس کی عبادت اس طریقہ پر کریں جو دین میں مشروع

ہے۔ نیز دین وہ ہے جس کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے خواہ وہ وجوب کے درجہ میں ہو یا استحباب کے درجہ میں۔ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اسی طریقہ پر کی جاتی رہی جس کا حکم اس زمانہ میں دیا گیا۔ چنانچہ تورایت کی شریعت نافذ العمل تھی تو اس پر عمل پیرا لوگ مسلمان کہلاتے تھے۔

اسی طرح آغازِ اسلام میں جب نبی اکرم ﷺ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے تو اس وقت اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اسلام تھا اور جب کعبہ شریف کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا تو اس کی طرف رخ منہ کر کے نماز پڑھنا عین اسلام قرار پایا۔ پھر کعبۃ اللہ سے منہ موڑ کر بیت المقدس کی طرف رخ کرنا اسلام سے خروج ٹھہرا۔ لہٰذا نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد جو شخص اس طریقہ سے اللہ کی عبادت نہیں کرتا جسے اللہ تعالیٰ نے واجب یا مستحب قرار دیا ہو تو وہ مسلم کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی ساری واجب اور مستحب عبادت خالصتاً اللہ کے لیے ادا کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ○ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ○ ﴾ (البینه: ٤ : ٥)

”جن لوگوں کو کتاب دی گی ہے وہ گروہ گروہ نہیں ہوئے مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح نشانی پہنچ گئی تھی۔ انہیں بجز اس کے کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ وہ یکسو ہو کر دین کو اللہ کے لیے خاص کر کے اس کی عبادت کریں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ یہی دین قیم ہے۔“

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ○ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ○ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ○ ﴾ (الزمر، ۱ : ۳)

''اس کتاب کا اتارنا غالب باحکمت اللہ کی طرف سے ہے۔ یقیناً ہم نے اس کتاب کو تیری طرف حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔ پس تو دین کو اس کے لیے خالص کر کے اس کی عبادت کر۔ خبردار! خالص عبادت اللہ ہی کے لیے ہے۔''

پس ایک مسلمان جو عبادت، واجب یا مستحب، بجا لاتا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان، بدنی اور مالی عبادات، اللہ اور اس کے رسول مقبول ﷺ سے محبت، بندگانِ خدا کے ساتھ حسنِ سلوک (احسان) اسے حکم دیا گیا ہے کہ وہ خالصتاً پروردگار عالم کے لیے بجا لائے اور مخلوق سے کسی ثواب و جزا کی طلب نہ رکھے نہ کسی سے دعا کا طالب ہو نہ کسی اور معاوضہ کی خواہش کرے۔ کسی مخلوق سے دعا یا کسی دوسرے معاوضہ کی خواہش رکھنا جائز نہیں ہے۔

مخلوق سے سوال کے مفاسد

جہاں تک مخلوق سے مندرجہ بالا سوال کے علاوہ کوئی دوسرا سوال کرنے کا تعلق ہے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ایسا کرنا شریعت میں نہ واجب ہے نہ مستحب۔ صرف بعض مخصوص مواقع پر ایسا کرنا جائز ہے، جب مسئول پر واجب ہوتا ہے کہ وہ کسی کے سوال کرنے سے پہلے ہی اس کی حاجت پوری کر دے۔ جب ایمان والوں کو کسی مخلوق سے سوال کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تو پھر رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس تو اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے کہ وہ مخلوق کے سامنے دست سوال دراز کرے وہ تو تمام مخلوقات سے زیادہ قدر و منزلت کے مالک اور سب سے زیادہ بے نیاز ہیں۔ مخلوق سے سوال کرنے میں تین خرابیاں پائی جاتی ہیں:

۱۔ اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے سامنے اپنی حاجت پیش کرنا۔ یہ شرک کی قسم ہے۔

۲۔ مسئول کو ایذا پہنچانا۔ یہ مخلوق پر ایک قسم کا ظلم ہے نیز اس میں اللہ کے سوا دوسروں کے سامنے ذلت وخواری کا اظہار بھی پایا جاتا ہے۔ یہ انسان کے اپنے نفس پر ظلم ہے۔ اس طرح دوسرا مفسدہ تین طرح کے مظالم پر مشتمل ہے۔ اللہ نے اپنے رسول مقبول ﷺ کو اس سے پاک رکھا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے لیے دعا

اگر امت کو رسول اللہ ﷺ کے لیے دعا کا حکم دیا گیا ہے تو یہ ایک ایسا حکم ہے جس کی تعمیل سے خود امت کو فائدہ پہنچتا ہے۔ مثلاً تمام ایمان والوں کو تمام احکامات کی بجا آوری کا حکم دیا گیا ہے خواہ وہ وجوب کا درجہ رکھتے ہوں یا استحباب کا۔ اگر آنحضرت ﷺ کو امت کی دعا سے فائدہ پہنچتا ہے تو یہ فائدہ ایسا ہی ہے جو آپ مسلمانوں کو عبادات اور اعمال صالحہ کا حکم دے کر حاصل کرتے ہیں صحیح بخاری میں درج ہے۔ کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ دَعَا اِلٰی ھُدیً کَانَ لَهُ مِنَ الْاَجرِ مِثْلَ اُجُورِ مَنِ اتَّبَعَهُ مِنْ غَیرِ اَنْ یُّنْقَصَ مِنْ اُجُورِھِمْ شَیْئًا.)) [1]

”جس شخص نے کسی کو ہدایت کی طرف بلایا تو اس کو ایسا ہی اجر ملے گا، جیسا کہ ان لوگوں کو جنہوں نے اس (ہدایت) کی پیروی کی اور ان کے اجر میں کسی قسم کی کمی نہیں کی جائے گی۔“

امت مسلمہ نیکی کے جو کام بھی کر رہی ہے، ان کی طرف حضرت محمد ﷺ لوگوں کو بلانے والے ہیں لہٰذا جو نیک اعمال وہ کر رہے ہیں۔ ان میں آپ ﷺ کے لیے بھی ویسا ہی اجر ہے جیسا کہ ان کے لیے اور ان کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ یہی وجہ

[1] صحیح مسلم، کتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سیئة ...... (٢٦٧٤). سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب من دعا الی السنة (٤٦٠٩).

ہے کہ سلفِ صالحین میں سے کسی نے بھی اپنے اعمال کا ثواب حضور ﷺ کو ہدیہ نہیں کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے ثواب بھیجنے کے بغیر ہی ان کا ثواب حضور ﷺ کو بھی پہنچ رہا ہے۔ اور ان کے ثواب میں بھی کمی نہیں ہوتی۔

البتہ والدین کا معاملہ مختلف ہے، اولاد جو نیک کام کرتی ہے ان کے والد کو ایسا اجر و ثواب نہیں ملتا جیسا کہ خود نیک اعمال کرنے والے کو ملتا ہے۔ والد کو صرف اولاد کی دعا ہی فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے:

((اِذَا مَاتَ ابْنُ اٰدَمَ اِنْقَطَعَ عَمَلُهُ اِلَّامِنْ ثَلَاثٍ: صَدَقَةٌ جَارِيَةٌ، وَعِلْمٌ يُنْتَفَعُ بِهِ، وَوَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُو لَهُ.)) [1]

''جب ابن آدم مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ مگر تین چیزیں باقی رہتی ہیں۔ صدقہ جاریہ، علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں، صالح اولاد، جو اس کے لیے دعا کرے۔''

نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو دعا کرنے کے لیے کہا ہے تو اس کی حیثیت ایک حکم اور ترغیب کی ہے۔ انہوں نے لوگوں سے دعا کے لیے سوال نہیں کیا تھا۔ آپ ﷺ نے ہمیں اپنے آپ پر درود و سلام بھیجنے کا جو حکم دیا ہے وہ اسی قبیل سے ہے۔ ایسا حکم تو خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دیا ہے:

﴿ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ ﴾ (الاحزاب: ۵۹)

''ان پر درود اور کثرت سے سلام بھیجا کرو۔''

آنحضرت ﷺ کے لیے دعائے وسیلہ

نبی اکرم ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کے متعلق احادیث بہت واضح اور مشہور ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الوصیة، باب ما یلحق الانسان من الثواب بعد وفاته (۲۶۳۱)، سنن الترمذی الاحکام، باب ما جاء فی الوقف (۱۳۷۶).

آپ ﷺ نے امت کو یہ حکم بھی دیا ہے کہ وہ آپ کے لیے "وسیلہ" فضیلہ اور مقامِ محمود کے لیے بھی دعا کرے۔ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جب آپ مؤذن کی آواز سنیں تو جو کچھ وہ کہتا ہے تم بھی اس کو دہراؤ۔ پھر مجھ پر درود پڑھو جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لیے "وسیلہ" کی دعا کرو۔ یہ جنت میں ایک مقام ہے۔ اللہ کے تمام بندوں میں سے صرف ایک بندہ ہی اس کے لائق ہے۔ میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہی ہوں گا۔ پس جس نے اللہ تعالیٰ سے میرے لیے وسیلہ کی دعا کی، قیامت کے دن اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔" [1]

صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ قَالَ حِينَ سَمِعَ النِّدَاءَ اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ، اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيعَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُودَ نِ الَّذِي وَعَدْتَّهُ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ، حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ.)) [2]

"جس شخص نے اذان سن کر یہ دعا پڑھی: "اے ہمارے رب! اس مکمل دعوت، کھڑی ہونے والی نماز کے رب، محمد ﷺ کو وسیلہ، فضیلہ اور بلند مرتبہ عطا

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه ...... (٣٨٤). سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب ما یقول اذا سمع الموذن (٥٢٣). سنن الترمذی، المناقب (٣٦١٤)، سنن النسائی: ٥/ ٢٥، ٢٦.

[2] صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب الدعاء عند الفدا (٦١٤)، سنن کبری بیهقی: ١/ ٤١٠.
جملہ "اِنَّكَ لا تخلف الميعاد" بخاری میں موجود نہیں۔ البتہ بیہقی نے اسے روایت کیا ہے اور صحیح نہیں ہے۔ دیکھیے: کتاب فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فرما اور ان کو مقام محمود پر بلند کر جس کا تو نے وعدہ کیا ہے۔ بیشک تو وعدہ خلافی کرنے والا نہیں۔'' تو قیامت کے دن اس پر میری شفاعت واجب ہوگئی۔''

پس حضور ﷺ نے مسلمانوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ آپ کے لیے اللہ تعالیٰ سے ''وسیلہ'' کی دعا کریں اور واضح کر دیا گیا ہے کہ جس نے آپ ﷺ کے لیے وسیلہ کی دعا کی قیامت کے دن اس کے لیے آپ کی شفاعت واجب ہوگئی۔ اس کی مثال بالکل اسی طرح ہے کہ جو شخص آپ پر درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل کرتا ہے پس دعا بھی ایک عمل ہے جو ایک آدمی دوسرے کے لیے سرانجام دیتا ہے۔

اسی ضمن میں احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ سے عمرہ کرنے کی اجازت چاہی تو آپ نے ان کو اجازت دے دی اور کہا:

((لَا تَنْسَنَا یَا اَخِیْ مِنْ دُعَائِكَ.)) [1]

اے بھائی اپنی دعا میں ہمیں نہ بھولنا۔

اس طرح نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کے لیے وسیلہ اور بلند مرتبہ کے لیے اللہ سے دعا کی جائے۔ آپ کی یہ خواہش ایسی ہی تھی جیسی خواہش آپ ﷺ اپنے دل میں تمام نیک کام کرنے کی رکھتے تھے۔ اس خواہش سے آپ کی غرض یہ ہوتی تھی کہ جس سے درود و سلام کے لیے کہا جائے وہ ان سے فائدہ اٹھائے نبی اکرم ﷺ جب امت کو نیکی کی تعلیم دیتے اور اس پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیتے تھے تو خود بھی اس دعوت الی الخیر سے فائدہ حاصل کرتے تھے۔ نیز جو کام امت کے لوگ کرتے تھے اور جو دعا وہ آپ

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب الدعاء (۱٤۹۸)، سنن الترمذی الدعوات (۳٥٦۲).
سنن ابن ماجه، کتاب المناسك، باب فضل دعاء الحج (۲۸۹٤)، مسند احمد: ۲۹/۱ اس کی سند میں ''عاصم بن عبیداللہ'' ضعیف راوی ہے۔

کے لیے کرتے تھے ان کے ثواب سے بھی آپ بہرہ ور ہوتے تھے۔ اسی سلسلہ میں درج ذیل روایت بہت اہم ہے۔

''کسی نے پوچھا: میں آپ پر کثرت سے درود بھیجتا ہوں تو میں اپنے درود میں سے کتنا آپ ﷺ کے لیے مختص کردوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس قدر تم چاہو'' سائل نے کہا ''کیا چوتھائی حصہ؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''جس قدر تم چاہو اگر اس میں اضافہ کر دو تو یہ تمہارے ہی لیے بہتر ہے۔'' سائل نے پھر پوچھا: ''کیا نصف حصہ؟'' آپ ﷺ نے پھر یہی جواب دیا کہ: ''جس قدر تم چاہو اور اگر اس میں اضافہ کرتے ہو تو یہ تمہارے لیے ہی بہتر ہے۔'' اس نے پوچھا: ''کیا دو تہائی؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: جس قدر تم چاہو۔ اگر اس میں اضافہ کرتے ہو تو یہ تمہارے لیے ہی بہتر ہے۔'' پھر سائل نے عرض کیا: ''کیا میں سارے درود کا ثواب آپ کو بخش دوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تب تیرا غم دور ہو جائے گا اور تیرے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے اسے اپنی مسند میں اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے اپنی جامع میں بیان کیا ہے۔ اس موضوع پر ہم اپنی کتاب ''جواب المسائل البغدادیہ'' میں مبسوط بحث کر چکے ہیں۔

یہ شخص آپ کے لیے دعا کیا کرتا تھا جب وہ دعا کی جگہ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت کے معاملات میں اس کا حزن وغم دور فرما دیا کیونکہ جب بھی اس نے نبی اکرم ﷺ پر ایک مرتبہ درود وسلام پڑھا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس شخص پر دس رحمتیں نازل فرمائیں۔ جب کسی مومن کے لیے کوئی دعا کرتا ہے تو ملائکہ کہتے ہیں ''آمین'' یعنی اے اللہ! قبول فرما۔ پھر نبی اکرم ﷺ کے لیے مانگی جانے والی دعا تو کہیں

---

[1] مسند احمد: ١٣٦/٥۔ سنن الترمذی، القيامة، باب في الترغيب في ذكر الله و ذكر الموت آخر الليل: ٢٤٥٧۔ اس کی سند میں عبداللہ بن محمد بن عقیل ضعیف راوی ہے۔

زیادہ مستحق ہے کہ اسے شرفِ قبولیت بخشا جائے۔

جب کوئی شخص دوسرے شخص کو کہتا ہے کہ میرے لیے دعا فرمایئے۔ یا ہمارے لیے دعا فرمایئے۔ اور یہ مقصد پیشِ نظر ہوتا ہے کہ جس شخص سے دعا کی درخواست کی جارہی ہے وہ اس سے فائدہ اٹھائے اور وخود بھی دعا کی ترغیب دینے کی بناء پر اجر و ثواب حاصل کرے۔ اور وہ شخص اس پر عمل کرے جیسا کہ نیکی کے کام تمام کرنے کا اسے حکم ہے تو وہ نبی اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہے۔ یہ ایسا سوال ہے جس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے برعکس اگر نیت یہ ہو کہ صرف اپنا اُلو سیدھا کیا جائے اور دعا کرنے والے کا کوئی فائدہ پیشِ نظر نہ ہو، نہ اس پر احسان کا ارادہ ہو تو ایسا شخص حضور ﷺ کی راہ پر گامزن نہیں ہوتا۔ یہ ایسا قابلِ مذمت سوال ہے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے رغبت و میلان کی وجہ سے ترک کر دینا اس سے کہیں بہتر ہے کہ مخلوق کی طرف رغبت کی جائے اور اس کے سامنے دستِ سوال دراز کیا جائے۔ البتہ زندہ لوگوں سے اس طرح کا سوال کرنا جائز اور درست نہیں۔

مردے سے سوال

جہاں تک مردے سے سوال کرنے کا تعلق ہے یہ شریعت میں جائز نہیں ہے۔ یہ واجب ہے نہ مستحب اور نہ مباح۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ میں سے کسی نے بھی اسے مستحب قرار نہیں دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں کوئی بھی مصلحت نہیں پائی جاتی۔ بلکہ اس میں سراسر فتنہ ہی سر چھپائے بیٹھا ہے۔ شریعت صرف انہی کاموں کا حکم دیتی ہے جن میں کوئی خاص اور واضح مصالح موجود ہوتے ہیں۔ لیکن مردے سے سوال کرنے میں کوئی قابلِ لحاظ مصلحت نہیں پائی جاتی۔ بلکہ اس میں یا تو خالص فساد ہے یا راجح مفسدہ اور یہ دونوں طرح کے مفاسد غیر مشروع ہیں۔

یہ واضح ہو چکا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا دوسروں سے دعا کا مطالبہ کرنا لوگوں پر احسان کرنے کے ضمن میں آتا ہے۔ کیونکہ یہ احسان یا واجب ہے یا مستحب۔ اسی طرح اگر آپ نے میت پر جنازہ پڑھنے، ایمان والوں کی قبروں کی زیارت کرنے، ان کو السلام علیکم کہنے اور ان کی مغفرت و بخشش کے لیے دعا کرنے کا حکم دیا ہے تو مردوں پر احسان کرنے کے لیے ہے جو کہ واجب ہے یا مستحب۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے۔ نماز تو حق سبحانہ وتعالیٰ کا دنیا و آخرت میں حق ہے۔ جب کہ زکوٰۃ بندوں کا حق ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پاسداری کا حکم دیا ہے۔ اس طرح کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس میں کسی کو شریک نہ کریں۔ لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک (احسان) بھی عبادت کے باب سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے۔ مثلاً مردوں پر نمازِ جنازہ پڑھنا اور اہل ایمان کی قبور کی زیارت کرنا۔ لیکن شیطان اپنے متبعین پر مسلط ہو گیا۔ اور ان کی اس نیکی کو شرک اور مخلوق کی ایذا رسانی میں بدل دیا۔ انہوں نے انبیاء وصلحاء کی قبور کی زیارت اس نیت سے کی کہ ان سے سوال کیا جائے یا ان کے قریب جا کر سوال کیا جائے۔ اور مقصد نمازِ جناہ کی طرح انکے لیے دعا کرنا اور ان پر سلام بھیجنا نہ تھا۔ تو وہ مشرک ہو گئے۔ چنانچہ جن بزرگوں سے وہ سوال کرتے تھے۔ ان کو وہ ایذا پہنچاتے اور ان پر ظلم کرتے تھے۔ بلکہ وہ خود اپنے نفس پر بھی ظلم کرتے تھے۔ اس طرح انہوں نے تین طرح کے ظلم کو اکٹھا کر لیا۔

مشروع وغیر مشروع

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ نے توحید، عدل، احسان، اخلاص اور بندوں کے لیے دنیا اور آخرت کی بہتری کا حکم دیا ہے۔ انہوں نے بدعی عبادات، مثلاً

شرک، ظلم اور بندوں کے لیے دنیا اور آخرت کی برائی اور فساد کا حکم نہیں دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو اپنی عبادت اور بندوں کے ساتھ حسنِ سلوک (احسان) کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

﴿ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى ط ﴾ (النساء: ٣٦)

''اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرو۔''

مکارِمِ اخلاق

یہ حکم باری تعالیٰ مکارِمِ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مکارِمِ اخلاق کو پسند کرتا ہے۔ اور رزائلِ اخلاق کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ حاکم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ .)) [1]

''میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ مکارمِ اخلاق کی تکمیل کروں۔''

بخاری شریف میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى .)) [2]

''اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔''

''ید علیا'' اور ''ید سفلیٰ'' کی تشریح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ''یدعلیا''

---

[1] السنن الکبری للبیهقی: ۱۹۲/۱۰، واللفظ له سلسلة الاحادیث الصحیحة للالبانی (٤٥). مسند احمد: ۳۸۱/۲، طبقات ابن سعد: ۱۹۲/۱، شعب الایمان للبیهقی (۷۹۷۸) بلفظ ''صالح الاخلاق''.

[2] صحیح بخاری، کتاب الزکاة، باب لا صدقة الا عن ظهر غنی (۱٤۲۹)، صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب بیان ان الید العلیا خیر من الید السفلی (۱۰۳۳).

عطاء وسخا کرنے والا ہاتھ ہے۔ اور ''ید سفلیٰ'' مانگنے والا ہاتھ ہے۔ صحیح بخاری میں آپ کا قول ثابت ہے۔ اندازہ کیجئے کہ ایک طرف اللہ کے بندوں کے ساتھ احسان کا برتاؤ ہے اور دوسری طرف سوال کے ذریعہ مخلوق کے ساتھ ایذا رسانی اور مانگنے میں اصرار والحاح۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کی طرف رجوع ورغبت، اس سے امید ورجا، اس پر توکل اور اسے کے ساتھ عشق ومحبت کا درس ہے اور دوسری طرف مخلوق کی طرف رغبت اس سے امید، اس پر توکل اور ایسی محبت کا اظہار، جو صرف اللہ کے لیے سزاوار ہے، کی بنا پر شرک کا ارتکاب۔ کہاں اللہ کی بندگی، اس کے سامنے عجز وانکساری اور اس کے حضور نیاز مندی کی بناء پر بندوں کی بہتری اور کہاں مخلوق کی عبادت اور اس کے سامنے عجز وذلت اور احسان مندی کی بناء پر ہلاکت وبربادی۔۔

رسول اللہ ﷺ نے ان تین اخلاقِ فاضلہ کی تعلیم دی ہے جو دنیا وآخرت میں انسان کی بہتری اور فلاح کے ضامن ہیں۔ نیز آپ نے تین ایسی برائیوں سے انسان کو روکا ہے۔ جن میں اس کی دنیا وآخرت کی تباہی وبربادی پوشیدہ ہے۔ لیکن شیطان نے انسان کو نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کے بالکل برعکس حکم دیا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾ (یٰسٓ: ۶۰ : ۶۲)

''اے بنی آدم! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ میری عبادت کرنا۔ یہی سیدھا راستہ ہے وہ تم میں سے کثیر تعداد کو گمراہ کر چکا تھا، کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے تھے؟''

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ ﴾ (الحجر: ۴۲)

''بے شک میرے سچے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں مگر ان گمراہ لوگوں پر جو تیری پیروی کریں۔''

﴿ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ○ ﴾ (النحل: ۹۸: ۱۰۰)

''پس جب تو قرآن پڑھے تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ، بے شک اس کا کوئی زور ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان لاتے ہیں اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ اس کا زور تو صرف انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اسے دوست رکھتے ہیں اور اس کی وجہ سے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔''

﴿ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ○ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○ ﴾

(الزخرف: ۳۶: ۳۷)

''اور جو شخص رحمٰن کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں کہ وہی اس کا ساتھی رہتا ہے یہ ان کو سیدھی راہ سے روکتے ہیں اور وہ اس گمان میں رہتے ہیں کہ وہ راہ یافتہ ہیں۔''

مذکورہ بالا آیت میں ''ذکرِ رحمان'' سے مراد وہی ذکر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کیا ہے اور جس کے بارے میں فرمایا:

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ ﴾ (الحجر: ۹)

''ہم ہی نے ''الذکر'' نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ○

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ٥ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَ قَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ٥ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَ كَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ٥ ﴾ (طٰہٰ: ۱۲۳: ۱۲۶)

''اور جب میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آ جائے تو جس نے میری ہدایت کی اتباع کی تو وہ نہ گمراہ ہوگا نہ تکلیف میں پڑے گا اور جس نے میری یاد سے منہ موڑا تو اس کی زندگی تنگی میں رہے گی اور ہم قیامت کے دن اس کو اندھا اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا۔ ''میرے رب، تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا ہے؟ میں تو دیکھتا بھالتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کہے گا ''اسی طرح ہونا چاہیے تھا۔ میری آیات تیرے پاس آئیں لیکن تو نے انہیں بھلا دیا۔ اسی طرح آج کے دن تو بھی بھلا دیا گیا ہے۔''

﴿ الٓمّٓصٓ ٥ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ٥ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ٥ ﴾ (اعراف: ۱ تا ۳)

''الٓمّٓصٓ. یہ ایک کتاب ہے جو تیری طرف اسی لیے بھیجی گئی ہے کہ تو اس کے ذریعہ سے (لوگوں کو) ڈرائے پس تیرے دل میں اس کے متعلق کوئی تنگی نہیں ہونی چاہیے۔ ایمان والوں کے لیے نصیحت ہے۔ تمہارے رب کی طرف سے جو کتاب نازل ہوئی ہے اس کی پیروی کرو۔ اس اللہ کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کی اتباع نہ کرو۔ تم لوگ بہت ہی کم نصیحت مانتے ہو۔''

﴿ الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ٥ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ٥ ﴾ (ابراهيم: ۱، ۲)

''یہ (عالیشان) کتاب ہم نے تیری طرف اتاری ہے تا کہ تو لوگوں کو اندھیروں

سے اجالے کی طرف لائے ،ان کے رب کے حکم کے ساتھ ،ایسے راستہ کی طرف جو خدائے غالب وحمید کا ہے۔ اللہ وہ ہے جس کی ملک میں آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں ہیں۔ کافروں کے لیے سخت عذاب کی خرابی ہے۔''

﴿ وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلٰكِن جَعَلْنٰهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِيٓ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ أَلَآ إِلَى اللّٰهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ ۝ ﴾ (الشوریٰ: ۵۲، ۵۳)

''اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے حکم سے روح کو اتارا ہے، (اس سے پہلے) تو نہیں جانتا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے، لیکن ہم نے اس کو نور بنایا جس کے ذریعہ ہم جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔ اور تو صرف صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کر رہا ہے۔ اس اللہ کی راہ جو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب کا مالک ہے خبردار سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔''

صراطِ مستقیم سے مراد

صراطِ مستقیم وہ ہے جس کی تعلیم دے کر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ ہمیں وہی کام کرنے چاہئیں جن کا آپ ﷺ نے حکم دیا ہے۔ آپ نے جن چیزوں سے ہمیں روکا ہے ان کو ترک کر دینا چاہیے اور جن باتوں کی آپ ﷺ نے خبر دی ہے، ان کی تصدیق کرنا چاہیے۔ اللہ تک رسائی حاصل کرنے کا بس یہی ایک طریقہ ہے۔ اللہ سے ڈرنے والے تمام اولیاء اللہ، کامرانی سے ہمکنار ہونے والی اللہ کی جماعت اور اللہ کے فاتح و غالب سپاہی اسی راہ پر گامزن رہے ہیں۔ اس راستہ کے خلاف جو راستہ بھی اختیار کیا جائے گا وہ سرکش اور گمراہ لوگوں کا راستہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو کجی اور گمراہی دونوں بیماریوں سے پاک ومنزہ رکھا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ ﴾ (النجم: ۱،٤)

"قسم ہے ستارے کی جب کہ وہ جھکے! تمہارے ساتھی نے نہ راہ گم کی اور نہ وہ ٹیڑھی راہ پر ہے اور نہ اپنی نفسانی خواہش سے کوئی بات کہتا ہے وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے ہمیں نماز میں یہ دعائیہ کلمات کہنے کا حکم دیا ہے:

﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ ﴾ (فاتحه)

"(اے اللہ!) ہمیں سیدھی راہ دکھا۔ ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا نہ کہ ان کی جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ ان کی جو گمراہ ہوئے۔"

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن لوگوں پر اللہ کا غضب نازل ہوا وہ یہودی ہیں اور جو لوگ راہ راست سے بھٹک گئے وہ نصرانی ہیں امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ [1]

حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ علمائے سلف کہتے ہیں کہ ہمارے علمائے دین میں سے جو لوگ بگڑ گئے ہیں وہ یہودیوں کی مانند ہیں۔ اور عبادت گزاروں میں سے جو لوگ بگاڑ کا شکار ہوئے وہ نصرانیوں کی مانند ہیں۔ تقریباً تمام علمائے سلف کا قول ہے کہ:

"ایک بدکردار عالم اور جاہل عابد سے بچو، کیونکہ ان دونوں کا فتنہ ایک ایسا فتنہ ہے جو ہر کمزور کے لیے نقصان دہ ہے۔" [2]

پس جس شخص نے حق کو پہچان لیا لیکن اس کے مطابق عمل نہ کیا تو وہ یہودیوں سے

---

[1] سنن الترمذي، التفسير، باب ومن سورة فاتحة الكتاب (٢٩٥٤)، مسند احمد: ٤/٣٧٨، ابن حبان (٦٢٤٦)، طبراني كبير: ١٧/ (٢٣٧).

[2] جامع بيان العلم لابن عبد البر ١/ ٣٤٥، حلية الاولياء: ٧/ ٣٦.

مشابہت رکھتا ہے جن کے بارے میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾ (البقرہ: ٤٤)

''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو جب کہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو۔ پھر کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔''

جو شخص علم کے بغیر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے لیکن عبادت میں غلو سے کام لیتا ہے اور شرک کی آمیزش کرتا ہے وہ نصاریٰ کے مشابہ ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝ ﴾ (المائدہ: ٧٧)

''کہہ دیجیے، اے اہل کتاب! اپنے دین کے معاملہ میں ناحق مبالغہ نہ کرو۔ اور ایسے لوگوں کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلو جو (خود بھی) پہلے گمراہ ہوئے اور دوسرے اکثر لوگوں کو بھی گمراہ کر گئے اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔''

پس پہلا گروہ اصحابِ غیّ کا ہے اور دوسرا اصحابِ ضلالت کا۔ غیّ سے مراد نفسانی خواہشات کی پیروی ہے اور ضلال کے معنی عدم ہدایت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ ﴾ (الاعراف: ١٧٥: ١٧٦)

”اور ان کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنا دو جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں تو اُس نے ان کو اتار دیا پھر شیطان اس کے پیچھے لگا تو وہ گمراہوں میں ہو گیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں سے اس (کے درجے) کو بلند کر دیتے لیکن وہ تو پستی کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا۔ اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ اگر سختی کرو تو زبان نکالے رہے اور یوں ہی چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے۔ یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ تو (ان سے) یہ قصہ بیان کر دو تا کہ وہ فکر کریں۔“

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ اِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا وَ اِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا وَ اِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝ ﴾ (الاعراف : ١٤٦)

”جو لوگ ناحق زمین میں غرور کرتے ہیں ان کو اپنی آیتوں سے پھیر دوں گا۔ اگر یہ سب نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں اور اگر راستی کا راستہ دیکھیں تو اسے اختیار نہ کریں اور اگر گمراہی کی راہ دیکھیں تو اسے پکڑ لیں یہ اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے غفلت کرتے رہے۔“

جس شخص کے اندر ضلال اور غی دونوں جمع ہو جائیں وہ یہود و نصاریٰ دونوں گروہوں سے مشابہت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ وہ ہمیں اور تمام اہل اسلام بھائیوں کو ان انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی راہ دکھائے جن پر اس نے انعام فرمایا ہے۔

دوسرا باب

لفظِ وسیلہ اور توسل میں اشتباہ

گزشتہ مبحث کو سمجھ لیا جائے تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ لفظ ''وسیلہ'' اور ''توسل'' میں بہت اجمال اور اشتباہ پایا جاتا ہے جو اس بات کا متقاضی ہے کہ ان الفاظ کے صحیح صحیح معنی کو سمجھ لیا جائے اور ہر معنی کا ٹھیک ٹھیک حق ادا کر دیا جائے۔ کتاب و سنت میں یہ الفاظ کن معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے کلام میں یہ کن معنوں میں بولے جاتے ہیں؟ محدثین نے ان کے کیا معنی لیے ہیں؟ ان سب باتوں کا جاننا از بس ضروری ہے۔ اس ضمن میں لوگوں کو زیادہ تر پریشانی اس لیے لاحق ہوتی ہے کہ ان الفاظ میں اجمال و اشتراک واقع ہوا ہے۔ یہاں تک کہ ان کی ایک کثیر تعداد ان میں خط امتیاز کھینچنے سے قاصر ہے۔

لفظ وسیلہ قرآن میں

لفظِ وسیلہ کا ذکر قرآن میں اس طرح ہوا ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ط ﴾

(المائدہ: ۳۵)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تلاش کرتے رہو۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ

عَنكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ۝ ﴾ (بنی اسرائیل: ٥٦، ٥٧)

''کہو (کہ اے مشرکو!) جن لوگوں کی نسبت تمہیں (معبود ہونے کا) گمان ہے، ان کو بلا دیکھو، وہ تم سے تکلیف کے دور کرنے یا اس کے بدل دینے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے یہ لوگ جن کو (اللہ کے سوا) پکارتے ہیں وہ خود اپنے پروردگار کے ہاں ذریعہ (تقرب) تلاش کرتے رہتے ہیں کہ کون ان میں (اللہ کا) زیادہ مقرب (ہوتا) ہے اور اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بے شک تمہارے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔''

پس وسیلہ جس کو تلاش کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور جسے ملائکہ اور انبیاء کرام علیہم السلام بھی تلاش کرتے ہیں وہ واجب یا مستحب عبادت اور عمل ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو اسی وسیلہ کو تلاش کرنے کا حکم دیا۔ اور یہ تمام واجب اور مستحب کاموں پر محیط ہے، جو عمل نہ واجب ہے نہ مستحب، وہ اس وسیلہ میں شامل نہیں ہے۔ ایسا عمل یا تو حرام ہے یا مکروہ یا زیادہ سے زیادہ مباح ہوسکتا ہے۔ واجب اور مستحب وہ عمل ہے جس کو نبی اکرم ﷺ نے مقرر فرمایا ہے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ ﷺ کا حکم یا تو واجب کا درجہ رکھتا ہے یا مستحب کا۔ وسیلہ کی اصل بنیاد اور روح ان تعلیماتِ الٰہی پر ایمان ہے جس کو لے کر نبی اکرم ﷺ اس دنیا میں مبعوث ہوئے ہیں۔ لہٰذا جس وسیلہ کی جستجو کا حکم اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دیا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی پیروی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تقرب حاصل کرنا ہے۔ کسی کے لیے اس راہ سے روگردانی کر کے اللہ تعالیٰ کے ہاں رسائی حاصل کرنے کا کوئی دوسرا طریقہ موجود نہیں ہے۔

لفظِ وسیلہ احادیث نبوی ﷺ میں

لفظِ وسیلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اور مستند احادیث میں بھی وارد ہوا ہے۔ مثلاً آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ فَإِنَّهَا دَرَجَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَأَرْجُوا أَنْ أَكُونَ أَنَا ذٰلِكَ الْعَبْدُ فَمَنْ سَأَلَ اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ.)) ❶

''میرے لیے اللہ سے وسیلہ مانگو کیونکہ وہ جنت میں ایک مقام ہے اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ ہی اس کے لائق ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ میں ہوں۔ پس جس نے میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ مانگا قیامت کے دن میری شفاعت اس کے لیے واجب ہوگی۔''

اسی طرح آپ ﷺ کا قول ہے:

((مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِي وَعَدْتَّهُ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ، حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ.)) ❷

یہ وسیلہ نبی اکرم ﷺ کے لیے مخصوص ہے۔ آپ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم آپ کے لیے اللہ سے وسیلہ مانگیں۔ نیز آپ ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ کا صرف ایک ہی بندہ اس کا مستحق اور سزاوار ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں گا۔ رسول اللہ ﷺ کے لیے اسی وسیلہ کی دعا کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ اور یہ خوش خبری دی گئی ہے کہ جو شخص آپ کے لیے اللہ سے یہ وسیلہ مانگتا ہے اس کے لیے قیامت کے دن شفاعت آپ پر واجب ہو جاتی ہے کیونکہ جزا بھی ایک قسم کا عمل ہے۔ پس جو لوگ حضور اکرم ﷺ کے لیے

❶ تقدم تخريجه تحت رقم (٥٩). ❷ انظر رقم (٦٠).

دعا کرتے ہیں وہ اس بات کے مستحق قرار پاتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ بھی ان کے لیے دعا کریں اور شفاعت ایک طرح کی دعا ہی ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا.)) [1]

''جو حضور ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ اس کے عوض اس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے۔''

توسل بالنبی ﷺ کا مفہوم

جہاں تک نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ ٹھہرانے اور آپ کی طرف توجہ کرنے کا تعلق ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے وہ آپ کی دعا اور شفاعت مراد لیتے تھے۔ البتہ متاخرین کی ایک کثیر تعداد اس سے یہ مراد لیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ کی قسم دلائی جائے یا آپ کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگا جائے جیسا کہ وہ انبیاء صلحاء کرام کی قسمیں اللہ تعالیٰ کو دلاتے ہیں۔

توسل کا صحیح مفہوم

لفظِ توسل کے دو معنی تو تمام اہلِ علم کے نزدیک صحیح ہیں۔ اس سے ایک تیسرا مفہوم لیا جاتا ہے، جو سنتِ رسول ﷺ میں کہیں وارد نہیں ہوا۔ وہ دو مفہوم جن کی صحت پر تمام علماء متفق ہیں۔ ان میں سے ایک تو اصلِ ایمان واسلام ہے۔ اس سے مراد نبی اکرم ﷺ کی رسالت پر ایمان اور آپ کے احکامات کی اطاعت کے ذریعہ وسیلہ ڈھونڈھنا ہے۔ دوسرا مفہوم آپ ﷺ کی دعا اور شفاعت ہے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ یہ دونوں طرح کے ''وسیلے'' اجماعِ امت کے مطابق درست اور جائز ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مندرجہ ذیل دعا اسی بات پر دلالت کرتی ہے:

---

[1] مسند احمد: ۳۷۲/۲، صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی النبی ﷺ بعد التشهد (۴۰۸).

((اَللّٰهُمَّ اِنَّا اِذَا اَجُدَ بُنَا تَوَسَّلْنَا اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا.))[1]

''اے اللہ! ہم جب کبھی خشک سالی کا شکار ہوتے تو ہم تیرے حضور اپنے نبی کو وسیلہ بناتے اور تو بارش نازل فرما دیتا تھا اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں پس ہم پر بارش نازل فرما۔''

اس سے پتہ چلا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور کی دعا اور شفاعت کو وسیلہ بناتے تھے۔ رہا اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ

﴿ وَابْتَغُوا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ط ﴾ (المائدہ: ۳۵)

''اللہ کے پاس تقرب کا ذریعہ تلاش کرو۔''

تو اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کے ذریعہ اس کا تقرب حاصل کرو۔

اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ط ﴾ (النساء: ۸۰)

''جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی۔''

لہٰذا پہلی قسم کا وسیلہ تو دین کی اصل اور بنیاد ہے اور کسی مسلمان کو اس کی صحت اور جواز سے انکار نہیں ہے۔ لیکن جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور شفاعت کو وسیلہ بنانے کا تعلق ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول اوپر گزر چکا ہے، اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا وسیلہ ہے۔ آپ کی ذات کا وسیلہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانا ترک کر دیا اور آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنانے لگے۔ حضور کی ذات کو وسیلہ بنانا جائز ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہیں افضل و اولیٰ

تھی کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کی جاتی۔ لیکن جب رسول اللہ ﷺ کو وسیلہ بنانے کے بجائے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنایا گیا تو اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جو کام (دعا) حضور کی حیاتِ طیبہ میں کیا جاتا تھا وہ آپ کے وصال کے بعد جائز نہ رہا۔ اس کے برعکس آپ ﷺ پر ایمان اور آپ کی اطاعت تو ہمیشہ کے لیے وسیلۂ نجات ہے۔ کیونکہ آپ پر ایمان لانا اور آپ کی اطاعت بجالانا تو شریعت میں تا ابد فرض ہے۔

لفظِ توسل کے تین مفہوم

پس لفظِ ''توسل'' سے تین معنی مراد لیے جاتے ہیں۔ اولاً حضور کی اطاعت کا وسیلہ، یہ وسیلہ فرض عین ہے۔ اور اس کو ترک کرنے سے ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ ثانیاً آپ کی دعا اور شفاعت کا وسیلہ۔ یہ وسیلہ یا تو آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں جائز تھا یا پھر قیامت کے دن آپ لوگوں کی شفاعت کا وسیلہ چاہیں گے۔ ثالثاً، وسیلہ بمعنی اللہ کو رسول اللہ ﷺ کی قسم دلانا اور آپ کی ذات کا واسطہ دے کر اللہ سے کچھ مانگنا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بارش کے لیے اس طرح وسیلہ نہیں چاہا، نہ آپ کی زندگی میں نہ آپ کے وصال کے بعد، نہ آپ کی قبر کے پاس، نہ کسی دوسرے نبی کی قبر کے پاس۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں جو دعائیں معروف و مشہور تھیں ان میں اس قسم کے وسیلہ کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ البتہ بعض ضعیف اور موقوف روایات میں اس طرح کے وسیلہ کا ذکر ملتا ہے۔ یا پھر بعض ایسے لوگوں کے اقوال ملتے ہیں جو دینی امور میں قابلِ حجت نہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم اس موضوع پر عنقریب بحث کریں گے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا مسلک بھی یہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس طرح کا وسیلہ جائز نہیں ہے۔ جب وہ کہتے ہیں کہ

"لَا يُسْأَلَ بِمَخْلُوقٍ وَّلَا يَقُولُ اَحَدٌ اَسْأَلُكَ بِحَقِّ اَنْبِيَائِكَ."
یعنی کوئی مخلوق کا واسطہ دے کر اللہ سے مانگے۔ اور نہ ہی کسی کو یہ کہنا چاہیے کہ میں تیرے انبیاء کرام علیہم السلام کے حق کی بنا پر تجھ سے سوال کرتا ہوں۔

تو وہ گویا تیسری قسم کے وسیلہ سے لوگوں کو منع فرماتے ہیں۔ مشہور حنفی فقیہ ابوالحسین القدوری اپنی فقہ کی کتاب ''شرح الکرخی'' کے ''باب الکراہت'' میں بیان کرتے ہیں کہ ''حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگردوں کی ایک متعد بہ تعداد نے یہ فتویٰ دیا ہے۔''

بشر بن ولید کہتے ہیں کہ ہمیں ابو یوسف رحمہ اللہ نے بتایا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

((لَا يَنْبَغِي لِاَحَدٍ اَنْ يَّدْعُوا اللّٰهَ اِلَّا بِهِ.))
کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ اللہ کی ذات کے سوا کسی کا واسطہ دے کر اللہ کو پکارے۔

نیز امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس بات کو ناپسند اور ناجائز قرار دیا ہے کہ کوئی اس طرح سے کہے کہ:

((بِمَعَاقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ.))
میں تجھے تیری عرشِ عظیم کے قوی پائیوں کا واسطہ دیتا ہوں۔

((بِحَقِّ خَلْقِكَ.))
میں تیری مخلوق کے حق کا تجھ کو واسطہ دیتا ہوں۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی رائے بھی یہی ہے وہ کہتے ہیں کہ عرشِ الٰہی کے قوی پائیوں کا واسطہ دینا ناجائز نہیں ہے۔ کیونکہ درحقیقت وہ اللہ ہی کا واسطہ ہے لیکن میں یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی کہے: ''اے اللہ! فلاں بزرگ کے طفیل میری حاجت پوری کر دے۔'' یا یہ کہے ''بحق فلاں نبی میری دعا قبول فرما'' یا وہ یوں کہے کہ ''بحق بیت الحرام اور بحق مشعر الحرام

میری فریاد سن لے۔''

امام قدوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''کسی مخلوق کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے کوئی سوال کرنا جائز نہیں ہے'' اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی مخلوق کا کوئی حق نہیں ہے

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا یہ قول کہ ''مخلوق کا واسطہ دے کر اللہ سے کوئی سوال نہ کرو'' دو معنی رکھتا ہے۔ ایک معنی پر تو سب ائمہ دین کا اتفاق ہے۔ وہ کسی کو مخلوق کی قسم دلانے سے روکتے ہیں۔ جب مخلوق کو مخلوق کی قسم دلانا ممنوع ہے تو خالق کو کسی مخلوق کی قسم دلانا بدرجہ اتم ناجائز ہے۔ البتہ اللہ کا مخلوق کی قسم کھانا ایک مختلف معاملہ ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے مختلف چیزوں کی قسمیں کھائیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں۔

﴿ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى ○ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى ○ وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا ○ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ○ والصّٰفّٰتِ صَفًّا ○ ﴾

رات کی قسم جب (دن) کو چھپالے۔ اور دن کی قسم جب چمک اٹھے۔ سورج کی قسم اور اس کی روشنی کی قسم۔ ان فرشتوں کی قسم جو ڈوب کر کھینچ لیتے ہیں۔ ان فرشتوں کی قسم جو صف بستہ کھڑے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جب اپنی ہی مخلوقات کی قسمیں کھاتا ہے تو غرض ان روشن نشانیوں کا ذکر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت اور وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کے برخلاف مخلوق کی قسم کھانا خالق کے ساتھ شرک ہے۔ کتب سنن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ أَشْرَكَ.))

(جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ ترمذی وغیرہ ائمہ حدیث نے اس کو صحیح کہا ہے۔ ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں۔

((فَقَدْ كَفَرَ.))

(پس اس نے کفر کیا۔) یعنی جس نے کسی مخلوق کی قسم اٹھائی اس نے کفر کیا۔ حاکم رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ ❶

صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ اَوْ لِيَصْمُتْ)) ❷

جس نے قسم کھانی ہو اسے اللہ کی قسم کھانی چاہیے ورنہ خاموش رہنا چاہیے۔

((لَا تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ اَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ.)) ❸

اپنے آباؤ اجداد کی قسم نہ کھاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آباؤ اجداد کی قسم کھانے سے منع فرمایا ہے۔

صحیحین میں ہی آپ کا ایک قول یوں روایت ہوا ہے۔

((مَنْ حَلَفَ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى فَلْيَقُلْ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ.)) ❹

جس نے لات اور عزیٰ کی قسم کھائی۔ اسے لا الہ الا اللہ پڑھنا چاہیے۔

تمام علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ جس آدمی نے کسی محترم اور معزز مخلوق، یا ایسی مخلوق جس کو وہ معزز و محترم خیال کرتا ہے۔ مثلاً عرش، کرسی، خانہ کعبہ، مسجد حرام، مسجد نبوی، ملائکہ، صلحاء، شمشیر مجاہد، قبور انبیاء و صلحاء وغیرہ کی قسم کھائی تو اس کی قسم نافذ نہیں ہوگی۔ اور نہ اسے کوئی کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔

---

❶ سنن ابی داؤد، کتاب الایمان والنذور، باب کراھیۃ الحلف بالآباء (۳۲۵۱). سنن الترمذی، النذور والایمان (۱۵۳۵)، مسند احمد: ۱:۴۷، المستدرك للحاکم: ۵۲/۱، ۲۹۷/٤.

❷ صحیح البخاری، کتاب الادب، باب من لم یر اکفار من قال ذلك متأولاً اور جاھلاً (۶۱۰۸)، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب النھی عن الحلف بغیر اللّٰہ تعالی (۱٦٤٦/۳).

❸ صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب لا تحلفوا بآبائکم (۲٦٤٨). صحیح مسلم ایضًا (۱٦٤٦)، صحیح البخاری، ایضًا (٦٦٤٦، ٦٦٤٧)، صحیح مسلم ایضًا (۱٦٤٦).

❹ صحیح البخاری، کتاب الایمان والنذور، باب لا یحلف بالات والعزی ...... (٦٦٤٥٠). مسلم، کتاب الایمان، باب من حلف باللات والعزی، فلیقل لا الہ الا اللّٰہ (۱٦٤٧).

مخلوق کی قسم اور اس سے سوال

مخلوق کی قسم کھانا جمہور علماء کے نزدیک حرام ہے۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول بھی یہی ہے۔ امام شافعی اور احمد رحمہما اللہ کا قول بھی اس کی تائید میں ہے۔ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع بھی اسی مسئلہ پر بیان کیا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مخلوق کی قسم کھانا مکروہ تنزیہی ہے، لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے حتی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ ابن عباس اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں:

((لَاَنْ اَحْلِفَ بِاللّٰهِ كَاذِبًا اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَحْلِفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ صَادِقًا.)) [1]

اللہ کی جھوٹی قسم میرے لیے اس سے بہتر ہے کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کی سچی قسم کھاؤں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا شرک ہے اور شرک جھوٹ سے کہیں بڑا گناہ ہے۔ البتہ انبیاء کرام کی قسم کھانے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھانے کے بارے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں منقول ہیں۔ اولاً: ایسی قسم منعقد ہی نہیں ہوتی جیسا کہ جمہور ائمہ مثلاً امام مالک، ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ کا قول ہے۔ ثانیاً: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم منعقد ہو جاتی ہے۔ اس رائے کو امام احمد اور ان کے اصحاب مثلاً قاضی رحمہم اللہ وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔ ابن منذر رحمہ اللہ نے بھی اس کی تائید کی ہے ان میں سے زیادہ تعداد میں صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھانے پر اختلاف کیا ہے۔ ابن عقیل رحمہ اللہ نے اس اختلاف کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے سوال کرنے والوں تک وسیع کر دیا ہے۔ مخلوق کی قسم کھانے پر کفارہ کا وجوب ایک نہایت کمزور اور اصول شریعت اور نصوص قرآن وسنت کے خلاف قول ہے۔

[1] المصنف عبد الرزاق ۸/۴۶۹، طبرانی کبیر ۹/۱۸۳، مجمع الزوائد ۴/۱۷۷۔

پس اللہ تعالیٰ کو رسول اللہ ﷺ کی قسم دلانا اور قسم دلانے کے معنی میں آپ ﷺ کے طفیل اللہ سے سوال کرنا اسی ضمن میں آتا ہے۔

جہاں تک مخلوق کے طفیل سوال کرنے کا تعلق ہے۔ اگر سوال میں باء سبب کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہو نہ کہ قسم کو ظاہر کرنے کے لیے تو دونوں صورتوں میں بڑا فرق ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے قسم پوری کرنے کا حکم دیا ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم میں نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

((اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ مَنْ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَ بَرَّهُ.))

اللہ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں کہ وہ اگر اللہ تعالیٰ کو قسم دلائیں تو اللہ اس کو پوری کر دیتا ہے۔

آپ ﷺ نے یہ بات اس وقت کہی جب ربیع نامی ایک عورت کا دانت قصاص میں توڑا جانے لگا۔ اور انس بن النضر نے کہا:

اَتُكْسَرُ ثَنِيَّةُ الرَّبِيعِ؟ لَا! وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ وَلَا تُكْسَرُ سِنُّهَا.))

کیا ربیع کا دانت توڑ دیا جائے گا؟ ایسا نہیں ہوسکتا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔

اس پر حضور ﷺ نے فرمایا:

((يَا اَنَسُ رضی اللہ عنہ! كِتَابُ اللّٰهِ الْقِصَاصُ.))

یعنی اے انس رضی اللہ عنہ! کتاب اللہ میں تو قصاص مقرر کیا گیا ہے۔

بعد میں مدعی راضی ہوگیا۔ اور اس نے مجرم عورت کو معاف کر دیا۔ اور ربیع کا دانت توڑنے کا موقعہ ہی نہ آیا۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ مَنْ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَ بَرَّهُ.))[1]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب الصلح فی الدیة (٢٧٠٣)، صحیح مسلم، کتاب القسامه، باب اثبات القصاص فی الاسنان وما فی معناها (١٦٧٥).

''اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ کو قسم دلائیں تو اللہ اس قسم کو پوری کر دیتا ہے۔''

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

((رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ مُدْفُوعٍ بِاَبْوَابٍ لَو اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهُ)) [1]

کتنے ہی پراگندہ بال اور غبار آلودہ لوگ، جو دربدر کی ٹھوکریں کھاتے ہیں، ایسے ہیں جو اللہ کو قسم دلائیں تو اللہ ان کی قسم کو پوری کر دیتا ہے

اس روایت کو مسلم نے روایت کیا ہے نیز نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اَلَا اُخْبِرُكُم بِاَهْلِ الْجَنَّةِ؟ كُلُّ ضَعِيفٍ مُتَضَعَّفٍ، لَو اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهُ اَلَا اُخْبِرُكُم بِاَهْلِ النَّارِ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ.)) [2]

''کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ اہلِ جنت کون ہیں؟ ہر کمزور جسے لوگ بے یارو مددگار (کمزور) سمجھتے ہوں۔ وہ اگر اللہ کو قسم دلا دیں تو اللہ اس کو پوری کر دے۔ کیا میں تمہیں دوزخیوں کی خبر نہ دوں؟ ہر بسیار خور، سرکش اور متکبر۔''

یہ روایت بخاری اور مسلم میں روایت ہوئی ہے اسی طرح کی دوسری روایت انس بن النضر کی ہے۔ جسے صرف مسلم نے روایت کیا ہے۔ آپ کے الفاظ:

((اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ مَنْ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهُ.)) [3]

کی تشریح میں ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: ''براء بن مالک ان ہی سعید لوگوں میں سے ہیں۔''

---

[1] صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل الضعفاء والخاملين (٢٦٢٢).

[2] صحیح البخاری، کتاب التفسير، باب "عتل بعد ذلك زنيم" (٤٩١٨).

صحیح مسلم، کتاب الجنة، باب النار يدخلها الجبارون والجنة يدخلها الضعفاء (٢٨٥٣).

[3] سنن الترمذی، المناقب، باب مناقب البراء بن مالك رضي الله عنه (٣٨٥٤).

مسند ابی یعلی (٣٩٨٧).

حضرت براء بن مالک کا مقام ہی تھا کہ جب مسلمانوں اور کافروں کے درمیان لڑائی شدت اختیار کر جاتی تو مجاہدین پکار اٹھتے کہ: ''اے براء! اپنے رب کو قسم دلا'' چنانچہ وہ اللہ کو قسم دلاتے اور کفار شکست کھا جاتے۔ ایک مرتبہ مجاہدین اسلام ''سوس'' کے پل پر پہنچے تو انہوں نے حضرت براء سے عرض کیا کہ ''اے براء اپنے رب کو قسم دلا'' انہوں نے کہا ''اے پروردگار! میں تجھے قسم دلاتا ہوں ہمیں دشمن پر غلبہ عطاء فرما۔ اور مجھے سب سے پہلے شہادت نصیب فرما'' اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی قسم پوری کر دی، دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ گیا اور براء بن مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسی روز جام شہادت نوش کیا۔ [1]

حضرت براء رضی اللہ عنہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ انہوں نے بغیر کسی شخص کی مدد و تعاون کے ایک سو جنگجو سورماؤں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ جنگ مسیلمہ میں آپ کو ڈھال پر رکھ کر قلعہ میں پھینک دیا گیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے قلعہ کے دروازے کو کھول دیا۔

مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی قسم دلانا

کسی کو قسم دلانے کا مطلب یہ ہے کہ قسم دلانے والا کسی سے یہ حلف لے کہ وہ فلاں کام ضرور کرے گا۔ لیکن اگر وہ قسم توڑ دے تو قسم توڑنے کا کفارہ قسم دلانے والے پر ہے نہ کہ جس کو قسم دلائی گئی۔ عام فقہاء نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام یا لڑکے یا اپنے دوست کو قسم دلاتا کہ فلاں کام ضرور کرے لیکن وہ اس کام کو کر نہیں پاتا۔ تو ایسی صورت میں کفارہ اسی پر واجب الاداء ہوگا۔ لیکن اگر وہ کہتا کہ: ''میں تجھے اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ فلاں کام کر۔'' تو یہ ایک سوال ہے قسم نہیں ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ:

((مَنْ سَأَلَكُمْ بِاللّٰهِ فَأَعْطُوهُ.)) [2]

---

[1] المستدرك ۲۹۱/۳، حلية الاولياء: ۳۵۰/۱.

[2] مسند احمد (۶۸/۲، ۹۶، ۹۹، ۱۲۷)، سنن ابی داؤد، کتاب الزکاة، باب عطية من سال باللّٰه. (۱۶۷۲)، سنن النسائي، کتاب الزکاة، باب من سال باللّٰه عزوجل: ۸۲/۵.

''یعنی جو اللہ کے نام پر تجھ سے مانگے اس کو دے دو۔''

تمام مخلوق خواہ مومن ہو یا کافر، اللہ تعالیٰ سے سوال کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کفار کی دعا بھی قبول کرتا ہے۔ کفار اللہ تعالیٰ سے اپنا رزق مانگتے ہیں اور جب سمندر میں گرفتار ہو جاتے ہیں تو اللہ کے سوا جن جن کو وہ پکارتے ہیں سب غائب ہو جاتے ہیں۔ اس وقت صرف اللہ ہی ان کی دستگیری کرتا ہے۔ لیکن جب وہ بچ کر ساحل پر پہنچتے ہیں تو وہ پھر اللہ تعالیٰ سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ وہ لوگ جو اللہ کو قسم دلاتے ہیں اور اللہ ان کی قسم کو پورا کر دیتا ہے۔ اللہ کے خاص مقرب بندے ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے مانگنا

اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے اور یوں کہتا ہے

((اَسْاَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ اللّٰهُ الْمَنَّانُ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاَكْرَامِ.))

میں تجھ سے مانگتا ہوں کیونکہ ساری تعریفیں تیرے لیے ہیں، تو اللہ ہے۔ احسان کرنے والا، آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا، اے ذوالجلال والاکرام (میری دعا قبول فرما)۔

تو یہ اللہ تعالیٰ سے اس کے اسمائے مبارکہ اور صفات حمیدہ کے ذریعے مانگنا ہے۔ اس کو اللہ کو قسم دلانا نہیں کہا جا سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام کام اس کے اسماء اور صفات ہی کے مظہر ہوتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت اس کے اسمائے گرامی رحیم اور غفور کا لازمی تقاضا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ:

((اِنْ وَافَقْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ مَا ذَا اَقُوْلُ؟))

''جب میں شبِ قدر کو پاؤں تو میں کیا کروں؟''

تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دعا پڑھا کرو:

((اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّی۔)) [1]

''اے اللہ! تو معاف کرنے والا ہے، معافی کو پسند کرتا ہے پس مجھے معاف کردے۔''

اسی طرح کسی کو ہدایت دینا اور اس پر حق واضح کر دینا اس کی صفت ''ہادی'' کا مقتضیٰ ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ایک اثر میں ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو مندرجہ ذیل دعا پڑھنے کی تعلیم دی۔

((یَا دَلِیلَ الْحَیَاریٰ دُلَّنِی عَلٰی طَرِیقِ الصَّادِقِینَ وَاجْعَلْنِی مِنْ عِبَادِكَ الصَّالِحِینَ۔))

''اے بھولے بھٹکوں کے ہادی! مجھے سچے لوگوں کا راستہ دکھا اور مجھے اپنے نیکوکار لوگوں میں شامل فرما۔''

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ خیر کا جو برتاؤ بھی کرتا ہے، وہ اس کے نامِ گرامی رب کا مقتضیٰ ہے۔ اسی لیے دعا میں یارب، یارب کے الفاظ بار بار کہے جاتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے دعا کی

﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ ﴾ (اعراف: ١٤٩)

''یعنی اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اور اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم گھاٹا اٹھانے والوں میں ہو جائیں گے۔''

حضرت نوح علیہ السلام نے یوں دعا مانگی:

﴿ رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ وَاِلَّا تَغْفِرْلِیْ وَتَرْحَمْنِیْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ ﴾ (هود: ٤٧)

[1] سنن الترمذی، الدعوات، باب فی فضل سوال العافیة والمعافاة: ٣٥١٣۔ سنن ابن ماجه، کتاب الدعاء بالعفو والعافیة: ٣٨٥٠.

''پروردگار! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی چیز کا تجھ سے سوال کروں جس کی حقیقت مجھے معلوم نہیں اور اگر تو مجھے نہیں بخشے گا اور مجھ پر رحم نہیں کرے گا تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا تھی:

﴿ رَبَّنَآ اِنِّيٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ ۝ ﴾

(ابراهيم:٣٧)

''اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی اولاد کو میدان (مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں، بسادیا ہے۔''

تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے اسی طرح دعا کی ہے۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے اصحاب مثلاً ابن ابی عمران رحمہ اللہ نے اس بات کو ناجائز قرار دیا ہے کہ کوئی دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ کو یا سیدی کہہ کر مخاطب کرے۔ بلکہ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ہر شخص کو اپنے رب کو ایسے ہی الفاظ سے مخاطب کرنا چاہیے جن الفاظ کے ساتھ انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کو مخاطب کرتے تھے، وہ اللہ تعالیٰ کو ''میرے رب، اے میرے رب'' کہہ کر پکارتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی حی القیوم اپنے اندر اللہ تعالیٰ کے تمام اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ حمیدہ کے اصل معانی کو جمع کر لیتا ہے۔ جیسا کہ کسی اور مقام پر اس پر شرح بسط سے بحث گزر چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں الحاح و زاری کرتے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے اسمِ گرامی ''الحی القیوم'' ہی سے پکارتے۔ [1]

قبولیتِ دعا

جب سائل کسی چیز کے ذریعہ سے کچھ مانگتا ہے اور ''باء'' بطورِ سبب استعمال کرتا ہے تو وہ ایک سبب کے ذریعہ مانگتا ہے جو وجود مسئول کو مقتضی ہے۔ مثلاً ایک شخص مندرجہ ذیل

[1] ٧٩/٢ سنن الترمذي، الدعوات، باب قول ياحي يا قيوم ...... (٣٥٢٤).

طریقہ سے سوال کرتا ہے۔

((اَسْأَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ اللّٰهُ الْمَنَّانُ بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.))

"(اے پروردگار) میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں، تو اللہ ہے احسان کرنے والا اور آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا۔"

اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا منان (احسان کرنیوالا)، محمود، (تعریف کیا گیا) اور زمین و آسمان کا خالق ہونا اس بات کا مقتضی ہے کہ وہ اپنے سائل بندے پر احسان کرے۔ "محمود" ہونے کی بناء پر اُسے بندے سے وہ برتاؤ کرنا چاہیے جو قابل ستائش وحمد ہو۔ بندہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اس کی دعا کی قبولیت کا موجب ہے۔ اسی بناء پر نمازی کو حکم ہے کہ وہ

((سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ.))

(یعنی جس نے اللہ کی حمد بیان کی اس نے اس کی دعا قبول کر لی) کہے۔ یہاں پر لفظ "سماع" اجابت وقبولیت کے مترادف ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا قول ہے:

((اَعُوذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَّا يَخْشَعُ وَمِنْ دِعَاءٍ لَّا يُسْمَعُ اَى لَا يُسْتَجَابُ.)) [1]

"میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جو فائدہ مند نہ ہو۔ ایسے دل سے جو (تجھ سے) ڈرتا نہ ہو، ایسے نفس سے جو (حرص کی وجہ سے) سیر نہ ہوتا ہو۔ ایسی دعا سے جو سنی نہ جائے یعنی قابل قبول نہ ہو۔"

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعاء کے آخری الفاظ تھے:

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب التعوذ من شر ما عمل ومن شر ما لم یعمل (۲۷۲۲). عن زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب فی الاستعاذه (۱۵۴۸)، عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ.

﴿ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ۝ ﴾ (ابراھیم: ۳۹)

"بے شک میرا رب دعا قبول کرنے والا ہے۔"

اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ لَمْ یَاْتُوْكَ ط ﴾ (المائدة: ٤١)

"تمہارے اندر ایسے لوگ ہیں جو ان کی بات مان لیتے ہیں جو لوگ یہودی ہوگئے ہیں ان میں سے کچھ غلط باتیں بنانے کے لیے جاسوسی کرتے پھرتے ہیں۔ وہ ان لوگوں لیے جاسوسی کرتے ہیں جو ابھی تیرے پاس نہیں آئے۔"

اس لیے نمازی کو حکم ہے کہ وہ تشہد، جس میں اللہ تعالیٰ کی ثنا بھی شامل ہے، کے بعد اس کی حمد بیان کر کے پھر دعا مانگے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے نماز پڑھی اور دعا مانگی لیکن نہ اللہ تعالیٰ کی حمد کی، نہ آپ پر درود وسلام بھیجا۔ آپ ﷺ نے اس کو بلایا اور فرمایا: "تو نے بہت جلد بازی کی ہے۔" پھر فرمایا:

((اِذَا صَلّٰی اَحَدُكُمْ فَلْیَبْدَأْ بِحَمْدِ اللّٰهِ وَالثَّنَاءِ عَلَیْهِ وَلْیُصَلِّ عَلَى النَّبِیِّ ﷺ وَلْیَدْعُ بَعْدَ بِمَا شَاءَ.)) [1]

"جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اسے چاہیے کہ اللہ کی حمد اور ثناء سے شروع کرے، نبی اکرم ﷺ پر درود وسلام بھیجے اور اس کے بعد جو چاہے دعا مانگے۔"

اس روایت کو ابوداؤد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"میں نماز پڑھ رہا تھا اور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ

[1] مسند احمد ۱۸/٦ سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب الدعاء (١٤٨١). سنن الترمذی، الدعوات، باب فی ایجاب الدعاء بتقدیم الحمد ...... (٣٤٧٧).

بھی تھے۔ جب میں بیٹھتا تو میں اللہ کی ثناء کرتا، اس کے رسول ﷺ پر درود بھیجتا اور پھر اپنے لیے دعا کرتا۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((سَلْ تُعْطَهْ.)) [1]

(مانگ، تجھے دیا جائے گا۔)''

لفظ ''سمع'' سے ادراکِ آواز اور معرفتِ معنی بھی مراد ہے۔ نیز کسی بات کو سمجھ لینے کے بعد اس کو قبول کر لینا بھی ''سمع'' کے مفہوم میں شامل ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ط ﴾ (انفال : ٢٣)

''اور اگر اللہ ان میں نیکی (کا مادہ) دیکھتا تو ان کو سننے کی توفیق بخشتا۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَلَو اَسْمَعَهُمْ ط ﴾ (الانفال : ٢٣)

یعنی اس حال میں جس میں وہ مدہوش ہیں اگر تو انہیں حق سنائے گا بھی تو وہ اس کو قبول نہیں کریں گے۔ بلکہ حالت یہ ہوگی کہ:

﴿ لَتَوَلَّوا وَّهُمْ مُّعْرِضُونَ ۝ ﴾

اور وہ پیٹھ پھیر لیں گے اور وہ ہیں ہی منہ موڑنے والے۔

یہاں پر منکرین حق کی مذمت اس لیے کی گئی ہے کہ وہ اوّل تو قرآنِ مجید کو سمجھتے ہی نہیں اور اگر سمجھ بھی لیں تو اس پر عمل نہیں کرتے۔

جب سائل غیر اللہ سے کہے: ((اَسْأَلُكَ بِاللّٰهِ.))

(میں تجھ سے اللہ کے حوالہ سے مانگتا ہوں۔) تو اس نے اللہ تعالیٰ اپنے ایمان کے ذریعہ سے اس سے سوال کیا۔ یہ سائل کے سوال کے پورا ہونے کا سبب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ

---

[1] سنن الترمذی، الجمعة، باب ما ذکر فی الثناء علی الله والصلوٰة علی النبی صلی الله علیه وسلم قبل الدعاء: ٥٩٣۔ شرح السنة: ٢٠٥/٥۔

مخلوق کے ساتھ احسان کے برتاؤ کو پسند کرتا ہے۔ خاص طور پر جب مقصد ظلم کا ازالہ ہو۔ وہ عدل کا حکم دیتا ہے اور ظلم سے روکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم سب سے بڑا سبب ہے جس کے ذریعہ کسی کام کے لیے فاعل میں ترغیب وتحریک پیدا کی جاسکتی ہے۔ پس حکمِ الٰہی سے بڑھ کر کوئی سبب ایسا نہیں ہے جو مسبب الاسباب خداوند تعالیٰ کا مقتضی ہو۔ ابن ماجہ نے سنن میں اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند عطیہ الکوفی سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لیے نکلنے والوں کو یہ دعا سکھائی:

((وَاَسْاَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ وَبِحَقِّ مَمْشَايَ هٰذَا فَاِنِّي لَمْ اَخْرُجْ اَشَرًّا وَلَا بَطَرًا وَّلَا رِيَاءً وَّلَا سُمْعَةً وَلٰكِنْ خَرَجْتُ اِتِّقَاءَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِكَ.)) [1]

"(اے اللہ!) میں تجھ سے سائلیں کے حق کی بنا پر جو تجھ پر ہیں اور اپنے اس سفر کے حق کی بنا پر تجھ سے سوال کرتا ہوں میں (گھر سے) فساد وشر، غرور، فخر اور ریا، یا شہرت کے لیے نہیں نکلا ہوں بلکہ میں تیرے غصہ سے ڈر کر اور تیری رضا کے حصول کے لیے نکلا ہوں۔"

اگر یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے سائلین کا سوال ان کے حق کی بنا پر قبول کرتا ہے اور اپنے عبادت گزاروں کے حق کی بنا پر ان کو اجر وثواب دیتا ہے تو یہ ان کا ایک ایسا حق ہے جو اس ذاتِ اقدس نے خود اپنے اوپر واجب ٹھہرایا ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسے ہے کہ کوئی آدمی اللہ تعالیٰ سے ایمان اور عمل صالح، جسے اجابتِ دعا کا سبب بنایا گیا ہے، کے ذریعہ مانگے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ذکر کیا گیا ہے۔

---

[1] مسند احمد ۳/ ۲۱ سنن ابن ماجه، کتاب المساجد، باب المشی الی الصلاة (۷۷۸).
کتاب الدعاء للطبرانی (۴۲۱)، عمل الیوم واللیلة، لابن السنی (۸۴) اس کی سند میں عطیہ العوفی ضعیف راوی ہے۔ لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔ سلسله الضعیفة (۲۴).

﴿ وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ﴾ (الشوری: ۲۰۱)

''اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کی دعا قبول فرماتا اور ان کو اپنے فضل سے بڑھاتا ہے۔''

نیز ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اللہ تعالیٰ کے وعدے کے وسیلہ سے مانگتا ہے کیونکہ اس کا وعدہ اس بات کا مقتضی ہے کہ وہ اسے پورا کرے۔ قرآن مجید میں مومنوں کی دعا یوں درج ہوئی ہے۔

﴿ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ ﴾ (آل عمران: ۱۹۳)

''اے پروردگار! ہم نے ایک نداء کرنے والے کو سنا کہ وہ ایمان کے لیے پکار رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لے آئے اے پروردگار! ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری برائیوں کو ہم سے محو کر۔ ہم کو دنیا سے نیک بندوں کے ساتھ اٹھا۔''

﴿ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ ۝ ﴾ (المومن: ۱۰۹: ۱۱۰)

''میرے بندوں میں سے ایک گروہ تھا جو دعا کیا کرتا تھا کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے۔ پس ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ تم ان سے تمسخر کرتے رہے حتی کہ تم میری یاد بھی بھول گئے۔''

یہ دعا نبی اکرم ﷺ کی اس دعا سے مشابہ ہے جو آپ ﷺ نے بدر کے دن مانگی تھی اور کہا تھا:

((اَللّٰهُمَّ اَنۡجِزۡلِی مَا وَعَدۡتَّنِی۔)) ❶

''اے اللہ! جو وعدہ تو نے مجھ سے کیا ہے اسے میرے لیے پورا فرما۔''

اسی طرح تورات میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنا غضب نازل کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنے لگے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا تھا اس کو یاد دلانے لگے۔

عملِ صالحہ کے وسیلہ سے سوال

عمل صالحہ کی وساطت سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے کی دلیل تین آدمیوں کا سوال ہے جو کسی غار میں پناہ لیے ہوئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنا بہترین عمل جو اس نے خالصتاً اللہ کے لیے کیا تھا، کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے (مشکل کشائی کی) درخواست کی۔ کیونکہ جو عمل اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور جس سے وہ راضی ہوتا ہے وہ اللہ کے ساتھ محبت ہے جو قبولیتِ دعا کا سبب ہے۔ ان میں سے ایک نے اپنے والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کے وسیلہ کے ذریعہ سوال کیا، دوسرے نے اپنی عفتِ تامہ کا حوالہ دے کر اللہ سے سوال کیا اور تیسرے نے اپنی امانت اور اپنے حسنِ سلوک کو وسیلہ بنا کر سوال کیا۔

اسی طرح حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ صبح کے وقت دعا مانگا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اَمَرۡتَنِی فَاَطَعۡتُكَ وَدَعَوۡتَنِی فَاَجَبۡتُكَ، وَهٰذَا سَحَرٌ فَاغۡفِرۡلِی۔)) ❷

''اے اللہ! تو نے مجھے حکم دیا اور میں نے تیری اطاعت کی، تو نے مجھے پکارا تو

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب الامداد بالملائكة فی غزوة بدر واباحة الغنم (۱۷۶۳).
سنن الترمذی، التفسیر، باب ومن سورة الانفال (۳۰۸۱). ❷ لم اجده.

میں نے دعوت قبول کر لی۔ یہ صبح کا وقت ہے پس مجھے بخش دے۔"

حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں ہے کہ وہ کوہ صفا پر یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ قُلْتَ، وَقَوْلُكَ الْحَقُّ، اُدْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ وَاِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ.)) [1]

"اے اللہ! تو نے کہا اور تیرا قول حق ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری بات سنوں گا اور تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔"

اس سے واضح ہو گیا کہ کسی سائل کا کہنا کہ

((اَسْاَلُكَ بِكَذَا.))

(میں فلاں چیز کے حوالہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں۔) دو معنی رکھتا ہے۔ اس سے حرف باء کبھی قسم دلانے کے لیے آتا ہے اور کبھی سبب کے لیے۔ اس لحاظ سے اس سے کبھی اللہ تعالیٰ کو اس چیز کی قسم دلانا مراد ہوتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ سے اس چیز کے حوالہ سے سوال کرنا مراد ہوتا ہے۔ جہاں تک پہلے مفہوم کا تعلق ہے، مخلوق کو مخلوق کی قسم دلانا جائز نہیں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی قسم دلانا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ رہا دوسرا معنی یعنی کسی قابلِ عزت ہستی کے حوالہ سے سوال مثلاً انبیاء کے حق کے حوالہ سے سوال تو اس میں نزاع واقع ہوا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کا یہ قول اوپر گزر چکا ہے کہ ایسا سوال جائز نہیں ہے۔

انبیاء کرام و ملائکہ کے جاہ کے ذریعہ سوال

اگر کوئی شخص انبیاء کرام علیہم السلام و ملائکہ اور صلحاء کے حق کے حوالہ سے، کسی کی حرمت کا واسطہ دے کر یا کسی کے مرتبہ و مقام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ ان ہستیوں کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بلند، مرتبہ و مقام حاصل ہے۔ یہ بات صحیح

---

[1] الموطا للامام مالك، كتاب الحج، باب البدء بالصفاء في السعي (٤٣٤).

ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں جو قدر و منزلت اور جاہ و حرمت حاصل ہوتی ہے اس کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند کرے، ان کی قدر و منزلت میں اضافہ کرے اور جب وہ کسی کے حق میں شفاعت کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت و سفارش کو شرفِ قبولیت بخشے گا۔ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ط ﴾ (البقرہ: ۲۵۵)

کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے ہاں شفاعت کرے؟

انبیاء کرام و صلحاء کو جو عظمت و حرمت حاصل ہے اس کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ جو لوگ ان کی ایسے کاموں میں اتباع و پیروی کرتے ہیں جن میں ان کی پیروی کرنا مشروع و مسنون ہے، وہ بھی فلاح یافتہ اور سعادت مند ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تعلیمات ان تک پہنچائیں ان پر عمل کرنے والا بھی کامران ہو، البتہ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ انبیاء کرام و صلحاء اور ملائکہ کی محض قدر و منزلت اور جاہ و عصمت اس بات کی ضامن نہیں کہ جب ان کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ سے کوئی سوال کرے تو وہ قبول کر لیا جائے۔ ان کا یہ مقام و مرتبہ صرف اسی وقت ان کے لیے نافع ہو سکتا ہے جب وہ ان کے احکامات، جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائیں، کی اطاعت کریں، اور ایمان والوں کے لیے انہوں نے جو اسوۂ حسنہ قائم کیا ہے اس کو اپنائیں، ان کی شفاعت اور دعا بھی اسی وقت نافع ہوگی جب وہ کسی کے حق میں شفارش اور دعا کریں گے۔ لیکن اگر وہ کسی کے حق میں نہ سفارش کریں نہ دعا اور نہ ایسا سبب اور ذریعہ ہی موجود ہو جو ان کی دعاء کی قبولیت کا موجب بنے تو ان کی جاہ و حرمت کے حوالہ سے ان سے شفاعت اور دعا کی درخواست کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں سودمند نہیں ہوگی۔ اس کے برعکس یہ چیز ایک اجنبی چیز ہوگی جو کسی فائدہ کی موجب نہیں بن سکتی۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے کہ "فلاں شخص تیری اطاعت کر رہا ہے، تیری اطاعت کی وجہ سے تجھے اس سے جو محبت ہے اور اسے تیرے ہاں جو جاہ و مرتبہ حاصل

ہے، اس کے حوالہ سے سوال کرتا ہوں'' تو وہ ایک ایسی چیز کے واسطہ سے سوال کرتا ہے جو بالکل اجنبی ہے۔ اور غیر متعلق چیز ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے ان مقربین پر جو احسانات فرمائے ہیں ان سے اسے جو محبت ہے اور ان کی قدر و منزلت کا جو پاس ہے، باوجودیکہ وہ اس کی عبادت کرنے والے ہیں۔ اور اس کے احکامات کی تعمیل کرنے والے ہیں، کسی شخص کی دعا کی اجابت کا باعث نہیں بن سکتے جو ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے۔ اس کی دعا کی قبولیت کا سبب تو ان کی اطاعت ہے یا ان کی طرف سے اس کے حق میں شفاعت ہے۔ لیکن جہاں نہ اطاعت و فرمانبرداری ہو نہ ان کی اپنی شفاعت ہی موجود ہو تو اس کی دعا کی قبولیت کا سبب کیسے پیدا ہوگا۔

قبولیتِ سوال کا سب سے بڑا سبب:

ہاں! اگر سائل اللہ تعالیٰ سے حضرت محمد ﷺ پر ایمان، ان کی محبت و اطاعت کے ذریعہ سوال کرتا ہے جو دعا کی قبولیت کا متقاضی ہے تو یہ درست ہے بلکہ یہ ان تمام اسباب سے بڑا سبب ہے جو اجابتِ دعا کا ضامن ہو سکتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے واضح فرما دیا ہے کہ آخرت میں آپ کی شفاعت صرف اہلِ توحید کے لیے نافع ہوگی۔ مشرکین اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔ وہی لوگ آپ کی شفاعت کے مستحق ہوں گے جو آپ ﷺ کے لیے وسیلہ کی دعا کریں گے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

> ''جب تم موذن کی اذان سنو تو وہی کلمات دہراؤ جو وہ پکارتا ہے پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتا ہے۔ پھر میرے لیے وسیلہ مانگو کیونکہ یہ جنت میں ایک مقام ہے۔ اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک ہی اس کا سزاوار ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہی ہوں پس جس نے میرے لیے وسیلہ مانگا قیامت کے دن میری

شفاعت اس پر واجب ہوگئی۔''❶

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

((اَیُّ النَّاسِ اَسْعَدُ بِشَفَاعَتِكَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ))

''قیامت کے دن آپ کی شفاعت کے لحاظ سے سب سے زیادہ سعادت یاب کون ہوگا؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهٖ.)) ❷

''جو آدمی خلوصِ دل سے لا الہ الا اللہ کہتا ہے۔''

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا کہ قیامت کے دن میری شفاعت کے لحاظ سے سب سے زیادہ خوش قسمت وہ ہوگا جو توحید اور اخلاق میں سب سے بلند مقام پر فائز ہوگا۔ کیونکہ توحید ہی دین ہے۔ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرے گا۔ اور اس کے علاوہ تمام گناہ بخش دے گا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات شرک سے پاک ہے اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اس کے پاس شفاعت کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب شفاعت کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے ایک حد مقرر فرمادیں گے اور اس حد کے اندر جو لوگ داخل ہوں گے جنت میں داخل کر دیے جائیں گے۔ یہ حد لوگوں کے دل میں موجود توحید اور ایمان کو پیش نظر رکھ کر متعین کی جائے گی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میرے لیے وسیلہ کی دعا کرے گا قیامت کے دن میری شفاعت اس کے لیے واجب ہو جائے گی۔ آپ نے بھی واضح فرما دیا کہ آپ کی شفاعت توحید و ایمان پر عمل کرنے اور اس دعا کے ذریعہ حاصل ہوگی جس کا حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیا ہے۔

---

❶ دیکھیں رقم الحدیث (۵۹). ❷ دیکھیں رقم الحدیث (۲۰).

جاہ وحرمت کے ذریعہ سوال:

کسی مخلوق کے حق کے حوالہ سے سوال کرنا دو بنیادوں پر مبنی ہے۔ اولاً، کیا اللہ تعالیٰ پر کسی مخلوق کا کوئی حق ہے؟ ثانیاً کیا ہم اس حق کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ سے کوئی سوال کر سکتے ہیں جس طرح ہم جاہ وحرمت کے حوالہ سے سوال کرتے ہیں۔ جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ خالق پر مخلوق کو کچھ حقوق حاصل ہیں۔ وہ مخلوق کو خالق پر قیاس کرتے ہیں۔ اس طرح کے خیالات معتزلہ وغیرہ رکھتے ہیں۔ کچھ ایسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ''مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں ہے۔ البتہ اللہ اپنے وعدہ، فیصلہ اور اطلاع کے مطابق جو عمل بھی کرتا ہے اسے بخوبی جانتا ہے۔ اس طرح کی باتیں جہمیہ، اشعریہ اور ان کے پیروکار کرتے ہیں۔ جو اپنے آپ کو اہلِ سنت والجماعت کے ساتھ منسوب کرتے ہیں۔ بعض دوسرے لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کو اپنے اوپر فرض کرلیا ہے۔ اور اس نے اپنے صاحب ایمان بندوں کے حقوق کی بجا آوری اپنے اوپر واجب ٹھہرالی ہے۔ جس طرح اس نے اپنے اوپر ظلم وزیادتی کو حرام کرلیا ہے۔ کسی مخلوق نے ان چیزوں کو اس پر واجب نہیں ٹھہرایا اور نہ اسے مخلوقات پر قیاس کرنا چاہیے بلکہ اس نے محض اپنی رحمت وحکمت اور عدالت کی بنا پر رحمت کو اپنے اوپر فرض ٹھہرایا ہے اور ظلم کو حرام قرار دے لیا ہے۔ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرماتا ہے:

((يَا عِبَادِي إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُّحَرَّماً فَلَا تَظَالَمُوا.)) [1]

''اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام ٹھہرالیا ہے اور تمہارے درمیان بھی اس کو حرام کر دیا ہے۔ پس ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الظلم (٢٥٧٧)، الادب المفرد للبخاري (٤٩٠).

﴿ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ط ﴾ (الانعام: ٥٤)

''تمہارے رب نے رحمت اپنے اوپر واجب کر لی ہے۔''

﴿ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾ (الروم: ٤٧)

''ایمان والوں کی مدد کرنا ہم پر واجب ہے۔''

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَا مَعَاذُ رضی اللہ عنہ! اَتَدْرِیْ مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهٖ؟ قُلْتُ: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ. قَالَ حَقُّهٗ عَلَيْهِمْ اَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا. يَا مَعَاذُ رضی اللہ عنہ! اَتَدْرِیْ مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ اِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ؟ قَالَ حَقُّهُمْ عَلَيْهِ اَنْ لَّا يُعَذِّبَهُمْ.)) [1]

''اے معاذ! کیا تو جانتا ہے کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ میں نے کہا: ''اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اے معاذ رضی اللہ عنہ! کیا تو جانتا ہے کہ جب وہ یہ کام کریں تو بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کا اللہ پر یہ حق ہے کہ وہ انہیں عذاب نہ دے۔''

اس قول کے مطابق اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر انبیاء وصلحاء کا حق ہے جو اللہ نے اپنے اختیار وارادہ سے اپنے اوپر واجب قرار دے لیا ہے۔ دوسرے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان سے جو وعدے فرمائے ہیں وہ اس کے مستحق ہیں۔

جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ خالق پر مخلوق کا کوئی حق نہیں۔ جس کے واسطہ سے خالق سے سوال کیا جائے، جیسا کہ ایک روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے پوچھا

---

[1] صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب ارداف الرجل خلف الرجل (٥٩٦٧)، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من مات علی التوحید دخل الجنة قطعًا (٣٠).

کہ ''تیرے آباؤ اجداد کا مجھ پر کیا حق ہے؟'' اس کا عقیدہ صحیح ہے۔ اگر اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ مخلوق کا خالق پر اس طرح کا کوئی حق نہیں جس طرح کا مخلوق پر مخلوق کو حاصل ہوتا ہے اور جس کو پورا کرنا اس پر واجب ہوتا ہے جیسا کہ بہت سے جاہل عبادت گزار یہ عیقدہ رکھتے ہیں کہ انبیاء وصلحاء کرام کو اپنی عبادت و بندگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر حق حاصل ہے تو یہ درست نہیں۔ جاہل لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انسان اپنی عبادت اور علم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر ایسا ہی حق حاصل کر لیتا ہے جیسا کہ مخلوق کو مخلوق پر ہوتا ہے۔ مثلاً لوگ اپنے بادشاہوں اور ان کے خدام کی خدمت بجا لاتے ہیں اور اس کے عوض ان سے مفادات حاصل کرتے ہیں، ان کی مصیبت اور تکلیف کو دور کرتے ہیں اور اس خدمت کے عوض انعام واکرام کا تقاضا کرتے ہیں۔ جب کبھی یہ خادم اپنے بادشاہ کی طرف سے سختی اور بے رخی کا مشاہدہ کرتے ہیں تو اس سے کہتے ہیں کہ کیا ہم نے آپ کی فلاں اور فلاں خدمت نہیں کی'' اس طرح وہ اپنی خدمات کا اس پر احسان جتلاتے ہیں اگر وہ زبان سے ان جذبات کا اظہار نہ بھی کریں تو دل میں یہ احساسات ضرور موجود ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس طرح کا خیال انسان کی جہالت اور ظلم پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے غیر مبہم الفاظ میں واضح فرما دیا ہے کہ انسان جو نیک کام بھی کرتا ہے اس کا فائدہ اسی کو پہنچتا ہے اور اللہ تعالیٰ مخلوق کی نیکیوں سے بے نیاز ہے۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ط ﴾

(بنی اسرائیل: ۷)

''اگر تم نیکی کرو گے تو اپنے لیے اور اگر برا عمل کرو گے تو اس کا وبال بھی تم پر ہی ہوگا۔''

﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ

لِّلْعَبِيدِ ۝ ﴾ (حمٓ السجده: ٤٦)

''جو نیک کام کرے گا تو اپنے لیے اور جو برے کام کرے گا تو ان کا ضرر اسی کو ہوگا اور تمہارا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔''

﴿ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنْكُمْ وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَاِنْ تَشْكُرُوْا یَرْضَهُ لَكُمْ ط ﴾ (الزمر: ٧)

''اگر تم ناشکری کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم سے بے نیاز ہے۔ اور وہ اپنے بندوں کے لیے ناشکری پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو گے تو وہ اس کو تمہارے لیے پسند کرے گا۔''

﴿ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ كَرِیْمٌ ۝ ﴾ (النمل: ٤٠)

''اور جو شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدے کے لیے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو بے شک پروردگار بے پرواہ اور کرم کرنے والا ہے۔''

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے قصہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ ۝ وَقَالَ مُوْسٰی اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۝ ﴾ (ابراهیم: ٧،٨)

''اور موسیٰ علیہ السلام نے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر تم اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب ناشکری کرو تو اللہ بھی بے نیاز اور قابل تعریف ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَلَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَنْ یَّضُرُّ اللّٰهَ شَیْئًا ۝ ﴾ (ال عمران: ١٧٦)

''اور جو لوگ کفر میں جلدی کرتے ہیں، ان کی وجہ سے غمگین نہ ہونا، یہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کر سکتے۔''

﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (ال عمران : ۹۷)

''اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھے وہ اس کا حج کرے اور جو اس حکم کی تعمیل نہیں کرے گا تو اللہ بھی اہل عالم سے بے نیاز ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ وہ عمل کرنے والوں پر احسان کرنیوالا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ﴾

(الحجرات : ۱۷)

''یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ کہ دو کہ اپنے اسلام کا مجھ پر احسان نہ رکھو بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں سیدھا راستہ دکھایا اگر تم سچے (مسلمان) ہو۔''

﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾ (الحجرات : ۷-۸)

''اور جان رکھو کہ تمہارے اندر اللہ کا رسول ہے اور بہت سی باتوں میں وہ تمہارا کہا مان لے تو تم مشکل میں پڑ جاؤ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایمان کو

عزیز بنا دیا ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا اور کفر و گناہ اور نافرمانی سے تم کو بیزار کر دیا۔ یہی لوگ راہِ راست پر ہیں۔ یعنی) اللہ کے فضل اور احسان سے۔ اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔"

صحیح حدیث قدسی میں ہے:

((يَا عِبَادِيْ! اَنَّكُمْ لَنْ تَبْلُغُوا ضَرِّي فَتَضُرُّونِيْ وَلَنْ تَبْلُغُوْا نَفْعِيْ فَتَنْفَعُوْنِيْ. يَا عِبَادِيْ! اِنَّكُمْ تَخْطِئُونَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَاَنَا اَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا وَّلَا اُبَالِي، فَاسْتَغْفِرُوْنِي اَغْفِرْلَكُمْ، يٰعِبَادِيْ! لَو اَنَّ اَوَّ لَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلٰى اَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُّلْكِي شَيْئًا يٰعِبَادِي! لَو اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰى اَتْقٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ مَّازَادَ ذٰلِكَ فِيْ مُلْكِيْ شَيْئًا يٰعِبَادِيْ! لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوْا فِي صَعِيدٍ وَّاحِدٍ فَاسْئَلُونِي فَاَعْطَيْتُ كُلَّ اِنْسَانٍ مِّنْهُمْ مَسْاَلَتَهُ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِمَّا عِنْدِي اِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمَخِيطُ اِذَا اُدْخِلَ الْبَحْرَ.)) [1]

"اے میرے بندو! تم مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے پس تم مجھے کوئی تکلیف دے کر دیکھو، نہ تم مجھے نفع ہی پہنچا سکتے ہو، پس مجھے نفع پہنچا کر دیکھو اے میرے بندو! تم دن رات خطائیں کرتے ہو اور میں تمام گناہ معاف کر دیتا ہوں اور مجھے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ پس مجھ سے بخشش مانگو۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور پچھلے اور انسان اور جن تم میں سے کسی ایسے آدمی کی طرح ہو جائیں جس کا دل سب سے زیادہ فاجر ہو تو یہ میری سلطنت میں کسی کمی کا

[1] صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الظلم (۲۵۷۷).

باعث نہ ہوگا۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور پچھلے اور جن اور انسان تم میں سے کسی سب سے بڑے متقی کی طرح ہو جائیں تو یہ میری سلطنت میں کوئی اضافہ نہیں کرے گا۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور پچھلے، جن اور انسان سب ایک ہی جگہ کھڑے ہو کر مجھ سے سوال کریں اور ان میں سے میں ہر ایک کا سوال پورا کردوں تو اس سے میرے خزانے میں کوئی کمی نہ ہوگی مگر اتنی کمی کہ اگر سوئی کو سمندر میں ڈالا جائے اور پھر نکال لیا جائے تو سمندر میں واقع ہوتی ہے۔''

خالق ومخلوق میں فرق

خالق اور مخلوق میں کئی وجوہ ممتاز ہیں جو کسی ایسے شخص سے مخفی نہیں جو ادنیٰ بصیرت رکھتا ہے۔ ان امتیازات میں سے ایک تو یہ ہے کہ رب العزت بنفسہٖ غنی ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں اور وہ اس بات سے منع کرتا ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے پاس اپنی حاجت پیش کرے۔ بادشاہ اور غلاموں کے آقا اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے دوسروں کی مدد و تعاون کے محتاج ہیں دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ بہت بزرگ و برتر ہے۔ اگرچہ وہ اپنے بندوں کے اعمال صالحہ کو پسند کرتا ہے۔ اور اُن کی توبہ سے راضی اور خوش ہوتا ہے لیکن ان چیزوں کا وہ خود ہی خالق ہے اور ان اعمال کے ظہور کو وہی آسان بناتا ہے۔ لہٰذا جو کام بھی وہ پسند کرتا ہے وہ اس کی قدرت ومشیت کے تحت ہی ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ یہ ظواہر اور اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے۔ جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر ایمان لانے کے بدلہ میں اپنے بندوں پر انعام واکرام کرتا ہے قدریہ اس سے مختلف مذہب کے پیرو ہیں۔ اس کے برعکس مخلوق جس کام کو پسند کرتی ہے وہ اپنے وجود کے لیے دوسروں کی مرہونِ منت ہے۔ تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایسے کاموں کا حکم دیا ہے جن میں ان کی

بہتری مضمر ہے اور ایسے کاموں سے روکا ہے جو ان کے لیے مضرت اور نقصان کے موجب ہیں جیسا کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس لیے حکم نہیں دیا کہ اس کی کوئی حاجت ان سے اٹکی ہوئی ہے۔ جن چیزوں سے اللہ نے ان کو روکا ہے اس کی وجہ بخل نہیں ہے بلکہ ان کو ان کاموں کا حکم دیا جو ان کے لیے مفید ہے اور ان کاموں سے روکا جو ان لیے باعثِ ضرر تھے''

اس کے برعکس مخلوق ایسے کاموں کا حکم دیتی ہے جن کی اسے احتیاج ہوتی اور انہی کاموں سے روکتی ہے جن سے اسے بخل لاحق ہوتا ہے۔ یہ قول بھی اہل سنت والجماعت کے مسلک کے عین مطابق ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت و رحمت کا اثبات کرتے ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو صرف خیر کا حکم دیتا ہے جو ان کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے اور صرف شر سے روکتا ہے جو ان کے لیے نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جبریہ کا عقیدہ یہ ہے کہ ''اللہ تعالیٰ بندوں کو انہی کاموں کا حکم دیتا ہے جن میں ضرر و تکلیف ہوتی ہے۔ اور ان باتوں سے روکتا ہے جو ان کے لیے فائدہ مند ہوں۔ چوتھے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بھیج کر اور الہامی کتابوں کو نازل فرما کر بندوں پر احسان کیا ہے۔ اس نے اپنے عظیم احسان کی بدولت انسان کو قدرت و حواس وغیرہ عطا کیے ہیں جن کے ذریعہ وہ علم اور عملِ صالح کرتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کو راہ ہدایت دکھاتا ہے۔ اور اس کے سوا کسی کے پاس نہ حقیقی قوت ہے اور نہ طاقت۔ اسی لیے اہلِ جنت کہیں گے:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۝ ﴾ (الاعراف: ٤٣)

اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں یہاں کا راستہ دکھایا اور اگر اللہ تعالیٰ ہم کو راستہ نہ دکھاتا تو ہم راستہ نہ پا سکتے۔ بیشک ہمارے پروردگار کے رسول حق بات لے کر

آئے تھے۔

مخلوق ہدایت کے سلسلہ میں کوئی اختیار نہیں رکھتی۔ پانچویں یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس قدر نعمتیں عطا کرتا ہے کہ ان کا شمار و قطار مشکل ہے۔ اگر عبادت کو نعمتوں کا بدلہ مان لیا جائے تو اللہ کی نعمتوں کی ایک نہایت ہی قلیل تعداد کا شکر بھی نماز کے ذریعہ ادا نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اس کی ہر نعمت کا شکر کیسے ادا کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ عبادت بھی اس کی نعمت ہے۔ چھٹے یہ کہ بندے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عفو اور بخشش کے محتاج ہیں۔ کوئی آدمی اپنے عمل کے بل بوتے پر جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔ ہر آدمی جو گناہوں کا مرتکب ہو اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ ط ﴾

(النحل: ٦١)

''اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اعمال کے سبب پکڑنے لگتا تو روئے زمین پر ایک بھی چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑتا۔''

جنت رحمتِ خداوندی پر منحصر ہے

نیز نبی اکرم ﷺ کا قول ہے کہ:

((لَنْ يَّدْخُلَ اَحَدٌ مِّنْكُمُ الْجَنَّةَ بِعَمَلِهٖ.))

''یعنی کوئی آدمی اپنے اعمال کی بدولت جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔''

یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿ جَزَآءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ ﴾ (سجدہ: ١٧)

''یہ جزا ہے کہ ان کے اعمال کی جو یہ کرتے رہے ہیں۔''

سے متناقض و متصادم نہیں ہے۔ ان الفاظ میں نفی باء مقابلہ و معارضہ کے ساتھ آئی

ہے، جیسے کہا جاتا ہے:

((بِعْتُ هٰذَا بِهٰذَا.))

''یعنی میں نے یہ چیز اس چیز کے عوض بیچی۔''

اور قرآن مجید کی آیت میں جو اثبات ہے، وہ بائے سببیہ کے ساتھ ہے۔ پس کوئی عمل اپنی جزاء کے مقابل وہم پلہ نہیں ہوتا۔ اگر چہ وہ جزا کا سبب ہوتا ہے۔ لہٰذا جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ جو کچھ فرائض اس کے ذمہ تھے وہ اس نے ادا کر دیے اور اب وہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور بخشش کا محتاج نہیں ہے، وہ پرلے درجے کا گمراہ ہے۔ صحیح حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَنْ يَّدْخُلَ اَحَدٌ الْجَنَّةَ بِعَمَلِهٖ.))

''کوئی آدمی اپنے عمل کے بل پر جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

((وَلَو اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟))

''یعنی یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ کے ساتھ بھی معاملہ یہی ہے؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَلَا اَنَا، اِلَّا اَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ مِّنْهُ وَفَضْلٍ))

''میں بھی نہیں، مگر اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت اور اپنے فضل میں چھپا لے گا۔''

ایک دوسری حدیث کے الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی مغفرت سے ڈھانپ لے گا۔ [1]

اسی ضمن میں ایک حدیث کتب سنن میں روایت ہوئی ہے۔ کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب القصد والمداومة على العمل (٦٤٦٤). صحيح مسلم، كتاب المنافقين، باب لن يدخل احد الجنة بعمله بل برحمة الله تعالى (٢٨١٦).

((إِنَّ اللّٰهَ لَوْ عَذَّبَ أَهْلَ سَمٰوٰتِهِ وَأَهْلَ أَرْضِهِ لَعَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرَ ظَالِمٍ لَّهُمْ. وَلَوْ رَحِمَهُمْ لَكَانَتْ رَحْمَتُهُ لَهُمْ خَيْرًا مِّنْ أَعْمَالِهِمْ.)) [1]

''اگر اللہ تعالیٰ آسمان والوں اور زمین والوں کو عذاب دے تو وہ ظالم نہیں ہوگا۔ اگر وہ ان پر رحمت کرے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہوگی۔''

جو شخص یہ کہتا ہے کہ خالق پر بھی مخلوق کا حق ہے وہ صحیح کہتا ہے اگر اس سے اس کی مراد وہ حق ہے جس کے پورا کرنے کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے میں سچا ہے اور وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ یہ حق اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر اپنی حکمت و رحمت اور اپنے فضل سے واجب قرار دے دیا ہے۔ اس حق کا مستحق جب اس حق کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے تو درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ سے اس وعدہ کے ایفاء کا سوال کرتا ہے یا وہ ایسے اسباب کے ذریعہ سوال کرتا ہے، جن کے ساتھ اللہ نے اپنی مشیت کو معلق کر دیا ہے۔ مثلاً اعمال صالحہ پس ایسا کرنا مناسب اور درست ہے لیکن جو شخص اس حق کا مستحق نہیں ہوتا اور اس شخص کے حق کے حوالہ سے سوال کرتا ہے۔ تو اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو اس مستحق شخص کی حرمت و جاہ کے حوالہ سے سوال کرتا ہے۔ یہ اس سائل سے ایک اجنبی امر کا سوال ہے۔ وہ اللہ سے کسی ایسے سبب کے واسطہ سے سوال نہیں کرتا جو قبولیتِ دعا سے کوئی مناسبت رکھتا ہو۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ حمیدہ کے واسطہ سے سوال کرنا، جو بندوں کو ہدایت، رزق اور نصرت عطا کرنے کا تقاضا کرتی ہیں، سب سے بڑا سبب ہے جس کے ذریعہ انسان اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے۔ پس مخالف کا یہ قول کہ بحق انبیاء کرام سوال نہیں کرنا چاہیے کیونکہ مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں ہے۔ ممنوع

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب فی القدر (٣٦٩٩)، سنن ابن ماجه، المقدمه، باب فی القدر (٧٧)، مسند احمد: ١٨٥/٥، کتاب السنة للامام عبدالله احمد بن حنبل (٨٤٦).

اور مردود ہے۔ اس کی وجہ ہے کہ بخاری و مسلم میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے حدیث درج ہے کہ بندوں کا اللہ پر حق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ط ﴾ (الانعام: ٥٤)

''اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر رحمت واجب کر لی ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾ (الروم: ٤٧)

''اور ایمان والوں کی نصرت ہم پر ان کا حق ہے۔''

معترض سے کہا جائے گا کہ اس مسئلہ میں دو طرح سے بحث کی جائے گی۔

اولاً:...... کیا مخلوق کا خالق پر کوئی حق ہے؟

ثانیاً:...... کیا اس حق کے واسطے سے خالق سے سوال کیا جا سکتا ہے؟

جہاں تک پہلے مسئلہ کا تعلق ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے اطاعت گزار بندوں کو اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ اور سائلین کی حاجت روائی فرمائے گا۔ وہ اپنے قول کا سچا ہے۔ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا وَّمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ○ ﴾ (النساء: ١٢٢)

''اور اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اور اللہ سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہوگی۔''

﴿ وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ ﴾

(الروم: ٦)

''(یہ) اللہ کا وعدہ (ہے) اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''

﴿ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ط ﴾ (الحجر: ٤٧)

''تم اللہ کو اپنے رسولوں سے کیے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کرنے والا ہرگز

نہ سمجھو۔''

تمام اہلِ علم اس پر متفق الرائے ہیں کہ اس وعدہ الٰہی کا پورا ہونا لابدی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کا وعدہ کیا ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کیا اس حق کے علاوہ بھی اللہ پر کوئی حق ہے؟ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اس مسئلہ میں تین اقوال ملتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ اللہ کے علاوہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ مخلوق کی طرح اس پر بھی واجبات پر عمل کرنا اور محرمات سے بچنا لازمی اور واجب ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ''وہ خود ہی اپنے اوپر کوئی چیز واجب کر لیتا ہے اور کسی چیز کو حرام قرار دے لیتا ہے۔ لہٰذا اس پر وہی چیز واجب ہے جو اس نے خود اپنی ذاتِ اقدس پر واجب کر لی ہے۔ اور وہ وہی کام نہیں کرتا جو اس نے اپنے اوپر حرام ٹھہرالیا ہے۔ حضرت ابی ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ بات ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ ظالم نہیں

تمام علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ظلم کا صدور محال ہے البتہ جو ظلم واقع نہیں ہوتا ہے اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایسا ظلم محال ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ظلم کے سوا ہر فعل کا صدور ممکن ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ظلم تو کسی دوسرے شخص کی ملکیت میں تصرف ہے، یا ایسے حکم کی خلاف ورزی ہے جس کی اطاعت اس پر واجب ہو، یہ دونوں باتیں اس سے محال ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بندوں کا ظلم ہی اللہ کا ظلم ہے۔ بعض دوسرے لوگوں کی رائے ہے کہ ظلم کے معنی ہیں:

((وَضْعُ الشَّيْءِ فِي غَيْرِ مَوْضِعِهٖ.))

یعنی کسی چیز کو کسی دوسری چیز کے مقام پر رکھنا۔ اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان پر کوئی ظلم نہیں کرتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ۝ ﴾ (طٰهٰ: ١١٢)

''اور جو شخص کوئی نیکی کا کام کرتا ہے، اور وہ مومن ہے اسے نہ کسی ظلم اور نہ کسی نقصان سے ڈرنا نہیں چاہیے۔''

مفسرینِ قرآن ظلم کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ظلم کے معنی ہیں کسی آدمی کو دوسروں کی برائیوں کا ذمہ دار ٹھہرانا اور اسے بغیر کسی گناہ کے عذاب دینا۔ ہضم کے معنی کسی کی نیکیوں کو ضائع کر دینا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَّاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ﴾ (النساء: ٤٠)

''اللہ تعالیٰ (کسی پر) ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ اگر کوئی نیکی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دگنی کر دے گا۔ اور اپنے پاس سے اجرِ عظیم عطاء فرمائے گا۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

﴿ وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ط ﴾ (ھود: ١٠١)

''ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔''

دوسرے مسئلہ کے بارے میں کہا جاتا ہے: ''کہ اللہ اور اس کے رسولِ مقبول ﷺ نے جس چیز کے بارے میں واضح فرما دیا کہ یہ مخلوق کا اللہ پر حق ہے تو وہ اللہ پر مخلوق کا حق قرار دیا جائے گا۔ لیکن جہاں تک اس حق کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے کا تعلق ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ: ''اگر حق، جس کا واسطہ دے کر سوال کیا جاتا ہے، سوال کی قبولیت کا سبب ہے تو اس کے واسطہ سے سوال کرنا نہایت عمدہ بات ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے اپنے عبادت گزار اور سائل بندوں کا حق اپنے اوپر واجب کر لیا ہے لیکن اگر کوئی شخص کہے کہ ''میں بحق فلاں و فلاں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔'' تو اگر چہ ان کا اللہ تعالیٰ پر حق ہے۔ کہ

وہ ان زاہد و عابد لوگوں کو عذاب میں مبتلا نہ کرے، ان کو اجر و ثواب سے نوازے اور ان کے درجات بلند فرمائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور وعدہ کو پورا کرنا اپنے اوپر قرار دے لیا ہے لیکن ان کے استحقاق کا فائدہ اسے کیسے پہنچ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں انہیں جو شرف و کرامت حاصل ہے وہ سائل کے مطلوب کے حصول کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ یہ استحقاق تو انہی لوگوں کو پہنچتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان و اطاعت کی توفیق بخشی ہے۔ سائل کو یہ استحقاق حاصل نہیں ہے۔ ان بزرگوں کو جو بزرگی اللہ تعالیٰ کے ہاں حاصل ہے، وہ سائل کی دعا کی قبولیت کا موجب نہیں ہے۔ البتہ کسی بزرگ کی شفاعت اور دعا صحیح ہے اگر وہ بزرگ سائل کے لیے سفارش اور دعا کرے اگر وہ سائل کے حق میں سفارش اور دعا نہیں کرتا تو محض اس کا مقام و مرتبہ سائل کے لیے اجابت دعا کا سبب نہیں ہوسکتا، اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت، اس پر ایمان اور اس کے ساتھ دوستی کو اپنی دعا کی قبولیت کا سبب بنایا ہے تو یہ سبب جائز اور مشروع ہے۔ یہ سبب سائل کا اپنے ایمان، اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت اور ان کے احکامات کی پیروی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا اور اس کے ہاں وسیلہ تلاش کرنا ہے۔ لیکن لازم ہے کہ ہم اللہ سے محبت اور مخلوق سے محبت کے درمیان فرق و امتیاز کو ملحوظ رکھیں۔ جو شخص مخلوق سے ایسی محبت کرتا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مختص ہے وہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا مد مقابل بناتا ہے ایسی محبت سراسر موجب ضرر ہے۔ اس کے اندر فائدہ کا کوئی پہلو نہیں پایا جاتا۔ البتہ جو شخص تمام مخلوق سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور انبیاء و صلحاء سے بھی محبت رکھتا ہے اس کی اللہ سے یہ محبت تمام چیزوں سے زیادہ نافع اور سودمند ہے۔ ان دونوں محبتوں میں فرق ملحوظ رکھنا بہت بڑا کام ہے۔ اگر کہا جائے کہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان اور آپ کی اطاعت و محبت کے ذریعہ وسیلہ ڈھونڈنا دو وجوہ کی بنیاد پر ہے۔ کبھی تو اس کو ثواب اور جنت کے حصول کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ اور یہ بہت بڑا وسیلہ ہے اور کبھی اس کے ذریعہ دعا میں وسیلہ ڈھونڈا جاتا ہے۔

جیسا کہ مثالوں سے واضح ہو چکا ہے تو سائل کے قول:

((اَسَاَلُكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ ﷺ.))

''میں تیرے نبی محمد ﷺ کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں۔''

کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ دراصل وہ کہنا چاہتا ہے کہ:

((اِنِّی اَسْاَلُكَ بِاِيْمَانِی بِهٖ وَبِمُحَبَّتِهٖ وَاَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِاِيْمَانِی بِهٖ وَمَحَبَّتِهٖ.))

''(اے اللہ!) میں تجھ سے (حضور ﷺ) پر ایمان اور ان سے محبت کے حوالہ سے سوال کرتا ہو اور میں اپنے ایمان اور ان کے ساتھ محبت کو تیرے پاس وسیلہ بناتا ہوں۔''

یہ پہلے ہی بیان ہو چکا ہے کہ یہ سوال بلا اختلاف رائے جائز ہے جو شخص اس ارادہ سے آپ کے حوالہ سے دعا کرتا ہے وہ درست ہے اور اس میں کسی کو اعتراض نہیں ہے۔ اگر یہی معنی لیے جائیں تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ مثلاً امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ کا نبی اکرم ﷺ کے بعد بھی آپ کو وسیلہ بنانا درست اور صحیح ہے۔ اس صورت میں مسئلہ میں کوئی وجہ نزاع نہیں رہتی لیکن عوام الناس کی متعدبہ تعداد اس لفظ کو مطلقاً استعمال کرتی ہے اور وہ اس لفظ کے مذکورہ معنی مراد نہیں لیتے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بناتے تھے تو ان کی اس سے مراد آپ کو دعا اور شفاعت کو وسیلہ بنانا ہوتا تھا۔ یہ بلا نزاع واختلاف جائز ہے۔ لیکن ہمارے دور میں لوگوں کی ایک کثیر تعداد اس لفظ کو اس معنی میں نہیں لیتی۔

رشتہ داری کا وسیلہ

اگر کوئی شخص رشتہ داری کے حوالہ سے کسی دوسرے شخص سے سوال کرتا ہے تو کہا جائے گا کہ رشتہ دار کا رشتہ داروں پر حق ہے جس کی ادائیگی واجب قرار دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا

فرمان ہے:

﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ط ﴾ (النساء: ۱)

''اور اللہ سے ڈرو جس کے ذریعہ تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتہ داروں (کے حقوق) کا خیال رکھو۔''

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

((اَلرِّحِمُ شُجْنَةٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ، مَنْ وَّصَلَهَا وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعَهُ اللّٰهُ.)) [1]

''رحم (رشتہ) رحمٰن کی ایک شاخ ہے جس نے صلہ رحمی کی، اللہ اسے جوڑے گا اور جس نے قطع رحمی کی، اللہ بھی اسے کاٹے گا۔''

نبی اکرم ﷺ نے مزید فرمایا:

((لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الرَّحِمَ تَعَلَّقَتْ بِحَقْوَی الرَّحْمٰنِ ، وَقَالَتْ هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِبِكَ مِنَ الْقَطِیْعَةِ فَقَالَ اَلَا تَرْضِیْنَ اَنْ اَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ وَاَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ قَالَتْ: بَلٰی قَدْ رَضِیْتُ.)) [2]

''جب خدائے رحمٰن نے رحم کو پیدا کیا تو وہ رحمٰن کی کمر کے ساتھ معلق ہوگئی اور کہا یہ قطع رحمی سے تیری پناہ مانگنے کی جگہ ہے۔ اس پر (اللہ نے فرمایا) کیا تو خوش نہیں کہ جو تجھے جوڑے گا میں بھی اسے جوڑوں گا او جو تجھے کاٹے گا میں اسے کاٹوں گا؟ اس نے کہا: ہاں میں راضی ہوگئی۔''

ایک اور موقعہ پر آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الادب، باب من وصل وصله اللّٰه (۵۹۸۹)، صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب صلة الرحم تحریم قطعیتها (۲۵۵۵).

[2] مسند احمد: ۳۳۰/۲، صحیح البخاری، کتاب التفسیر سورۃ محمد، باب " وتقطعوا ارحامکم " (۴۸۳۰)، صحیح مسلم، ایضًا (۲۵۵۴).

((يَقُولُ اللّٰهُ اَنَا الرَّحْمٰنُ خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَشَقَقْتُ لَهَا اِسْماً مِّنْ اِسْمِي، فَمَنْ وَّصَلَهَا وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَّتُّهُ.))[1]

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں رحمٰن ہوں میں نے رحم پیدا کیا اور اپنے نام سے اس کا نام مشتق کیا پس جس نے اسے جوڑا میں اسے جوڑوں گا اور جس نے اسے کاٹا میں اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کبھی آپ کا بھتیجا آپ سے اپنے باپ جعفر کا واسطہ دے کر سوال کرتا تو آپ اس کا سوال پورا کر دیتے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے اوپر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا حق تسلیم کرتے تھے۔ رشتہ داروں کا حق ان کی وفات کے بعد بھی قائم رہتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا:

((يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ! هَلْ بَقِيَ مِنْ بِرِّ اَبَوَيَّ شَيْءٌ اَبَرُّهُمَا بِهٖ بَعْدَ مَوْتِهِمَا؟ قَالَ نَعَمْ! اَلدُّعَاءُ لَهُمَا وَالْاِسْتِغْفَارُ لَهُمَا وَاِنْفَاذُ وَعْدِهِمَا مِنْ بَعْدِهِمَا، وَصِلَةُ رَحِمِكَ الَّتِي لَا رَحِمَ لَكَ اِلَّا مِنْ قِبَلِهِمَا.))[2]

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا کوئی ایسی نیکی ہے جو میں اپنے والدین کی وفات کے بعد بھی اس سے کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں!'' ان کے لیے دُعا کرنا، ان کے لیے بخشش مانگنا، ان کا وعدہ پورا کرنا اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا، جن سے تیرا براہِ راست کوئی تعلق نہیں، بلکہ صرف ان (والدین) کی وجہ سے رشتہ ہے۔''

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ، باب فی صلۃ الرحم (١٦٩٤)، سنن الترمذی، البر والصلۃ، باب ما جاء فی قطعیۃ الرحم (١٩٠٧).

[2] مسند احمد: ٤٩٨٣، الموضح، للخطیب: ٧٦/١، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی بر الوالدین (٥١٤٢)، سنن ابن ماجه، کتاب الادب، باب صل من کان ابوك یصل (٣٦٦٤)، سلسلة الاحادیث الضعیفة (٥٩٧).

ایک دوسری حدیث میں جسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ اس طرح صلہ رحمی کی تعلیم دی گئی ہے:

((اِنَّ مِنْ اَبَرِّ الْبِرِّ اَنْ يَّصِلَ الرَّجُلُ اَهْلَ وُدِّ اَبِيهِ بَعْدَ اَنْ يُّوَلِّيَ.)) [1]

''سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کی موت کے بعد اس کے دوستوں سے صلہ رحمی کرے۔''

اس سے ثابت ہوا کہ کسی آدمی کی وفات کے بعد اس کے اعزا و اقارب اور اس کے دوستوں سے صلہ رحمی ایک کامل نیکی ہے۔

مسلک حنفی

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اہلِ علم کا یہ قول کہ کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مخلوق کے کسی حق کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے سوال کرے خواہ وہ کوئی نبی ہو یا غیر نبی، دو معنی رکھتا ہے، جیسا کہ پہلے ہی ذکر کیا جا چکا ہے۔ **اولاً** اللہ تعالیٰ کو اس مخلوق کی قسم دلانا، جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ جمہور علمائے دین کے نزدیک یہ ممنوع ہے۔ مثلاً اس بات سے منع کیا گیا کہ کعبۃ اللہ اور مشعر حرام کی قسم اللہ تعالیٰ کو دلائی جائے۔ **ثانیاً** اس مخلوق کے واسطہ سے اللہ سے سوال کرنا۔ ایک گروہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور اپنے مذہب کی تائید میں اسلاف میں سے بعض کے اقوال نقل کیے ہیں۔ اس طرح کے الفاظ لوگوں کی ایک معتد بہ تعداد کی دعاؤں میں بھی ملتے ہیں لیکن اس ضمن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو روایات نقل کی گئی ہیں وہ سب کی سب ضعیف بلکہ موضوع اور من گھڑت ہیں آپ سے کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے۔ جس کو یہ لوگ حجت کے طور پر پیش کر سکیں۔ صرف ایک نابینا صحابی کی حدیث ملتی ہے جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذیل کی دعا کی تعلیم دی:

---

[1] صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب فضل صلة اصدقا والأب الأم ونحوهما (٢٥٥٢).
سنن الترمذى، باب البر والصلة، باب ماجاء فى اكرام صديق الوالد (١٩٠٣).

((اَسْأَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ .)) ❶

''(اے اللہ!) میں تیرے نبی محمد ﷺ جو نبی رحمت ہیں کے واسطہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔''

لیکن اس مسئلہ میں ''حدیث نابینا'' ان کو کوئی حجت مہیا نہیں کرتی، اس حدیث سے یہ صراحت ہوتی ہے کہ نابینا صحابی نے نبی اکرم ﷺ سے صرف دعا ہی کی درخواست کی تھی چنانچہ آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ:

((اَللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِيَّ .))

''اے اللہ! میرے حق میں ان کی شفاعت قبول فرما۔''

کے الفاظ کے ساتھ دعا مانگے۔ لہٰذا جب نبی اکرم ﷺ نے اس نابینا صحابی کے لیے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی لوٹا دی۔ اور یہ واقعہ آپ ﷺ کے معجزات میں شمار ہونے لگا۔ اگر دوسرے نابینا لوگ جن کے لیے آپ نے دعا نہیں فرمائی آپ کو وسیلہ بنائیں تو ان کا معاملہ مختلف ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دعا

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارش کے لیے جو دعا مانگی تھی وہ مہاجرین وانصار میں مشہور تھی۔ اس دعا کے الفاظ یہ تھے:

((اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا اِذَا اَجْدَبْنَا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ فَتَسْقِيْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا .)) ❷

''اے اللہ! جب ہم خشک سالی کا شکار ہوتے تو تیرے پاس تیرے نبی کا وسیلہ

---

❶ مسند احمد: ١٣٨/٤، سنن الترمذی، الدعوات، (٣٥٧٨)، سنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلوات، باب ما جاء في صلاة الحاجة (١٣٨٥)، السنن الكبرىٰ للنسائي (١٠٤٩٥).

❷ صحیح بخاری، كتاب الاستسقاء، باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا (١٠١٠)، كتاب فضائل اصحاب النبي ﷺ (٣٧١٠).

پکڑتے اور تو بارش نازل فرما دیتا اب ہم تیرے نبی کے چچا کا وسیلہ تیرے پاس لاتے ہیں۔''

دعا کے مذکورہ الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک جو وسیلہ جائز اور مشروع تھا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء اور شفاعت کا وسیلہ ہے نہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے حوالہ سے سوال کرنا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذات کا وسیلہ جائز ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور تمام مہاجرین و انصار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے حوالہ سے سوال کو چھوڑ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے سوال کرنے کا طریقہ اختیار نہ کرتے۔

سوال اور قسم

انبیاء و صلحاء کرام کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے میں اختلاف ممکن ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کسی مخلوق کی قسم دلانا ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ سوال کرنے اور قسم دلانے میں بہت واضح فرق ہے۔ سائل تضرع اور انکساری کیساتھ ایک ایسے سبب کے ذریعہ جو قبولیت دعا کے لیے ضروری ہے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کو قسم دلانے والا سائل کی نسبت ایک اونچے مقام پر ہوتا ہے کیونکہ وہ قسم دے کر تاکید کے ساتھ اپنا مطالبہ پیش کرتا ہے۔ قسم دلانے والا اسی شخص کو قسم دلاتا ہے جس کے بارے میں اسے یقین ہوتا ہے کہ وہ اسی کی قسم پوری کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ قسم تو اپنے خاص بندوں ہی کی پوری کرتا ہے لیکن سوال تو وہ عام سائلین کا بھی پورا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مجبور و مضطر اور مظلوم شخص کی دعا قبول کر لیتا ہے خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ صحیح بخاری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا مِنْ دَاعٍ يَّدْعُوااللّٰهَ بِدَعْوَةٍ لَّيسَ فِيهَا اِثْمٌ وَّ لَا قَطِيعَةُ رَحِمٍ اِلَّا عْطَاهُ اللّٰهُ بِهَااِحْدٰى خِصَالٍ ثَلَا ثٍ اِمَّا اَنْ يُّعَجِّلَ لَهُ دَعْوَتَهُ وَاِمَّا

يَدَّخِرَ لَهُ مِنَ الْخَيْرِ مِثْلِهَا، وَاِمَّا اَنْ يُّصْرِفَ عَنْهُ مِنَ الشَّرِّ مِثْلُهَا.))[1]

''جو شخص بھی اللہ تعالیٰ سے ایسی دعا کرتا ہے جس میں نہ گناہ ہو اور قطع رحمی، اللہ تعالیٰ اس کو تین چیزوں میں ایک چیز عطا کر دیتا ہے یا تو اس کی دعا کو فوراً قبول کر لیتا ہے، یا اس کے لیے اس کی مثل ذخیرہ کر دیتا ہے یا اس سے ویسی ہی برائی دور کر دیتا ہے۔''

امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب

انبیاء علیہم السلام کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا جس طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگردوں کے نزدیک جائز نہیں ہے امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے ان کا کوئی معقول و مستند قول ایسا نہیں ملتا جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک سے متناقض ہو۔ جو شخص امام مالک کا یہ مذہب نقل کرتا ہے کہ وہ ایسے وسیلہ کے قائل تھے جس میں اللہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم دلائی جائے اور ان کی ذات کے حوالہ سے سوال کیا جائے تو وہ بالکل بے سرو پا بات کرتا ہے کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ سے جو قول روایت کیا جاتا ہے وہ یہ کہ ''یہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب و شتم اور ان کی تنقیص کے مترادف ہے'' نیز ان کا ایک معروف قول یہ بھی ہے کہ وہ کسی دعا کرنے والے کے لیے یا سیدی یا سیدی کہنا جائز نہیں رکھتے۔ بلکہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح ''یارب''، ''یارب'' یا کریم کہنے کی تلقین فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ ''یا حنان'' اور ''یا منان'' کے الفاظ کہنا بھی جائز نہیں رکھتے تھے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ الفاظ مروی نہیں ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ جب اس طرح دعا کو بھی جو ان کے نزدیک مشروع نہیں ہے جائز

---

[1] مسند احمد: ۳/۱۸، البزار (۳۱۴۴)، ابن ابی شیبه: ۱۰/۲۰۱. الادب المفرد للبخاری: ۷۱۰ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ سنن الترمذی، الدعوات، باب فی انتظار الفرج وغیر ذلك (۳۵۷۳)، عن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ.

نہیں رکھتے تو پھر ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو کسی مخلوق نبی یا غیر نبی کی قسم دلانا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ جبکہ وہ خوب جانتے تھے کہ جب نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں خشک سالی کے بادل چھا گئے تو صحابہٴ کرام رضی اللہ عنہم نے کسی مخلوق کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کیا تھا۔ بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کی تھی:

((اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا اِذَا اَجدَبْنَا نَتَوَسَّلُ اِلَیْكَ بَنَبِیِّكَ فَتَسقِیْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْكَ بِعَمِّ نَبِیِّكَ.))

"اے اللہ! جب ہم خشک سالی کا شکار ہوتے تو تیرے پاس تیرے نبی کا وسیلہ پکڑتے اور تو بارش نازل فرما دیتا اب ہم تیرے نبی کے چچا کا وسیلہ لائے ہیں۔"

اس دعا کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بارش نازل فرما دی۔ حضرت ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے بھی ثابت ہے کہ جب کبھی مسلمان قحط اور خشک سالی کا شکار ہوتے تو وہ نبی اکرم ﷺ کی دعا کو وسیلہ بناتے اور آپ ﷺ سے بارش کے لیے دعا کی درخواست کرتے۔ صحابہٴ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے بارے میں کوئی روایت منقول نہیں ہوئی ہے۔ کہ اس نے آنحضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں کسی مخلوق، نبی یا غیر نبی کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا ہو۔ ہم حدیث نابینا پر ان شاء اللہ جلد ہی بحث کریں گے۔

اگر رسول اللہ ﷺ کی ذات کو دعا میں وسیلہ بنانا صحابہٴ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ایک معروف فعل ہوتا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہتے کہ "حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی نسبت نبی اکرم ﷺ کی ذات سے سوال کرنا اور آپ کو وسیلہ بنانا کہیں بہتر ہے۔ ہمارے لیے مناسب نہیں کہ مشروع عمل جس پر ہم حضور کی زندگی میں عمل پیرا تھے یعنی افضل الخلائق ﷺ کا وسیلہ چھوڑ کر آپ کے بعض رشتہ داروں کا وسیلہ ڈھونڈیں۔ اس سے ایک مشروع طریقہ کا ترک، افضل و اولیٰ عمل سے روگردانی اور کمزور ترین سبب کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا

لازم آتا ہے۔ جب کہ ہم ارفع و اعلیٰ سبب کو وسیلہ بنانے کی قدرت رکھتے ہیں۔ ہم ''عام الرمادہ'' یعنی قحط سالی کے زمانہ میں سخت مصیبت اور بے کسی کی حالت کا شکار تھے لیکن ہم نے کسی مخلوق کو وسیلہ نہیں بنایا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بہت سے اکابر صحابہ اور تابعین کی موجودگی میں وہی عمل اختیار فرمایا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا۔ تمام مسلمانوں نے حضرت یزید بن اسود الجرشی کی دعا کو وسیلہ بنایا تھا، اسی طرح امام شافعی اور احمد رحمہما اللہ اور ان کے متبع فقہاء بھی بارش کے لیے اہلِ خیر و صلاح کو وسیلہ بناتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرباء میں سے کوئی زندہ ہو تو وہ سب سے افضل ہے۔ اہلِ علم میں سے کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں کہ کسی مخلوق، نبی یا غیر نبی کی ذات کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جائے۔

جو شخص امام مالک رحمہ اللہ کے بارے میں ایسی روایت نقل کرتا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی بزرگ کی موت کے بعد، ان کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے کو جائز سمجھتے تھے یا کسی بھی امام دین مثلاً امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کے بارے میں اس طرح کی بات نقل کرتا ہے، وہ ان پر تہمت لگاتا ہے۔ البتہ بعض جاہلِ مطلق لوگ امام مالک رحمہ اللہ کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں اور اس کی بنیاد امام مالک رحمہ اللہ سے منسوب ایک کثیر جھوٹی حکایت پر رکھتے ہیں۔ اگر اس خانہ ساز روایت کو صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی اس سے متنازعہ فیہ وسیلہ ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے قیامت کے دن آپ کی شفاعت کا جواز ثابت ہوتا ہے بلکہ التعداد لوگ اس روایت کا انکار کرتے ہیں۔ اور اس کی اصل تو بہت ہی کمزور ہے جیسا کہ ہم واضح کریں گے۔ (ان شاء اللہ)

ادب گاہیست زیرِ آسماں

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو اپنی کتاب ''زیارت روضہ نبی'' میں ذکر نہیں کیا،

بلکہ وہ روایت نقل کی ہے جو امام مالک اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کے ہاں معروف ہے۔
قاضی موصوف نے یہ روایت صرف یہ واضح کرنے کے لیے نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد بھی آپ ﷺ کی حرمت، توقیر اور تعظیم اسی طرح لازم ہے جس طرح آپ کی زندگی میں واجب تھی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب بھی آپ کا ذکر خیر ہو، آپ کی حدیث مبارکہ سنائی جارہی ہو، آپ کی سنت کا تذکرہ ہو یا آپ کا اسمِ گرامی سنا جائے تو آپ کی تعظیم و توقیر کی جائے۔

امام مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ان سے ایوب سختیانی رحمہ اللہ کی نسبت پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

''ایوب ان تمام لوگوں سے افضل ہیں جن سے میں تمہیں حدیث سناتا ہوں۔ انہوں نے دو مرتبہ حج کی سعادت حاصل کی۔ میں نے ان کو کافی عرصہ دیکھا ہے لیکن میں نے ان سے کچھ سنا نہیں۔ بجز اس کے کہ جب بھی نبی اکرم ﷺ کا ذکر مبارک آتا وہ رونے لگتے حتی کہ مجھے ان پر رحم آجاتا۔ جب میں نے ان کے اندر حضور کی غایت درجہ کی عزت و تکریم دیکھی تو میں نے ان سے حدیث لکھی۔

مصعب بن عبداللہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ''جب کبھی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حضور اکرم ﷺ کا ذکر کرتے تو ان کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ اور وہ جھک جاتے حتی کہ ان کے ہم مجلس پریشان ہو جاتے۔'' ایک دن ان سے اس سلسلہ میں پوچھا گیا تو فرمانے لگے ''جو کچھ میں دیکھتا ہوں اگر تم بھی دیکھ لیتے تو تم مجھ پر اس طرح اعتراض نہ کرتے۔ میں نے سید القراء محمد بن المنکدر کو دیکھا ہے جب کبھی ہم ان سے کوئی حدیث پوچھتے تو وہ زاروقطار رونے لگتے۔ حتی کہ مجھے ان پر رحم آجاتا۔ میں نے جعفر بن محمد کو بھی دیکھا ہے وہ بڑے ہنس مکھ اور خوش طبع تھے۔ ان کے پاس جب حضور اکرم ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو ان کا چہرہ زرد پڑ جاتا۔ میں نے ان کو کبھی بھی بے وضو حدیث رسول ﷺ بیان کرتے نہیں پایا۔ میں ایک مدت تک ان

کے پاس آتا جاتا رہا لیکن میں نے ان کو تین حالتوں میں دیکھا۔ یا تو وہ نماز میں مشغول ہوتے، خاموش بیٹھے ہوتے یا پھر قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہوتے۔ وہ کبھی فضول اور لایعنی باتوں میں حصہ نہ لیتے۔ وہ ایک ایسے عالم و عابد تھے جن کا دل خشیت الٰہی سے معمور تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن جب نبی اکرم ﷺ کا ذکر کرتے تو مارے ادب واحترام کے ان کا چہرہ زرد ہو جاتا۔ گویا کاٹو تو جسم میں خون نہیں، ان کی زبان خشک ہو جاتی اور اس سے کوئی لفظ نہ نکلتا۔ میں عامر بن عبداللہ بن زبیر رحمہ اللہ کے پاس آتا جاتا رہتا تھا۔ جب ان کے پاس نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہوتا تو وہ زار و قطار رونے لگ جاتے۔ حتی کہ ان کی آنکھیں خشک ہو جاتیں۔ اسی طرح امام زہری رحمہ اللہ کا معاملہ تھا وہ نہایت خوش طبع اور ملنسار تھے۔ ان کے پاس نبی اکرم ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو ان کی ایسی حالت ہو جاتی گویا نہ آپ ان کو پہچان سکتے ہیں نہ وہ تمہیں پہچانتے۔ صفوان بن سلیم رحمہ اللہ جو کہ بہت بڑے عابد اور مجتہد تھے، کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا۔ ان کے پاس حضور اکرم ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو وہ مسلسل روتے رہتے حتی کہ لوگ اٹھتے اور ان کو اسی حالت میں چھوڑ کر چلے جاتے۔

یہ تمام واقعات قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمہ اللہ کے اصحاب کی معروف کتابوں سے نقل کیے ہیں۔ اس کے بعد ایک حکایت بیان کی ہے جو سند کے لحاظ سے نہایت غریب اور منقطع ہے۔ کئی اہلِ علم نے روایت کیا ہے، جو اس طرح کی روایت کو بیان کرنا درست سمجھتے ہیں۔

ایک جھوٹی حدیث

ابن حمید روایت کرتے ہیں:

''ابوجعفر امیر المومنین نے امام مالک رحمہ اللہ سے مسجد نبوی میں مباحثہ و مناظرہ کیا۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا ''اے امیر المومنین! اس مسجد میں اپنی آواز بلند نہ کیا کرو۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو آداب سکھایا اور فرمایا:

﴿ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ط ﴾ (الحجرات: ٢)

''اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو۔''

اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی مدح اس طرح فرمائی ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﴾ (الحجرات: ٣)

''یہ وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں۔''

بعض لوگوں کی اللہ تعالیٰ مذمت فرماتا ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ ﴾ (الحجرات: ٤)

''یہ وہ لوگ ہیں جو حجرات کے باہر ہی سے آپ ﷺ کو پکارتے ہیں۔''

وصال کے بعد بھی آپ کی عزت وتکریم وہی ہے جو آپ ﷺ کی زندگی میں تھی۔ یہ آیات سن کر ابوجعفر ٹھنڈا پڑ گیا۔ اور کہا ''اے ابوعبداللہ رحمہ اللہ! کیا میں قبلہ کی طرف رخ کر کے دعا مانگوں، یا رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کی طرف رخ کر کے؟'' اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کی طرف سے اپنا رخ نہ پھیر کیونکہ وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اور تیرے جد امجد حضرت آدم کے لیے بھی وسیلہ ہیں بلکہ ان کی طرف رخ کر کے شفاعت کی درخواست کر اللہ تعالیٰ تیرے حق میں شفاعت قبول کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ ﴾ (النساء: ٦٤)

''اور یہ لوگ جب اپنے حق میں ظلم کر بیٹھے تھے اگر تمہارے پاس آتے اور بخشش طلب کرتے اللہ سے اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کے لیے بخشش طلب کرتے تو وہ اللہ کو معاف کرنے والا، مہربان پاتے۔''

یہ منقطع حدیث ہے

یہ ایک منقطع حکایت ہے کیونکہ اس کے راوی محمد بن حمید رازی نے امام مالک رحمہ اللہ سے ملاقات نہیں کی ہے۔ خصوصاً ابوجعفر منصور کے دور میں ان کے درمیان کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔ ابوجعفر نے سنہ ۱۵۸ ہجری میں مکہ میں وفات پائی جب کہ امام مالک ۱۷۹ ہجری میں اور محمد بن رازی سنہ ۲۴۸ ھ میں فوت ہوئے۔ حصول علم کے لیے وہ کبھی اپنے ملک سے باہر نہیں نکلے۔ جب وہ بڑی عمر کو پہنچ چکے تھے تو اپنے باپ کی معیت میں ملک سے باہر نکلے۔ اس کے علاوہ یہ حدیث اکثر فن حدیث کے ماہرین کے نزدیک ضعیف ہے۔ ابوزرعہ اور ابن وارہ نے اس کی تکذیب کی ہے۔ صالح بن محمد الاسدی کہتے ہیں کہ ''میں نے محمد بن حمید سے بڑھ کر اللہ کے مقابلہ میں جری اور دروغ بانی میں ماہر کسی دوسرے شخص کو نہیں دیکھا'' یعقوب بن شبیہ کہتے ہیں ''وہ اکثر منکر روایات بیان کرتا تھا'' امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ راوی نہیں ہے۔ ابنِ حبان رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ ''وہ ثقہ روایات کو چھوڑ کر مقلوب روایات بیان کرتا ہے۔'' امام مالک رحمہ اللہ کے الموطا کا سب سے آخری راوی ابومصعب ہے۔ جو سنہ ۲۴۲ ھ میں فوت ہوا۔ سب سے آخری راوی امام مالک رحمہ اللہ سے علی الاطلاق روایت کرتا ہے وہ ابوحذیفہ احمد بن اسماعیل السہمی ہے۔ جس نے سنہ ۲۵۹ ھ کو وفات پائی، اس روایت کی اسناد میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں جن کے حالات سے کوئی واقف نہیں ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے معروف اصحاب میں سے جو امام مالک رحمہ اللہ سے روایات نقل کرتے ہیں کسی نے اس بے سروپا حدیث کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ماہرین فن حدیث کی کثیر تعداد کے نزدیک محمد بن حمید ضعیف ہے خواہ وہ اسناد سے ہی روایت کرے۔ لہٰذا جب وہ مرسل طریقہ سے روایت بیان کرتا ہے تو اس کی حیثیت کیا ہوگی؟ یہ صورت تو اس وقت ہے جب امام مالک رحمہ اللہ سے کوئی قول ثابت ہو حالانکہ اصحابِ مالک اس پر متفق

ہیں کہ فقہی مسائل میں اس طرح کا کوئی قول امام مالک رحمہ اللہ سے ثابت نہیں ہے۔ اس کے برعکس اہلِ شام مثلاً ولید بن مسلم اور مروان بن محمد الطاطری ان سے روایت کرتے تو ان کی روایت کو ضعیف سمجھا جاتا ہے۔ اصحاب مالک صرف اہلِ مدینہ ومصر کی روایات پر اعتماد کرتے ہیں۔ پس امام مالک رحمہ اللہ سے منسوب وہ روایت کیسے قابل قبول سمجھی جاسکتی ہے۔ جو کئی وجوہ سے ان کے مشہور مذہب سے متعارض ہے اور جسے سوائے ایک خراسانی کے جو ان سے کبھی نہیں ملا اور تمام علمائے حدیث کے نزدیک ضعیف راوی ہے کسی نے روایت نہیں کیا ہے؟

حضور کی قبر کی طرف رخ کرنا اور مالکی مذہب

مزید برآں امام مالک رحمہ اللہ کا قول کہ قیامت کے روز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے اور تمہارے جدامجد آدم رحمۃ اللہ علیہ کا اللہ کے پاس وسیلہ ہوں گے" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قیامت کے دن آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا وسیلہ بنائے گی۔ یہ قیامت کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا وسیلہ ہوگا۔ یہ وسیلہ برحق ہے احادیثِ صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ قیامت کے روز لوگ حضرت آدم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئیں گے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لیے شفاعت کریں۔ آدم علیہ السلام ان کو نوح علیہ السلام کی طرف بھیجیں گے۔ اسی طرح نوح علیہ السلام ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف، حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے:

((اَنَا سَیِّدُ وُلْدَ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا فَخْرَ ،اٰدَمُ فَمَنْ دُوْنَهٗ تَحْتَ لِوَائِی یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا فَخْرَ.)) [1]

---

[1] مسند احمد ۳/۲، سنن الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة بنی اسرائیل (۳۱۴۸) والمناقب، باب "سلوا اللّٰہ لی الوسیلة" (۳۶۱۵)، عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ. صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب تفضیل نبینا صلی اللہ علیہ وسلم علی جمیع الخلق (۲۳۷۸) عن ابی هریره رضی اللہ عنہ.

''قیامت کے دن میں اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور اس میں کوئی فخر کی بات نہیں، آدم علیہ السلام اور دوسرے تمام انبیاء کرام علیہم السلام قیامت کے دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے۔''

اس کے علاوہ یہ روایت کئی وجوہ سے امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کے خلاف ہے۔ ابوجعفر نے جب سوال کیا کہ ''کیا میں قبلہ کی طرف رخ کر کے دعا مانگوں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی طرف منہ کر کے۔'' تو آپ رحمہ اللہ نے جواباً فرمایا: ''ان سے اپنا چہرہ نہ پھیر جبکہ وہ تمہارے اور تمہارے جد امجد آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہیں۔'' امام مالک رحمہ اللہ، دیگر ائمہ دین رحمہم اللہ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین سب کا معروف متفقہ مذہب یہ ہے کہ جب دعا مانگنے والا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجے اور اپنی ذات کے لیے دعا کا ارادہ کرے تو اسے قبلہ رخ ہو کر مسجد نبوی میں دعا مانگنا چاہیے۔ آپ کے روضۂ اقدس کی طرف منہ کر کے کسی کو اپنے لیے دعا نہیں کرنا چاہیے۔ البتہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے اور دعا کرتے وقت رخ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ منور کی طرف کیا جا سکتا ہے۔ یہ قول اکثر علماء مثلاً امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد رحمہم اللہ کا ہے۔ لیکن اصحاب امام ابوحنیفہ کے نزدیک آپ پر درود وسلام بھیجتے وقت رخ آپ کے روضہ کی طرف نہیں کرنا چاہیے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے وقت آپ کا حجرہ مبارک بائیں جانب رہنا چاہیے ابن وہب رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ سے ایک روایت بھی اس ضمن میں نقل کی ہے کہ آپ کا حجرہ مبارک پشت کی جانب رکھا جائے اور پھر آپ پر درود بھیجا جائے۔'' ان کے نزدیک مشہور مذہب یہی ہے۔ اس کے علاوہ امام مالک رحمہ اللہ نے آپ کے روضۂ اقدس پر طویل قیام کو مکروہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''المبسوط'' میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک قول روایت کیا ہے کہ میں اسے جائز نہیں سمجھتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس کھڑا ہو کر دعا کی جائے بلکہ آپ پر درود وسلام پڑھ کر چلتے بننا چاہیے۔ نیز انہوں نے حضرت

نافع رضی اللہ عنہ کا درج ذیل قول بھی بیان کیا ہے:

''ابن عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر سلام پڑھا کرتے تھے۔ میں نے ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر کم وبیش ایک سو مرتبہ آتے دیکھا۔ وہ کہتے:

((اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم ، اَلسَّلَامُ عَلٰی اَبِی بَکْرٍ، اَلسَّلَامُ عَلٰی اَبِی۔)) (اس کی تخریج صفحہ ۲۱۴ پر ملاحظہ فرمائیں)

''یعنی سلام ہو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر، سلام ہو ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اور سلام ہو میرے ابا جان حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر، وہ یہ الفاظ کہتے اور چلے جاتے۔''

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ منبر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی جگہ پر اپنا ہاتھ رکھتے اور پھر اپنے چہرے پر مل لیتے۔ ابن ابی قسیط اور القعنبی کی روایت ہے کہ جب مسجد خالی ہوتی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم منبر نبوی کے اس بازو کی طرف جھکتے جو آپ کے روضۂ اقدس کے سامنے ہوتا۔ پھر قبلہ رُخ ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے۔ مؤطا امام مالک رحمہ اللہ میں یحییٰ بن یحییٰ کی ایک روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر کھڑے ہوتے آپ پر اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر درود وسلام پڑھتے۔

ابن قاسم اور القعنبی کے مطابق وہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے لیے دعا فرماتے تھے۔ امام مالک رحمہ اللہ، ابن وہب رحمہ اللہ کی روایت میں کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس اس سلام کو پڑھتے:

((اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ.))

''اے نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کی سلامتی ہو۔ رحمت اور برکت ہو۔''

المبسوط میں قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ: ''ابن عمر، ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہم پر سلام بھیجتے تھے۔

- ابوالولید الباجی کہتے ہیں کہ ''میرے نزدیک وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ''صلوٰۃ''

کے لفظ کے ساتھ دعا مانگتے تھے۔ اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے لیے سلام کے لفظ کے ساتھ۔ کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ یہ دعا اس دعا کی تفسیر ہے جو ابن وہب کی روایت میں مذکور ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ ابن وہب کی روایت کے مطابق کہتے ہیں کہ جب کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجے اور ان کے لیے دعا کرے تو اسے اس طرح کھڑے ہونا چاہیے کہ اس کا رخ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور کی طرف ہو نہ کہ قبلہ کی طرف۔ پھر تھوڑا سا جھک کر سلام کرے لیکن آپ کی قبر کو ہاتھ نہ لگائے۔ جیسا کہ تشریح گزر چکی ہے۔ آپ پر صلوٰۃ، آپ کے لیے سلام اور دعا ہے۔ یہی معاملہ ہر اس دعا کا ہے جو اصحاب مالک رحمہم اللہ مثلاً ابن حبیب نے ''واضحہ'' میں اور دوسروں نے بھی بیان کی ہے۔ ابن حبیب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی المبسوط میں لکھا ہے کہ اہلِ مدینہ میں سے جو شخص مسجد نبوی میں داخل ہو یا باہر نکلے اس کے لیے مسجد نبوی کے پاس ٹھہرنا لازمی نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر وقوف صرف مسافروں کے لیے ضروری ہے۔ نیز وہ فرماتے ہیں:

> ''اس میں کوئی حرج نہیں کہ جو شخص سفر سے لوٹے یا سفر پر روانہ ہو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر ٹھہرے اور آپ پر درود بھیجے اور آپ کے لیے اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لیے دعا کرے۔''

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو بتایا گیا کہ اہلِ مدینہ جب بھی سفر پر روانہ ہوتے ہیں یا سفر سے لوٹتے ہیں تو وہ دن بھر میں ایک یا زیادہ مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتے ہیں۔ بسا اوقات وہ جمعہ کو اور دوسرے ایام میں ایک یا متعدد مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر وقوف کرتے ہیں گھنٹوں آپ کے لیے دعا کرتے ہیں اس پر امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:

> ''اپنے وطن کے کسی فقیہہ سے یہ بات مجھے نہیں پہنچی اس کا ترک ہی زیادہ اچھا ہے۔ اس امت کا آخری حصہ اسی چیز سے اصلاح پائے گا جس سے اس کے

پہلے حصہ نے اصلاح پائی۔ امت کے اولین کے متعلق مجھے یہ خبر نہیں پہنچی کہ وہ اس طرح کا کوئی عمل کرتے تھے۔ یہ عمل صرف سفر سے لوٹنے والوں اور سفر پر روانہ ہونے والوں کے لیے جائز ہے۔ باقی سب کے لیے مکروہ ہے۔

ابن قاسم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ''میں نے اہلِ مدینہ کو دیکھا کہ جب بھی وہ شہر سے باہر جاتے یا شہر میں داخل ہوتے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضری دیتے اور ان پر سلام بھیجتے''

ابوالولید الباجی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ''اہلِ مدینہ اور باہر سے آنے والے مسافروں میں فرق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسافر اسی غرض سے آتے ہیں جب کہ اہلِ مدینہ تو یہیں کے رہنے والے ہیں۔ وہ مدینہ میں حضور کی قبر کی زیارت اور آپ پر سلام بھیجنے کی غرض سے مدینہ میں داخل نہیں ہوتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے درج ذیل دعا فرمائی ہے:

((اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِی وَثَنًا يُّعْبَدُ.))

''اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا جس کی پوجا ہونے لگے۔''

نیز آپ نے فرمایا:

((اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰی قَوْمٍ نِ اتَّخَذُوا قُبُورَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدًا.)) [1]

''ان لوگوں پر اللہ کا سخت عذاب ہوا جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو مسجدیں بنا لیا۔''

آپ نے مزید فرمایا:

((لَا تَجْعَلُوا قَبْرِی عِيْدًا.)) [2]

''میری قبر کو میلہ گاہ نہ بناؤ۔''

---

[1] انظر رقم الحديث (٣٥). [2] مسند احمد ٣٦٧/٢، سنن ابی داؤد، كتاب المناسك، باب زيارة القبور (٢٠٤٢)، طبرانی الاوسط (٨٠٢٦).

احمد بن شعبہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں :

''جو شخص حضور کی قبر مبارک پر حاضری دے۔ وہ نہ تو اسے بوسہ دے نہ اسے چھوئے اور نہ وہاں دیر تک کھڑا رہے''

امام مالک رحمہ اللہ سے ''عتبہ'' میں روایت ہے کہ:

''جو شخص مسجد نبوی میں داخل ہو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے۔ میں نفلی نماز کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلیٰ کو پسند کرتا ہوں۔ البتہ فرضی نماز کے لیے اگلی صفیں افضل ہیں۔ مسافروں کے لیے نماز نفل گھروں میں پڑھنے کی بجائے مسجد نبوی میں پڑھنے کو ترجیح دیتا ہوں۔''

زیارتِ قبر نبی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

یہ امام مالک رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے انہوں نے جو روایات نقل کی ہیں وہ اس حقیقت کو واضح کر دیتی ہیں کہ صحابہ کرام آپ کے روضۂ اقدس کی زیارت صرف آپ پر درود بھیجنے اور آپ کے لیے دعا مانگنے کے لیے کرتے تھے۔ امام مالک رحمہ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر طویل قیام کو مکروہ تصور کرتے تھے۔ وہ اس بات کو بھی ناپسند کرتے تھے کہ اہلِ مدینہ جب بھی مسجد نبوی میں آئیں جائیں وہ آپ کی قبر مبارک پر حاضری دیں۔ صرف مسافر لوگوں کو اور اہلِ مدینہ کے لیے جو سفر سے لوٹیں یا سفر کا ارادہ کریں ایسا کرنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سلام و دعا ہے۔ جو شخص اپنی ذات کے لیے دعا مانگنے مسجد نبوی میں جاتا ہے اسے مسجد نبوی میں قبلہ رخ ہو کر دعا مانگنی چاہیے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے مذکور ہے۔ کسی صحابی کے بارے میں یہ منقول نہیں ہے کہ اس نے روضۂ اقدس کے پاس جا کر اپنے لیے دعا کی ہو۔ اس کے برعکس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعا مانگتے وقت بھی آپ کی قبر انور پر طویل قیام نہیں

کرتے تھے۔ پھر اپنی ذات کے لیے دعا کی خاطر وہ آپ ﷺ کے روضۂ اقدس پر کیسے حاضری دے سکتے تھے؟

حضور کی قبر کے پاس دعا و شفاعت

جہاں تک رسول اللہ ﷺ کی قبر انور کے پاس یا آپ کے وصال کے بعد حاجت روائی کی دعا اور شفاعت کی درخواست کرنے کا تعلق ہے۔ سلف صالحین میں سے کسی نے یہ کام نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ کی قبر انور پر دعا کی خاطر جانا شریعت میں جائز ہوتا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین یہ کام ضرور کرتے۔ یہی معاملہ آپ سے سوال کرنے کا ہے۔ جب معاملہ یہ ہے تو پھر آپ کی وفات کے بعد آپ سے دعا و حاجت روائی کی درخواست کرنا کیونکر ضروری ہوسکتا ہے؟ اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ مذکورہ بالا منقطع روایت اور امام مالک رحمہ اللہ کی طرف منسوب قول کہ "حضور کے روضہ کی طرف منہ کرو اور ان سے شفاعت کی درخواست کرو" امام مالک رحمہ اللہ پر صریح جھوٹ ہے یہ قول خود امام مالک رحمہ اللہ کے دوسرے مستند اقوال اور صحابہ و تابعین کے اقوال کے مخالف اور یہ ان افعال سے بھی متعارض ہے جن پر امام مالک رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب عامل رہے اور جن کو تمام علماء نے نقل کیا ہے۔ صحابۂ کرام اور سلف صالحین میں سے کسی نے بھی اپنی ذات کے لیے دعا کرتے وقت حضور کی قبر انور کی طرف رخ نہیں کیا ہے۔ چہ جائیکہ وہ حضور کی قبر اطہر کی طرف رخ کر کے آپ ﷺ سے سفارش و شفاعت کی درخواست کرتے اور کہتے:

"اے اللہ کے رسول! میرے لیے شفاعت کیجئے، میرے لیے دعا کیجیے۔"

ان میں سے کسی نے دین و دنیا کے مصائب کے بارے میں آپ ﷺ سے فریاد نہیں کی، نہ حضور ﷺ نے کسی نبی اور بزرگ کی قبر کے بعد، نہ ملائکہ سے سفارش کی درخواست کی ہے، نہ ان سے مصائب و آلام کے خلاف ان سے فریاد کی ہے۔ یہ تمام

مشرکانہ عمل یہود ونصاریٰ ،مشرکین بدعتی مسلمانوں کا وطیرہ ہیں۔سابقون الاولون مہاجرین وانصاراور تابعین وصالحین میں سے کسی نے یہ کام نہیں کیا ہے۔نہ کسی امام نے اس کا حکم دیا ہے۔ وہ آپ پر سلام بھیجتے تھے۔قریب سے حضور ﷺ پر سلام بھیجا جائے تو وہ بنفسِ نفیس اس کو سنتے ہیں۔اور اگر دور دراز علاقہ سے آپ پر سلام بھیجا جائے تو یہ ہدیہ سلام آپ کی خدمت میں پہنچا دیا جاتا ہے۔امام احمد رحمہ اللہ کی اس حدیث کو بطور حجت پیش کیا ہے۔جسے احمد اور ابوداؤد نے عمدہ سند کے ساتھ میوہ بن شریح المصری سے روایت کیا ہے۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ.)) [1]

''کوئی شخص مجھ پر سلام نہیں بھیجتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے حتی کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔''

قبر انور کی زیارت اور روایات

ائمہ دین حضور ﷺ کی قبر اطہر کے قریب آپ ﷺ پر سلام بھیجنے کے بارے صرف اسی حدیث پر اعتماد کرتے ہیں۔آپ کی قبر کی زیارت سے متعلق جتنی روایات ملتی ہیں وہ ساری کی ساری ضعیف ہیں۔مسائل دین میں ان میں سے کسی پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔یہی وجہ ہے کہ ان کی روایات کو صحاح ستہ اور سنن میں روایت نہیں کیا گیا۔ان کو صرف دارقطنی اور بزاز نے روایت کیا ہے جو ضعیف روایات کو روایت کرتے ہیں۔ زیارت قبر کے سلسلہ میں سب سے عمدہ روایت عبداللہ بن عمر العمری کی ہے۔لیکن یہ خود ضعیف اور جھوٹا ہے اس حدیث کے الفاظ ہیں:

---

[1] مسند احمد ۲: ۵۲۷، سنن ابی داؤد، کتاب المناسك، باب زیارة القبور (۲۰۴۱)، سنن کبری بیهقی ۲۴۵/۵، طبرانی اوسط، ۳۱۱٦ سلسلة الاحادیث الصحیحة (۲٤٦٦).

((مَنْ زَارَنِي بَعْدَ مَمَاتِي فَكَأَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي.))

"جس شخص نے مجھے میری وفات کے بعد دیکھا اس نے گویا مجھے میری زندگی میں دیکھا۔"

یہ جھوٹی روایت ہے اور اہلِ اسلام کے دین کے خلاف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جس نے حضور ﷺ کو ایمان کی حالت میں ان کی زندگی میں دیکھا، وہ آپ کا صحابی کہلایا خاص طور پر جس نے آپ کی طرف ہجرت کی اور آپ کی معیت میں جہاد کیا۔ اس کے مقام کے درجہ کا کیا کہنا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

((لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنْفَقَ أَحَدُكُمْ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ.)) [1]

"میرے صحابہ پر سب وشتم نہ کرو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کرے تو وہ ان کے مد (مٹھی بھر) سونا کے برابر نہیں ہوگا اور نہ نصف مد کے برابر۔"

صحابۂ کرام کے بعد اعمال واجبہ مثلاً حج، جہاد، نماز پنج گانہ اور درود وسلام کے ذریعہ کوئی بھی ان کی ہمسری نہیں کرسکتا پھر کوئی ایسے عمل کے ذریعہ ان کے ہم مرتبہ کیسے ہوسکتا ہے جو نہ واجب ہے نہ فرض۔ اس کے برعکس شریعت نے زیارت کی نیت سے آپ کی قبر انور کی طرف سفر کا حکم نہیں دیا بلکہ اس سے منع فرمایا ہے۔

نماز پڑھنے کی غرض سے مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کی طرف سفر مستحب ہے اور حج کے لیے کعبہ کی طرف تو سفر فرض ہے اگر کوئی شخص یہ واجب اور مستحب دونوں سفر اختیار کرتا ہے تو وہ کسی ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا جس نے حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں مسجد نبوی اور کعبۃ اللہ کی طرف سفر کیا۔ پھر کوئی شخص ایسا سفر اختیار کر کے جو شریعت میں ممنوع ہے کیسے صحابۂ کرام کا ہم مرتبہ ہوسکتا ہے؟ تمام ائمہ دین متفق ہیں کہ اگر کوئی شخص

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ: ۳۶۷۳۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب تحریم سب الصحابہؓ: ۲۵۴۱۔ عن ابی سعید الخدریؓ صحیح مسلم ایضاً: ۲۵۴۰ عن ابی ہریرہؓ

حضور ﷺ کی قبر اطہر کی زیارت کے سفر کی نذر مانتا ہے کسی اور نبی یا بزرگ کی قبر کی زیارت کی نذر مانتا ہے تو اس پر نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے۔ بلکہ ایسی نذر سے منع کیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص نماز پڑھنے کے لیے مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کی طرف سفر کی نذر مانتا ہے تو امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں ان میں سب سے واضع قول یہ ہے کہ نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ایسی نذر پوری کرنا واجب نہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی اسی مذہب کے قائل ہیں کیونکہ ان کا اصول ہے کہ صرف اسی نذر کو پورا کرنا واجب ہے جس کا پورا کرنا شریعت میں واجب قرار دیا گیا ہے۔ ان مساجد کی طرف آنا شرع میں واجب نہیں ہے۔ لہٰذا ان مساجد کی زیارت کی نذر کا پورا کرنا بھی واجب نہیں ہے۔ لیکن اکثر علماء کا خیال ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر ہے۔ صحیح بخاری میں نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ نَذَرَ اَنْ يُّطِيعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ ،وَمَنْ نَذَرَ اَنْ يَعْصِىَ اللّٰهَ فَلَا يَعْصِه.)) [1]

''ائمہ دین میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے کہ انبیاء وصلحاء کی قبور کی زیارت کے لیے سفر کرنا واجب ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے زمرے میں نہیں آتا۔ لہٰذا ایک غیر واجب اور غیر مشروع عمل کرنے والا کسی صحابی کے برابر کیسے ہوسکتا ہے؟ امام مالک رحمہ اللہ اس کو بھی مکروہ سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص کہے: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت کی'' ایسی بات کو وہ بہت برا سمجھتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے یہ نذر بھی زیارت قبر کی طرح مکروہ ہے۔ بعض اس کراہیت کی علت یہ بتاتے ہیں کہ:

---

[1] صحيح البخاري، كتاب الايمان والنذور، باب النذر في الطاعة (٦٦٩٦)، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية (٦٧٠٠).

''زائرِ قبر صاحب قبر سے افضل ہے۔ اصحاب مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ دونوں اقوال ضعیف اور بے بنیاد ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ لفظ ''زیارت'' ایک مجمل لفظ ہے اور اس میں بدعی زیارت'' جو شرک کی جنس سے ہے، بھی شامل ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر گزر چکا ہے۔ انبیاء اور اہل ایمان کی قبور کی زیارت کی دو شکلیں ہیں۔ (۱) زیارتِ شرعی۔ (۲) زیارتِ بدعی۔''

زیارت شرعی اور زیارت بدعی

زیارت شرعی وہ ہے جس کا مقصد وہاں جا کر انبیاء وصلحاء کرام پر سلامتی اور بلندی درجات کی دعا کرنا ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ جب کوئی آدمی فوت ہو جاتا ہے تو اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے آدمی میت کی طرف سفر کرتا ہے۔ زیارت کی دوسری قسم (زیارت بدعی) یہ ہے کہ آدمی اہلِ بدعت اور مشرکین کی طرح مردوں سے دعا مانگنے اور حاجت روائی کے لیے ان کی قبروں کی زیارت کرے یا یہ اعتقاد رکھے کہ ان کی قبروں کے پاس دعا کرنا مسجدوں اور گھروں میں دعا کرنے سے افضل ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کو ان کی قسم دلانا اور ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا ایک ایسا امر مشروع ہے جو قبولیت دعا کا تقاضا کرتا ہے اس نوع کی بدعی زیارت سے منع فرمایا گیا ہے چونکہ لفظ زیارت مجمل ہے اور اس میں حق و باطل دونوں کا احتمال موجود ہے۔ اس لیے امام مالک رحمہ اللہ نے اسے ترک کر کے ''سلام'' کا لفظ اختیار کیا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کی اس رائے پر اس حدیث کی بنا پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا جس میں حضور کی قبر انور کی زیارت یا وصال کے بعد آپ کی زیارت کا ذکر ہے کیونکہ وہ تمام احادیث ضعیف بلکہ موضوع ہیں۔ احکام شرعیہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

حدیث ''روضۃ من ریاض الجنۃ'' پر بحث:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَ مِنْبَرِیْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّةِ)) [1]

''میرے حجرے اور منبر کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔''

یہ روایت صحیح بخاری میں روایت ہوئی ہے۔ بعض لوگوں نے اس روایت کو بامعنی بیان کیا ہے اور بیتی کے بجائے قبری کا لفظ استعمال کیا ہے۔ آپ نے یہ الفاظ اس وقت فرمائے تھے جب آپ حیات تھے۔ اور آپ کی قبر کا کوئی نشان تک نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کو کسی صحابی نے قابلِ حجت نہیں سمجھا۔ حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان یہ نزع پیدا ہوا تھا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے؟ اگر یہ حدیث ان کے علم میں ہوتی تو وہ نزاع واختلاف کے موقعہ پر نص کا کام دیتی۔ لیکن آپ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں، جہاں آپ نے وصال فرمایا تھا، دفن کیا گیا۔

پھر ولید بن عبدالملک کی خلافت اور مدینہ میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی گورنری کے زمانہ میں مسجد نبوی کی توسیع کی گئی تو خلیفہ نے اپنے گورنر کو حکم دیا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجرات کو خرید کر مسجد میں شامل کرے۔ پس جو حجرات مشرق اور قبلہ کی جانب تھے ان کو خرید کر مسجد میں داخل کر لیا گیا۔ اسی وقت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مسجد نبوی میں شامل ہے۔ بیرونی دیوار ترچھی بنائی۔ صحیح مسلم میں ابی مرثد غنوی کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تَجْلِسُوْا عَلَی الْقُبُوْرِ وَ لَا تُصَلُّوْا اِلَیْهَا.)) [2]

---

[1] صحیح البخاری، کتاب فضل الصلاۃ فی مسجد مکة والمدینة باب فضل ما بین القبر والمنبر (۱۱۹۵)، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل ما بین قبرہ ﷺ ومنبرہ وفضل موضع منبرہ (۱۳۹۰)، عن عبداللہ بن زید المازنی رضی اللہ عنہ، صحیح البخاری، ایضًا (۱۱۹۶)، صحیح مسلم، ایضًا (۱۳۹۱)، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ.

[2] صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب النهی عن الجلوس علی القبر والصلاۃ علیها (۹۷۱، ۹۷۲).

''قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز ہی پڑھو۔''

اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ان کے سامنے سجدہ کرنے کی مشابہت پائی جاتی ہے۔ خواہ نمازی خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لیے نماز کیوں نہ پڑھ رہا ہو۔ جس طرح حضور ﷺ نے انبیاء کرام کی قبروں کو سجدہ گاہ (مساجد) بنانے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح ان کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے سے بھی روکا ہے۔ اگرچہ نمازی اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کر رہا ہو اور صاحب قبر کے لیے دعا مانگ رہا ہو۔ لہٰذا جو شخص انبیاء و صلحاء کرام کی قبور کی زیارت اس لیے کرتا ہے کہ ان کے پاس نماز پڑھے اور دعا کرے تو وہ ایسے حرام کا ارتکاب کرتا ہے کہ جس کی طرف جانے والے تمام راستے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مسدود کر دیے ہیں۔ جیسا کہ اوپر ذکر گزر چکا ہے۔ انبیاء و صلحاء کی قبور پر شرعی سلام کے لیے جانا بالکل مختلف چیز ہے۔

حضور ﷺ پر دُرود وسلام:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰئِكَةً سَيَّا حِيْنَ فِي الْاَرْضِ يُبَلِّغُوْنِيْ عَنْ اُمَّتِي السَّلَامَ.)) [1]

''بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے زمین میں گشت کرتے رہتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔''

اس حدیث کو نسائی اور حاتم رحمہما اللہ نے اپنی ''جامع صحیح'' میں روایت کیا ہے۔ اسی مفہوم کی ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس حدیث میں یہ بات واضح فرمائی گئی ہے کہ جو سلام دور دراز جگہوں سے بھیجا جاتا ہے، وہ آپ تک فرشتوں کے ذریعہ سے پہنچایا جاتا ہے۔ ابو اشعث الصنعانی نے اوس بن اوس سے جو مشہور حدیث روایت کی ہے اس کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] سنن النسائی، کتاب السھو، باب التسلیم علی النبی ﷺ ۴۳/۳، رقم الحدیث (۱۲۸۳)، مسند الدارمی، کتاب الرقاق، باب فضل الصلوٰۃ علی النبی : ۳۱۷/۲.

((اَکْثِرُوا عَلَیَّ مِنَ الصَّلٰوۃِ فِی کُلِّ یَوْمِ جُمُعَۃٍ، فَاِنَّ صَلٰوۃَ اُمَّتِی تَعْرِضُ عَلٰی یَوْمَئِذٍ، فَمَنْ کَانَ اَکْثَرُھُمْ صَلٰوۃً کَانَ اَقْرَبُھُمْ مِنِّی مَنْزَلَۃً.)) [1]

''ہر جمعہ کے روز مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو کیونکہ اس روز میری امت کا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ پس ان میں سب سے زیادہ درود بھیجنے والا مرتبہ کے لحاظ سے مجھ سے زیادہ قریب ہے۔''

مسند امام احمد رحمہ اللہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تَتَّخِذُوا قَبْرِی عِیْدًا وَّ لَا تَجْعَلُوا بُیُوتَکُمْ قُبُوْرًا وَّ صَلُّوا عَلَیَّ حَیْثُمَا کُنْتُمْ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ تُبَلِّغُنِیْ.)) [2]

''میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنانا اور نہ اپنے گھروں کو قبرستان بنالینا۔ اور جہاں بھی تم ہو مجھ پر درود بھیجو کیونکہ تمہارا درود مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔''

قاضی عیاض کہتے ہیں اور ابو بکر بن شیبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا اُبْلِغْتُہٗ)) [3]

''جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو دور سے مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔''

---

[1] سنن کبری بیہقی: ۲۴۹/۳، شعب الایمان له ۴۳۳/۴ (۲۷۷۰) یہ روایت امام مکحول رحمہ اللہ سیدنا ابوامامہ سے بیان فرمارہے ہیں، لیکن ان کی ملاقات ثابت نہیں، لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔ [2] مسند احمد: ۲ / ۳۶۷، سنن ابی داؤد، کتاب المناسك، باب زیارة القبور (۲۰۴۲)، طبرانی اوسط (۸۰۲۶).

[3] امالی ابن سمعون (۲۵۵)، شعب الایمان للبیھقی (۱۴۸۱) جدید، الضعفاء للعقیلی (۴/ ۱۳۶، ۱۳۷)، تاریخ ابن عساکر (۳۰۱/۵۶، ۳۰۲) اس کی سند میں محمد بن مروان السوی الصغیر متروک ہے۔ [المیزان الاعتدال: ۱۰۳/۳] انظر للتفصیل: "سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة" (۲۰۳).

اس روایت کو محمد بن مروان السدی نے بھی اعمش ، ابوصالح اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ اس روایت میں سدی نامی راوی سدی صغیر ہے جو ثقہ نہیں ہے۔ نیز یہ حدیث اعمش سے نہیں ہے۔ ابو یعلیٰ موصلی نے اپنی مسند میں موسیٰ بن محمد بن حبان کے حوالہ سے ابوبکر حنفی سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے ہم سے حدیث بیان کی العلاء بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ نے ہم سے حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا وَلَا تَتَّخِذُوا بَيْتِي عِيدًا صَلُّوا عَلَيَّ وَسَلِّمُوا فَإِنَّ صَلٰوتَكُمْ وَسَلَامُكُمْ يُبَلِّغُنِي.)) [1]

''اپنے گھروں میں نمازیں پڑھو اور ان کو قبریں نہ بنا دو اور نہ میرے گھر کو میلہ گاہ بنا لو۔ مجھ پر درود وسلام بھیجو بے شک تمہارا درود وسلام مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔''

سعید بن منصور اپنی سنن میں روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن حسین بن حسن بن علی بن ابی طالب نے ایک شخص کو دیکھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر حاضری دیا کرتا تھا۔ عبداللہ نے اس شخص سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنا لو اور تم جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود بھیجا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے۔'' [2]

لہٰذا اس سلسلہ میں تم اور اندلس میں رہنے والا برابر ہے۔ اس مفہوم کی ایک روایت علی ابن الحسین زین العابدین رحمہ اللہ نے اپنے والد ماجد سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان

---

[1] مسند ابی یعلی (٦٧٦١) مجمع الزوائد ٢٤٧/٢، علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں عبداللہ بن نافع ضعیف ہے۔ لیکن اس کے کئی ایک شواہد موجود ہیں۔ دیکھیں حدیث نمبر (۱۰۹).

[2] فضل الصلاة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم للامام اسماعيل المالكی (٢٠، ٣٠)، مصنف عبدالرزاق (٦٧٢٦)، الموضح ٣٠/٢، تحزير الساجد من اتخاذ القبور مساجد (٩٨، ٩٩) نحوه.

کی ہے جسے ابوعبداللہ محمد بن عبدالواحد المقدسی نے اپنی ''مختارہ'' میں ذکر کیا ہے۔ جو صحیح حاکم سے زیادہ صحیح اور معتبر کتاب ہے۔

قاضی عیاض نے الحسن بن علی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

((اِذَا دَخَلْتَ فَسَلِّمْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَاِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا تَتَّخِذُوا بَيْتِي عِيداً، وَلَا تَتَّخِذُوا بُيُوتَكُمْ قُبُوراً وَصَلُّوا عَلَيَّ حَيْثُ كُنْتُمْ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ تُبْلَغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ.)) [1]

''جب تو داخل ہوتو نبی ﷺ پر درود بھیج کیونکہ وہ فرماتے ہیں میرے گھر کو تماشا گاہ نہ بنانا اور نہ اپنے گھروں کو قبریں بناؤ۔ تم جہاں بھی ہو مجھ پر درود بھیجو، تمہارا درود مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ خواہ تم کہاں بھی ہو۔''

حکایت امام مالک رحمہ اللہ کی مزید تحقیق

اس حکایت میں جو مزید سقم پایا جاتا ہے۔ وہ یہ الفاظ ہیں:

((وَلَمْ تَصْرِفُ وَجْهَكَ عَنْهُ وَهُوَ وَسِيلَتُكَ وَ وَسِيلَةُ اَبِيكَ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.))

''اپنا رُخ ان (حضور ﷺ) سے نہ موڑ۔ کیونکہ وہ تیرا اور تیرے باپ آدم علیہ السلام کا قیامت تک وسیلہ ہیں۔''

یہ الفاظ اس بات کی دلالت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو قیامت کے دن لوگ آپ کی شفاعت کے ذریعہ سے وسیلہ بنائیں گے۔ یہ بالکل درست ہے متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ لیکن جب لوگ قیامت کے دن آپ کی دعا اور شفاعت کو وسیلہ بنائیں گے جیسا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی زندگی میں آپ کی دعا اور سفارش کو وسیلہ بناتے تھے۔ تو لوگوں کا یہ وسیلہ قیامت کے دن آپ سے دعا اور شفاعت کی درخواست ہوگی۔ بفرض محال

[1] الشفاء للقاضی عیاض صفحہ ۲۹۳، وانظر ایضًا الحدیث السابق.

یہ حکایت صحیح بھی ہوتو اس کا مطلب یہ ہوگا۔ دنیائے آب وگل ہیں آپ ﷺ کے روضۂ اقدس کے پاس آپ سے دعا اور شفاعت طلب کی جائے۔ یہ بات اہلِ علم کو معلوم ہے کہ آپ ﷺ نے اس کا حکم نہیں دیا ہے نہ یہ فعل امت کے لیے کوئی سنت ہے اور نہ صحابۂ کرام اور تابعین میں سے کسی نے یہ کام کیا ہے۔ اور نہ امام مالک رحمہ اللہ یا کسی اور امام دین نے ہی اس کو مستحسن قرار دیا ہے۔ پھر ایسی بات امام مالک رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیسے کی جاسکتی ہے جسے صرف ایک جاہل ہی کہہ سکتا ہے؟ جو دلائل شرعیہ و احکام معلومہ سے نابلد ہے۔ امام مالک بلند مرتبہ عالم، عظیم القدر فاضل و امام اور سنت رسول کے سخت پابند تھے۔ وہ بدعت اور اہلِ بدعت کی مذمت میں پیش پیش تھے۔ وہ اس طرح کی لغو حکایات کے قائل کیسے ہوسکتے ہیں؟ ایک بدعتی اور گمراہ شخص کے سوا کون اس طرح کا حکم دے سکتا ہے؟ امام مالک رحمہ اللہ کا کوئی دوسرا قول اس حکایت سے متناقض و متعارض نہ بھی ہوتا تب بھی یقین کیساتھ کہا جاسکتا تھا کہ انہوں نے اس طرح کی کوئی بات نہیں کہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کو شفیع بنانا

پھر اس حکایت میں امام مالک رحمہ اللہ کے درج ذیل الفاظ بھی نقل ہوئے ہیں:

((اِسْتَقْبِلْهُ وَاسْتَشْفِعْ بِهٖ فَيُشَفِّعَكَ اللّٰهُ.))

''اپنا رخ ان (یعنی حضور ﷺ کی قبر) کی طرف کرو اور ان کو شفیع بناؤ اللہ حضور کو تمہارا شفیع بنائے گا۔''

لغت میں استشفع به کے معنی ہیں کہ حضور ﷺ سے شفاعت کی درخواست کرنا۔ جیسا کہ لوگ قیامت کے دن آپ سے شفاعت کی درخواست کریں گے اور جس طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ سے سفارش کی درخواست کیا کرتے تھے۔ سنن میں حدیث روایت ہوئی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا:

((يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! جُهِدَتِ الْاَنْفُسُ وَجَاعَ الْعِيَالُ وَهَلَكَ

الْمَالُ، فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا فَاِنَّا نَسْتَشْفِعُ بِاللّٰهِ عَلَيْكَ وَ نَسْتَشْفِعُ بِكَ عَلَى اللّٰهِ.))

''اے اللہ کے رسول ﷺ! جانور برباد ہوگئے، اہل و عیال بھوکے ہیں، مال تباہ ہوگیا ہے۔ پس ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔ ہم آپ ﷺ کے پاس اللہ تعالیٰ کو شفیع بناتے ہیں اور اللہ کے حضور آپ ﷺ کو شفیع بناتے ہیں۔''

یہ سن کر حضور ﷺ تسبیح بیان کرنے لگے حتی کہ اس تسبیح کے اثرات صحابۂ کرام کے چہروں پر بھی محسوس کیے گیے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَيْحَكَ اَتَدْرِي مَا تَقُولُ شَاَنُ اللّٰهِ اَعْظَمُ مِنْ ذٰلِكَ. اِنَّهُ لَا يُسْتَشْفَعُ بِهٖ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِهٖ))[1]

''تو برباد ہو کیا تو جانتا ہے کہ تو کیا کہہ رہا ہے؟ اللہ کی شان اس سے عظیم ہے، اسے مخلوق میں سے کسی کے سامنے شفیع نہیں بنایا جاسکتا۔''

اس حدیث میں آدمی کے الفاظ:

((نَسْتَشْفِعُ بِاللّٰهِ عَلَيْكَ.))

''یعنی ہم اللہ کو حضور ﷺ کے سامنے سفارشی بناتے ہیں۔'' کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ وہ اللہ کے حوالہ سے مخلوق سے سوال کرنے اور اسے خالق کی قسم دلانے کو ناجائز نہیں سمجھتے۔ وہ صرف مخلوق کے حضور اللہ تعالیٰ کو شافع بنانے کو ناجائز گردانتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضور ﷺ نے اس آدمی کے اس قول کو ناجائز نہیں کہا کہ ''ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں شفیع بناتے ہیں۔'' اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ شافع ہیں

[1] سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب فی الجهمية (٤٧٢٦)، السنة لا بن ابی عاصم (٥٧٥، ٥٧٦)، الشريعه للاجری صفحه ٢٩٣ کتاب التوحيد لابن خزيمه صفحه ٦٩. اس کی سند ''محمد بن اسحاق کے عنعنہ اور جبیر بن محمد کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے۔

اور آپ کی شفاعت مستجاب ہے۔ اگر حکایت زیر بحث کو صحیح بھی تصور کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی خدمت میں آپ کی شفاعت طلب کرنے کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ اسی لیے حکایت کے خاتمہ پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان درج ہوا ہے:

﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ ط ﴾ (النساء: ٦٤)

پس وصال کے بعد آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت و مغفرت کی درخواست کرنا شرع نے جائز ٹھہرایا ہوتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی درخواست قبول کر لیتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعائے مغفرت کریں گے۔ آپ کی مغفرت کی درخواست آپ کی دعاء و شفاعت ہوگی کہ اے اللہ اس کو بخش دے۔ پس اگر ''استشفاع'' کے معنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب شفاعت ہے تو کہا جائے گا کہ:

((اِسْتَشْفِعْ فَيُشَفِّعُهُ اللّٰهُ فِيْكَ))

''ان کو شفیع بناؤ کیونکہ اللہ نے ان کی شفاعت تیرے حق میں قبول کرے گا۔''

یہ الفاظ ادا نہیں کیے جائیں گے۔

((فَيُشَفِّعُكَ اللّٰهُ فِيْهِ))

''اللہ تجھے فلاں کے حق میں شفیع بنائے۔''

یہ معروف کلام ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور جملہ علماء کے کلام میں اس کا یہی مفہوم ہے۔ کہا جاتا ہے:

((شَفَعَ فُلَانٌ فِيْ فُلَانٍ.))

''یعنی فلاں نے فلاں کے حق میں سفارش کی۔''

پس وہ اس کا شفیع ہے۔ نیز مشفع وہ شخص ہے جس کے حق میں مشفوع الیہ سفارش و شفاعت کرے۔ اور مشفوع الیہ کو شفیع کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ ذات جس سے شفاعت کی درخواست کی جائے گی۔ اس شفیع کے سوا سائل کسی دوسرے سے شفاعت کا طلب گار نہیں

ہوتا کیونکہ وہ شفاعت کے مقام پر نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا محمد ﷺ وہ ابوالعزم شفیع ہیں جن کی شفاعت مستجاب ومقبول ہے۔ اس لیے وہ اپنی دعا میں کہتے :

((يَا رَبِّ شَفِّعْنِي.))

''اے اللہ میری شفاعت قبول فرما۔''

وصال کے بعد حضور ﷺ سے دعا وشفاعت:

حضور ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ سے شفاعت، دعا اور مغفرت کی دعا کرنا کسی بھی امامِ دین کے نزدیک جائز نہیں۔ ائمہ اربعہ اور ان کے اصحاب قدماء میں سے کسی نے بھی ایسی دعا اور شفاعت کا ذکر نہیں کیا ہے۔ البتہ متاخرین میں سے بعض نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس ضمن میں وہ ایک حکایت بیان کرتے ہیں کہ العتبی نے ایک بدو کو دیکھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کی قبر اطہر پر حاضر ہوا اور آیت مذکورہ (النساء:٦٤) قرات کی۔ اور عالم خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا ہے۔ مجتہدین میں سے کسی بھی قابلِ ذکر مجتہد نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ جن لوگوں نے ایسی بات کی ہے وہ اس پر کوئی شرعی دلیل پیش نہیں کر سکے۔ ہر آدمی جانتا ہے کہ اگر نبی ﷺ کی قبر انور کے پاس آپ ﷺ سے دعا وشفاعت اور مغفرت کی دعا جائز ہوتی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اس کو زیادہ خوبی کے ساتھ جانتے اور دوسروں کی نسبت اس کام میں ہم سے سبقت لے جاتے۔ نیز ائمۂ دین نے بھی اس کا ذکر ضرور کیا ہوتا۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا درج ذیل قول کتنا عمدہ اور قیمتی ہے۔

((لَا يُصْلِحُ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا مَا اَصْلَحَ اَوَّلَهَا.))

''اس امت کے آخری حصہ کی صرف وہی چیز اصلاح کرے گی، جس نے اس کے پہلے حصہ کی اصلاح کی۔''

نیز انہوں نے فرمایا کہ اس امت کے اولین اور دور وسط کے اہل علم میں سے کسی نے بھی ایسا کام نہیں کیا۔ امام مالک رحمہ اللہ ایک ایسا دین کیسے ایجاد کر سکتے تھے جو امت کے سلف میں سے کسی سے بھی مقبول نہیں ہے؟ وہ انبیاء وصلحاء کرام کی وفات کے بعد ان کی قبور کے پاس دعا وشفاعت اور استغفار کا حکم کیسے دے سکتے تھے؟ جبکہ یہ ایک ایسا فعل ہے جو اسلافِ امت میں سے کسی نے بھی نہیں کیا۔

لفظ شفاعت کی تشریح

مذکورہ حکایت میں لفظ شفاعت اس طرح وارد ہوا ہے جس طرح عام لوگ بولتے ہیں اور شفاعت کے معنی توسل کے معنی میں لیتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اے اللہ! ہم فلاں بزرگ کو تیرے حضور اپنا شفیع بناتے ہیں۔ دراصل وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اے اللہ! ہم فلاں بزرگ کو وسیلہ بناتے ہیں۔ جب دعا میں کسی نبی یا غیر نبی کا وسیلہ چاہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ''فلاں کی شفاعت نصیب ہوگئی ہے۔ وہ اس بات کا لحاظ نہیں رکھتے کہ جسے وہ شفیع بنا رہے ہیں اس نے ان کے حق میں شفاعت اور دعا کی ہے یا نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ وہ نبی یا ولی ان کے پاس موجود نہیں ہوتا۔ وہ نہ ان کی بات سنتا ہے نہ ان کے لیے سفارش کرتا ہے۔ شفاعت کا یہ ایک ایسا مفہوم ہے جو نبی اکرم ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور علمائے اُمت کی لغت میں نہیں ملتا۔ یہ مفہوم تو اہل عرب کی لغت میں بھی مفقود ہے۔ ''استشفاع'' کے معنی طلبِ شفاعت ہے۔ شافع وہ ذات ہے جو سائل کے لیے شفاعت کرتی ہے۔ اور سائل کے لیے وہ چیز مسئول سے طلب کرتی ہے جس کی سائل درخواست کرتا ہے۔ لیکن ایسی ذات کو اللہ تعالیٰ کے ہاں شفیع بنانا جس نے نہ تو سائل کے لیے سفارش کی اور نہ اس کی حاجت روائی کے لیے درخواست کی، بلکہ سائل کے سوال سے بے خبر ہو، یہ ''استشفاع'' نہیں ہے۔ نہ لغت اس مفہوم سے آشنا ہے۔ نہ یہ معنی کسی ایسے شخص کے کلام میں پائے جاتے ہیں جو اپنی

بات کا ادراک رکھتا ہو۔ ہاں یہ کسی نبی یا ولی کے حوالہ سے سوال کرنا ہے اور یہ اس سے دعا کی درخواست نہیں کہلا سکتی۔ البتہ گمراہ لوگوں نے دین کی طرح جب لغت میں بھی تغیر وتبدل اور تحریف کر ڈالی اور اس کا نام ''استشفاع'' یعنی شفاعت رکھا تو وہ کہنے لگے:

((اِسْتَشْفَعْ بِهٖ فَيَشْفَعَكَ.))

''تو اس کو شفیع بنا لے وہ تیری حاجت پوری کرے گا۔'' اس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے یہ حکایت ایک ایسے شخص کی اختراع ہے کہ جو علم شریعت ولغت سے نا بلد ہے ورنہ کہاں امام مالک رحمہ اللہ کا علم وفضل اور کہاں اس حکایت کے الفاظ جو لغت و زبان کے لحاظ سے سراسر غلط ہیں۔

ہاں ہو سکتا ہے کہ اس حکایت کی بنیاد صحیح ہو اور امام مالک رحمہ اللہ نے اتباع سنت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں مسجد نبوی میں بلند آواز سے منع فرمایا ہو۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں آواز کو بلند کرنے سے روکا کرتے تھے۔ [1]

یہ بھی ممکن ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے مسجد نبوی میں آواز کو پست رکھنے کا حکم دیا ہو اسی طرح کی کوئی دوسری وجہ اس حکم کے پس منظر میں کارفرما ہو سکتی ہے۔ جو امام مالک رحمہ اللہ کی جلالت شان کے شایان ہو۔

جو لوگ لغتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ناواقف ہیں جس میں وہ باہم بات چیت کرتے تھے یا جس میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا وہ اکثر تحریفِ کلام کا شکار ہو گئے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگ کسی قوم کی زبان کی اصطلاحات کے عادی ہو جاتے ہیں۔ وہ جب ان اصطلاحات اور الفاظ کو اللہ تعالیٰ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے کلام میں پاتے ہیں تو سمجھ بیٹھتے ہیں کہ ان کے کلام میں بھی ان الفاظ واصطلاحات والفاظ کے وہی معنی ہیں جو معنی اہل عادت اور اہل اصطلاح ان سے لیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور

---

[1] صحيح بخاری، كتاب الصلوٰة، باب رفع الصلوت فی المسجد: ٤٧٠

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مراد بالکل مختلف ہوتی ہے۔

ملاحدہ اور تحریف لغت

اہلِ کلام، اصحاب فقہ اور ماہرینِ نحو بھی غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو انبیاء کرام اور ان کے متبعین کے الفاظ کو عمداً ایسے معنی کا جامہ پہنا دیتے ہیں جو درحقیقت ان الفاظ کے معنی نہیں ہوتے۔ پھر وہ لوگ یہ الفاظ بولتے ہیں اور ان کے وہ معنی مراد لیتے ہیں جو انہوں نے خود گھڑ لئے ہوتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم انبیاء کرام علیہم السلام کی اتباع کرتے ہیں۔ اس طرح کی کج بحثی بے دین فلاسفہ فرقہ اسماعیلیہ، ملحد متکلمین اور گمراہ صوفیوں کے کلام میں اکثر ملتی ہے۔ مثلاً بعض لوگوں نے ''محدث مخلوق'' اور مصنوع کو معلول معنی پہنا دیے ہیں۔ اگرچہ یہ معلول قدیم اور ازلی ہی کیوں نہ ہو۔ پھر اس کا نام ''حدوث ذاتی'' رکھ دیا۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ یہ عالم محدث ہے حالانکہ اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ ازلی اور قدیم ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ لفظ ''محدث'' اس معنی میں کسی قوم کی لغت میں بھی استعمال نہیں ہے۔ کیونکہ سب لوگوں کے نزدیک اس لفظ سے مراد ایسی چیز ہے جو پردۂ عدم سے وجود میں آئی ہو۔ اسی طرح وہ شیاطین، ملائکہ اور جن کو عقول، نفوس، اور قوی النفس پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ملائکہ شیاطین اور جنوں کے متعلق اس بات کا اثبات کرتے ہیں جس کی خبر انبیاء علیہم السلام نے دی ہے۔ اور جس پر جمہور امت کا ایمان ہے۔ جو شخص انبیاء کرام علیہم السلام کی مراد سے واقف ہوتا ہے وہ جانتا ہے کہ دونوں میں واضح فرق ہے۔ مثلاً ہر آدمی جانتا ہے کہ ''عقل اول'' سے ان کی کیا مراد ہے؟ ان کے نزدیک ''عقل اول'' رب العالمین کی ازلی ابدی ساتھی ہے اور پروردگارِ عالم کے سوا ہر چیز کو پیدا کرنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے توسط سے اس کے سوا ہر چیز کے وجود کا ذریعہ ہے، ان کے خیال میں ''عقل فعال'' وہ قوت ہے جس سے زیر فلک ہر چیز ظہور پذیر

ہوتی ہے۔ حالانکہ جو شخص انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات سے باخبر ہے وہ جانتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ ''عقل فعال'' ملائکہ کی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک کی رب ہے۔ یہ کوئی ایسی چیز بھی نہیں جو ازلی وابدی ہو اور جسے نہ پہلے کبھی زوال آیا ہو نہ آئندہ ہی زوال کا شکار ہو۔

نیز ہر آدمی جانتا ہے کہ وہ حدیث جس میں ((اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ)). (جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا کیا وہ عقل ہے) کے الفاظ مروی ہیں۔ بالکل باطل ہے۔ اور غلط طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی جاتی ہے اگر یہ حدیث صحیح بھی ہوتو یہ خود ان فلاسفہ وغیرہ کے خلاف حجت ہے۔ کیونکہ اس کے الفاظ ہیں:

((اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ فَقَالَ لَهُ اَقْبِلْ فَاَقْبَلَ، ثُمَّ قَالَ اَدْبِرْ، فَاَدْبَرَ فَقَالَ وَعِزَّتِي مَا خَلَقْتُ خَلْقًا اَكْرَمَ عَلَيَّ مِنْكَ فَبِكَ اٰخُذُ، وَبِكَ اُعْطِيْ وَبِكَ الثَّوَابُ وَبِكَ عِقَابُ.))

''سب سے پہلے اللہ نے جو چیز پیدا کی وہ عقل ہے۔ اس سے کہا گیا کہ آگے آ تو وہ آگے آئی، پھر کہا گیا پیچھے پلٹ جا تو وہ پیچھے پلٹ گئی۔ تب فرمایا: میری عزت کی قسم میں نے تجھ سے زیادہ عزیز کوئی چیز پیدا کی نہیں۔ میں تیرے ذریعے سے لوں گا اور تیرے ذریعے سے دوں گا۔ تیری ہی وجہ سے ثواب ہے۔ اور تیری ہی وجہ سے عذاب ہے۔''

ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

((لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ))

''جب اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا۔''

یہ حدیث اگر صحیح ہو بھی تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل کو تخلیق کے ابتدائی مراحل میں مخاطب فرمایا۔ اور اس سے قبل دوسری چیزوں کو پیدا کیا۔ اس سے چار

امور واقع ہوتے ہیں نہ کہ تمام مصنوعات۔ اہلِ اسلام کی لغت میں ''عقل'' مشتق ہے۔ فعل عَقَلَ يَعْقِلُ عَقْلًا سے اور اس سے مراد ہے وہ قوت جو اشیاء میں تمیز اور علم پیدا کرتی ہے۔ جو علوم و اعمال کا موجب ہے۔ لغت میں اس سے کبھی بھی ایسا جوہر مراد نہیں لیا گیا جو قائم بالذات ہو۔ لفظ ''عقل'' کے یہ معنی لینا ممکن نہیں ہے۔ دوسرے مقامات پر ہم عقل صریح سے واضح کر چکے ہیں کہ یہ لوگ جو کہتے ہیں غلط ہے۔ جن مجردات و مفارقات کا وہ ذکر کرتے ہیں ان سے ان کا منتہائے مقصود اثبات نفس ہوتا ہے۔ جو موت آ جانے پر جسدِ خاکی کو داغِ مفارقت دے جاتا ہے۔ نیز ان معقولات کا اثبات ہے جو نفس سے قائم ہیں۔ اس بات میں جو حق بھی وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں اس کی حقیقت بس اتنی ہی ہے۔

ان مباحث کا مقصود یہ ہے کہ اکثر لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے کلام میں گفتگو کرتے ہیں لیکن وہ اس سے وہ مراد نہیں لیتے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ نے لیے ہیں بلکہ وہ اپنا ایک علیحدہ راستہ نکالتے ہیں اور اس پر چلتے ہیں۔ اسی طرح کی چیزیں کتب المصنون بھا وغیرہ میں کافی ملتی ہیں مثال کے طور پر ''لوح محفوظ'' کو نفس فلکیہ قرار دیتے ہیں ''قلم'' کو عقلِ اول کے ہم معنی سمجھتے ہیں۔ ملکوت، جبروت اور ملک کو نفس اور عقل خیال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ''شفاعت'' ایک ایسا سرچشمہ فیض ہے جو شفیع کی جانب سے طالبِ شفاعت کی طرف بہتا رہتا ہے خواہ شفیع کو اس بات کا علم ہی نہ ہو۔ ابن سینا نے ان امور میں کئی نئے نئے مذاہب و مسالک تراش لیے ہیں، جیسا کہ دوسرے مقامات پر ان پر بسیط بحث ہو چکی ہے۔

اس بحث کا مقصود ان لوگوں کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ کی لغت و زبان پر غور وخوض نہ کرنے کی بنا پر گمراہی کی اتھاہ گہرائی میں جا گرے ہیں لفظِ قدیم ہی کو لیجئے۔ یہ لفظ لغتِ رسول میں، جس زبان میں قرآن نازل ہوا ہے، خلافِ حدیث ہے جو ماسوا اپنے ہر چیز سے پہلے ہوتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ حَتّٰی عَادَ کَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ﴾ (یس : ۳۹)

''حتی کہ (سورج گھٹتے گھٹتے) کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ ﴾ (یوسف : ۸۵)

''واللہ! آپ اسی قدیم غلطی میں مبتلا ہیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَفَرَاَیْتُمْ مَّا کُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝ اَنْتُمْ وَآبَاؤُکُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۝ ﴾

(الشعراء: ۷۵، ۷۶)

''کیا تم نے دیکھا کہ جن کو تم پوجتے رہے ہو، تم بھی اور تمہارے اگلے باپ دادا بھی۔''

ماہرین علم الکلام ''قدیم'' سے ایک چیز مراد لیتے ہیں جو کبھی زوال پذیر نہ ہو اور جس سے پہلے کسی دوسری چیز کا وجود نہ ہو، وہ خود بھی عدمِ وجود سے قبل موجود ہو۔

اس لفظ کا جب یہ مفہوم لیا جاتا ہے تو وہ اس پر مجاز کا پردہ ڈال کر پیش کرتے ہیں۔ لفظ ''حدیث'' قرآن مجید کی لغت میں ''قدیم'' کا متضاد ہے۔ اسی طرح قرآن وحدیث کی زبان اور تمام اہلِ لغت میں کلمہ سے مراد ''جملہ تامہ'' ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک ہے کہ:

((کَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ.)) [1]

''دو جملے خدائے رحمٰن کے ہاں بہت محبوب ہیں۔ زبان پر (ادائیگی کے لحاظ

---

[1] صحیح البخاری، کتاب التوحید، (۷۵۶۳)، صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل التهلیل والتسبیح والدعاء (۲۶۹۴).

سے) بہت ہلکے پھلکے اور میزان میں بھاری ہیں ! سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْم ."

((اِنَّ اَصْدَقَ كَلِمَةٍ قَالَهَا شَاعِرٌ كَلِمَةُ لَبِيْدٍ اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهِ بَاطِلٌ .)) [1]

"سب سے سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے لبید کا یہ قول ہے کہ اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے۔"

اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝ ﴾

(الکهف : ٥)

یہ بڑی سخت بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے یہ جو کچھ کہتے ہیں محض جھوٹ ہے۔"

﴿ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ ط ﴾

(آل عمران : ٦٤)

"کہہ دو کہ اے اہلِ کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے دونوں کے درمیان یکساں ہے اس کی طرف آؤ۔"

﴿ وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۝ ﴾

"اور کافروں کی بات کو پست کر دیا اور بات تو اللہ ہی کی بلند ہے۔"

قرآن مجید میں اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں۔ لفظ "کلام" اہل عرب کی لغت میں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اہلِ نحو نے ایک ہی لفظ کا اسم، فعل اور حرف پر "کلمہ" کا

---

[1] صحيح البخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ايام الجاهليه (٣٨٤١). صحيح مسلم، کتاب الشعر (٣٢٥٦/٦).

اطلاق کر دیا ہے۔ ان میں بعض کہتے ہیں کبھی کلمہ سے مراد کلمہ ہوتی ہے۔ چنانچہ جو شخص نحویوں کی اصطلاح کا عادی ہو جاتا ہے وہ اس خیال میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ یہ بھی لغت عرب کے مطابق ہے۔ اسی طرح قرآن وسنت میں " ذوی الارحام " کے الفاظ آئے ہیں۔ اس سے مراد رشتہ دار ہیں جو ماں اور باپ دونوں جانب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لحاظ سے اس میں عصبہ ذوالارحام بھی داخل ہو جاتے ہیں نیز اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو کسی رشتہ کی بنا پر وارث قرار نہیں پاتے۔ اس کے بعد فقہاء کی اصطلاح میں لفظ صرف ان لوگوں کے لیے مخصوص ہو گیا ہے جو آدمی اس حقیقت سے واقف نہیں ہے وہ سمجھتا ہے کہ کلام اللہ و کلام رسول اللہ ﷺ اور کلام صحابہ رضی اللہ عنہ میں اس لفظ سے یہی معنی مراد ہیں اس طرح کے بے شمار نظائر موجود ہیں۔

لفظ "توسل واستشفاع" کی تحقیق:

رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی لغت وزبان میں تغیر وتحریف کی وجہ سے توسل (طلب وسیلہ) اور استشفاع (طلب شفاعت) کے معنوں میں تحریف ہو گئی ہے۔ اور لوگ اپنے کلام اور دین میں غلطی در غلطی کے مرتکب ہو گئے۔ علم مستند نقل اور محقق نظر کا محتاج ہے اور سلف صالحین کے منقولات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ کہ صحت الفاظ اور ان کے مفہوم ومعنی کی معرفت حاصل کی جائے۔ جیسا کہ یہ باتیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات وفرمودات کو سمجھنے کے لیے از بس ضروری ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب غلط حکایت کی صحت وعدم صحت کا تعین کرنے کے لیے ان سب باتوں کو مدنظر رکھنا ہوگا۔

قرآن وحدیث کی صریح نصوص سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر جگہ حضور اکرم ﷺ پر درود بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر متفق ہیں۔ اسی طرح صحیح ومستند حدیث میں ہمیں ترغیب دی گئی ہے کہ ہم حضور اکرم ﷺ کے

لیے وسیلہ اور فضیلہ مانگیں اور آپ کے لیے مقامِ محمود کی دعا کریں۔ جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا ہے۔ یہی وہ وسیلہ ہے جسے اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی اجازت ہمیں دی گئی ہے۔ جیسا کہ آپ پر درود پڑھنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ جس طرح آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجنا آپ ﷺ کا حق ہے اسی طرح آپ کے لیے وسیلہ کی دعا بھی آپ کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ میں جس وسیلہ کو تلاش کرنے کا حکم دیا ہے، وہ حضور ﷺ کی اطاعت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تقرّب ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے جن جن باتوں کا ہمیں حکم دیا ہے ان سب کی تعمیل اس وسیلہ میں شامل ہے۔ اس وسیلہ تک رسائی صرف نبی اکرم ﷺ پر ایمان اور آپ کی اطاعت و اتباع کے ذریعہ ہی ہوسکتی ہے۔ آپ ﷺ کے ذریعہ اس نوع کا وسیلہ ہر انسان پر فرض ہے۔

جہاں تک نبی اکرم ﷺ کی دعاء اور شفاعت کو وسیلہ بنانے کا تعلق ہے جیسا کہ لوگ قیامت کے دن آپ ﷺ سے شفاعت کی درخواست کریں گے اور جیسا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بارش کے لیے آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کیا کرتے تھے۔ اس کی مثال نابینا صحابی کی ہے جس نے حضور ﷺ کی دعا کو وسیلہ بنایا تھا۔ حتی کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی دعا و شفاعت کے ذریعہ اس کی بینائی لوٹا دی تھی۔ یہ وسیلہ کی تیسری قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضور اکرم ﷺ کو جو شرف و کرامت حاصل ہے اس کی بناء پر اللہ تعالیٰ آپ کی دعا و شفاعت کو شرف قبولیت بخشتا ہے۔ تیسری قسم کا یہ وسیلہ اسی قبولیتِ دعا کے باب میں آتا ہے جس شخص کے لیے حضور ﷺ نے سفارش اور دعا کی اس کا معاملہ اس شخص سے بالکل مختلف ہے جسے کے لیے آپ ﷺ نے نہ دعا کی ہو اور نہ سفارش۔ لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جب آپ کو وسیلہ بناتے تھے تو گویا اللہ تعالیٰ کو آپ کی قسم دلاتے تھے اور آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کے ذریعہ سوال کرتے تھے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ وسیلہ ہر شخص کے لیے حضور کی زندگی میں بھی اور آپ کے وصال کے بعد بھی مطلقاً

جائز اور درست ہے۔ وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ تمام انبیاء کرام و ملائکہ بلکہ تمام بزرگ جن کو وہ صاحب اصلاح وتقویٰ سمجھتے ہیں خواہ فی الواقع وہ صالح اور متقی نہ ہو، سب کے حق میں یہ وسیلہ صحیح و جائز اور درست ہے۔ اسی سلسلہ کی کوئی حدیث مرفوع موجود نہیں ہے جس پر اعتماد کیا جا سکے۔ صحیح بخاری و مسلم، کتب سنن اور مسانید مثلاً مسند امام احمد وغیرہ میں کسی کتاب میں بھی اس کی تائید میں کوئی حدیث نہیں ملتی اس مضمون کی روایات ان کتب حدیث میں ملتی ہیں جن کو ہر شخص جانتا ہے کہ ان میں بے شمار جھوٹی اور موضوع روایات منقول ہوئی ہیں۔ جنہیں کذاب راویوں نے اختراع کیا ہے۔ بعض راوی ایسے ہیں جو روایتِ حدیث میں غلطی کھا جاتے ہیں۔ لیکن عمداً جھوٹی روایات بیان نہیں کرتے۔ اس نوع کی اکثر روایات کتبِ سنن اور مسند امام مالک وغیرہ میں پائی جاتی ہیں۔ بعض راوی عمداً جھوٹی روایات گھڑتے ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ایسے کسی راوی کی روایت نقل نہیں کی ہے۔ اسی طرح الحافظ ابوالعلاء الھمدانی اور شیخ ابوالفرج ابن جوزی نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ کیا مسند امام احمد میں کوئی موضوع حدیث روایت ہوئی ہے حافظ ابوالعلاء نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ ان کی مسند میں کوئی موضوع روایت درج ہوئی ہو۔ ابوالفرج نے ثابت کیا ہے کہ مسند امام احمد میں بعض احادیث ایسی ہیں جن کے بارے میں ثابت ہو چکا ہے کہ وہ باطل ہیں۔ ان دونوں اقوال میں کوئی تعارض و تضاد نہیں ہے۔ ابوالفرج کی اصطلاح میں موضوع حدیث وہ ہے جس کے باطل ہونے پر دلیل قائم ہو جائے۔ اگرچہ راوی نے عمداً اس میں جھوٹ نہ بولا ہو بلکہ محض غلط فہمی کا شکار ہو گیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب ''موضوعات'' میں اسی قبیل کی بہت سی احادیث نقل کر دی ہیں۔ ان کی روایت کردہ موضوع روایات سے اکثر علماء نے اختلاف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان میں سے کوئی روایت ایسی نہیں جس کے باطل ہونے پر دلیل قائم ہو سکے بلکہ ان کی صحت کے ثبوت میں دلائل پیش کرتے ہیں۔ لیکن علماء جمہور کا اتفاق ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موضوعات میں جو

روایات بیان کی ہیں، ان کی غالب اکثریت موضوع اور باطل ہے۔ حافظ ابوالعلاء وغیرہ موضوع حدیث سے مراد ایسی حدیث لیتے ہیں جو من گھڑت اور خود ساختہ ہو اور راوی نے عمداً اس میں جھوٹ بولا ہو۔ یہ حقیقت سب پر عیاں ہے کہ سلف صالحین میں جھوٹ بہت قلیل تھا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور کذب

الحمد للہ، ہم کسی صحابی کے بارے میں یہ نہیں جانتے کہ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا ہو۔ جیسا کہ خوارج، روافض، قدریہ اور مرجئیہ کی ایجاد کردہ بدعات میں سے کسی بدعت پر بھی کوئی صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم عامل نہیں تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی ان گمراہ فرقوں سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور حیاتِ خضر علیہ السلام

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام اسے ملے ہیں۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے حضرت خضر علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ جیسا کہ کسی دوسرے مقام پر واضح ہو چکا ہے۔ اکثر لوگوں سے جن خضر کی ملاقات ہوتی ہے۔ وہ جن ہوتا ہے جو کسی انسان کا روپ دھار کر لوگوں کے پاس آتا ہے اس دھوکہ باز جن کو فرشتہ سمجھنا بھی درست نہیں ہے خواہ وہ یہ کہے کہ میں خضر ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فرشتہ جھوٹ نہیں بولتا۔ صرف جن اور انسان جھوٹ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ میں خود ایسے لوگوں سے واقف ہوں جن کے پاس خضر آیا۔ اصل میں ان کے پاس ایک جن آیا تھا۔ اس مقام پر تفصیلی بیان کی گنجائش نہیں ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایسے جاہل نہیں تھے کہ اس قسم کے فریب و دجل کا شکار ہو جاتے۔ چنانچہ ہمیں کسی ایسے صحابی کا علم نہیں ہے، جسے جن مکہ مکرمہ تک اٹھا کر لے گیا ہو۔ اور اسے ادائیگی حج کے لیے میدان عرفات تک اڑا کر لے گیا ہو۔ جیسا کہ

جاہل عابدوں کو یہ جن ان مقامات مقدسہ تک اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ ہمیں کوئی ایسا صحابی بھی نظر نہیں آتا جسے کے پاس جن دوسروں کا مال اور کھانا چرا کر لایا ہو اور اسے کرامت سمجھتا ہو۔ ہم ان بدعقیدگیوں پر مختلف مقامات پر تفصیلی بحث کر چکے ہیں۔

تابعین رحمہم اللہ اور کذب

جہاں تک تابعین کا تعلق ہے، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، شام اور بصرہ میں رہنے والے تابعین میں سے کسی ایسے تابعی کو ہم نہیں جانتے جس نے عمداً حضور ﷺ پر جھوٹ گھڑا ہو۔ اس کے برعکس اہلِ تشیع میں دروغ بانی بہت مشہور ہے۔

تابعین رحمہم اللہ کے بعد آنے والے لوگوں کی بعض جماعتوں میں کذب عام ہے۔ غلط بیانی اور غلط فہمی سے لوگوں کی اکثریت بھی محفوظ نہیں رہی ہے۔ بلکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے بھی بعض لوگ سہو کا شکار ہو جاتے تھے۔ اسی لیے ان کتب احادیث میں جن صحیح احادیث کا اہتمام والتزام کیا گیا ہے ایسی احادیث موجود ہیں جن کا بطلان واضح ہو چکا ہے۔ خود امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان غلط روایات کو واضح کیا ہے تاکہ لوگ ان سے واقف ہو جائیں۔ اس کے برعکس کسی ایسے راوی سے کوئی حدیث روایت نہیں کی جو عمداً جھوٹ بولتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند کو ان لوگوں کی روایات سے پاک رکھا ہے جن سے اہل سنن ابوداؤد اور ترمذی رحمہما اللہ وغیرہ نے بے جھجک روایات لی ہیں۔ ان لوگوں میں سے ایک راوی مشیخہ کثیر ابن عبداللہ بن عمرو بن عوف المزنی ہیں۔ جو اپنے باپ کے حوالہ سے اپنے دادا سے روایت کرتا ہے۔ اگرچہ ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں اس راوی کی روایات لی ہیں۔ لیکن امام احمد رحمہ اللہ نے ان کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسند احمد کی شروطِ روایت ابوداؤد رحمہ اللہ کی شروط سے زیادہ سخت اور عمدہ ہیں۔

احادیثِ ترغیب وترہیب

مقصود یہ بتانا ہے کہ اس باب میں جو احادیث روایت کی گئی ہیں وہ ان احادیث میں

سے ہیں جو غریب اور منکر بلکہ موضوع ہیں۔ ان کو ایسے لوگوں نے جمع کیا ہے جو فضائل و مناقب میں کھری اور کھوٹی سب روایات درج کر دیتے ہیں۔ اس طرح کی روایات فضائل وعبادات، فضائل انبیاء کرام علیہم السلام وصحابہ وغیرہ میں اکثر پائی جاتی ہیں۔ اس طرح کی احادیث کو ان ابواب میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ صحیح احادیث حسن احادیث ضعیف احادیث موضوع احادیث شریعت میں ایسی ضعیف احادیث پر اعتماد کرنا جائز اور درست نہیں جو نہ صحیح ہوں نہ حسن۔ لیکن امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ وغیرہ علماء نے فضائلِ اعمال سے متعلق ایسی احادیث کو روایت کرنا جائز قرار دیا ہے جو اگرچہ ثابت نہ ہوں لیکن ان کا کذب معلوم نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی عمل کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ دلیلِ شرعی کی بنا پر جائز ہے اور اس کی فضیلت میں حدیث بھی ملتی ہے جس کے کذب کا علم نہ ہو۔ تو اس پر ثواب برحق ہوگا۔ کسی امام نے یہ نہیں کہا ہے کہ کسی ضعیف حدیث کی بنیاد پر کوئی کام واجب اور مستحب قرار پائے گا۔ جو شخص اس بات کا قائل ہے وہ اجماعِ امت کا مخالف ہے۔

اسی طرح کسی شرعی دلیل کے بغیر کسی چیز کو حرام قرار دینا بھی جائز نہیں ہے۔ لیکن جب کسی چیز کی حرمت معلوم ہو جائے اور اس کے مرتکب کے بارے میں وعید بھی کسی حدیث میں آئی ہو اور یہ حدیث جھوٹی معلوم نہ ہو تو ایسی روایت کو بیان کرنا جائز اور درست ہے۔ اگر کسی روایت میں جھوٹ کا شائبہ موجود نہ ہو تو ایسی روایت کو ترغیب وترہیب کے سلسلہ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ روایت اس صورت میں جائز ہے جس سے معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کام کی ترغیب دلائی ہے یا کسی کام سے ڈرایا ہے۔ اور اس کام کی حرمت اور جواز میں کوئی شرعی دلیل موجود ہو اور صرف کوئی مجہول الحال روایت ہی اس حرمت وجواز کی بنیاد نہ ہو۔

اسرائیلی روایات کی حیثیت

اسی طرح شریعت میں جن کاموں کا حکم دیا گیا ہے اور جن کاموں سے روکا گیا ہے۔

ان کی ترغیب وترہیب میں اسرائیلی روایات بیان کرنا درست ہے بشرطیکہ ان کا جھوٹ واضح نہ ہو۔لیکن جو چیز صرف اسرائیلی روایت سے ثابت ہواور کوئی شرعی نص اس کی پشت پر موجود نہ ہوتو کوئی عالم بھی اس کو روایت کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے ائمہ شرعی امور میں ایسی کسی اسرائیلی روایت پر اعتماد نہیں کرتے ہیں۔جو شخص کہتا ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کسی ضعیف حدیث کو جو صحیح ہو نہ حسن بطور حجت پیش کرتے تھے تو وہ ان کی طرف ایک غلط اور بے بنیاد بات منسوب کرتا ہے

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے پیشرو علماء کے نزدیک حدیث کی صرف دوقسمیں تھیں۔یعنی صحیح اور ضعیف۔نیز ان کے نزدیک ضعیف احادیث کی ایک قسم ضعیف متروک تھی۔جس کو بطور حجت پیش نہیں کیا جاسکتا۔دوسری قسم ضعیف حسن حدیث ہے۔سب سے پہلے محدث جس نے حدیث کو تین قسموں صحیح ،حسن اور ضعیف میں تقسیم کیا وہ ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ تھے۔ان کے نزدیک حسن وہ حدیث ہے جو مختلف و متعدد طرق سے روایت ہوئی ہو۔جس میں کوئی راوی کذب سے متہم نہ ہو۔اور جو شاذ نہ ہو۔امام احمد رحمہ اللہ اس طرح کی روایت کا نام ضعیف رکھتے تھے۔اور اس سے دلیل پیش کرتے ہیں۔امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ضعیف حدیث کی جس سے وہ استدلال کرتے ہیں مثال بھی دی ہے۔یہ وہ احادیث ہیں جو عمرو بن شعیب اور ابراہیم الہجری نے روایت کی ہیں۔اس باب میں تفصیل اپنی جگہ پر موجود ہے۔

مخلوق سے سوال کے متعلق روایات

مخلوق سے سوال کرنے کے متعلق جو روایات منقول ہوئی ہیں۔وہ سب ضعیف، لایعنی، بے بنیاد بلکہ موضوع ہیں۔آپ کو کوئی ایسا عالمِ دین نظر نہیں آئے گا جو ان احادیث سے استدلال کرتا ہو۔یا ان پر اعتماد کرتا ہو۔مثلاً عبداللہ بن ہارون بن عنترہ نے اپنے باپ سے

روایت بیان کی ہے۔ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں قرآن مجید سیکھتا ہوں لیکن مجھے یاد نہیں رہتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دعا مانگا کرو:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْئَلُكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِیِّكَ وَبِاِبْرَاهِیمَ خَلِیْلِكَ وَبِعِیُسٰی رُوْحِكَ وَكَلِمَتِكَ بِتَوْرَاةِ مُوسٰی وَاِنْجِیْلِ عِیْسٰی وَزَبُوْرِ دَاوٗدَ وَفُرْقَانَ مُحَمَّدٍ وَبِكُلِّ وَحْیٍ اَوْ حَیْتَهٗ وَقَضَاءٍ قَضَیْتَهٗ.)) [1]

''اے اللہ! میں سوال کرتا ہوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے جو تیرے نبی ہیں۔ تیرے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے واسطہ سے۔ تیری روح اور تیرے کلمہ عیسیٰ علیہ السلام کے واسطہ سے موسیٰ علیہ السلام کی تورات، عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل، داؤد علیہ السلام کی زبور اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرقان (قرآن) کے واسطہ سے ہر وحی کے واسطہ سے جو تو نے مقرر کر دی ہے۔''

اس حدیث کو زرین بن معاویہ العبدری نے اپنی ''جامع'' میں نقل کیا ہے۔ اور ابن اثیر رحمہ اللہ نے اپنی ''جامع الاصول'' میں اسے نقل کیا ہے۔ لیکن دونوں میں سے کسی نے بھی اہلِ اسلام کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے۔ لیکن ابن السنی اور ابونعیم جیسے محدثین نے جو شب و روز کے اعمال و افعال کے بارے میں روایت نقل کرتے ہیں، ان روایات کو نقل کیا ہے۔ اس طرح کی کتب حدیث میں اکثر موضوع احادیث پائی جاتی ہیں۔ جن پر اجماع علماء کے مطابق شرعی امور میں اعتماد کرنا جائز اور صحیح نہیں ہے۔ اس حدیث کو ابوالشیخ اصفہانی نے بھی اپنی کتاب فضائلِ اعمال میں روایت کیا۔ اور اس کتاب میں بہت سی جھوٹی اور موضوع احادیث درج ہیں۔ اسے ابوموسیٰ المدنی نے اس حدیث کی بنا پر روایت کیا ہے جسے زید بن

---

[1] كتاب الثواب للابي الشيخ، كما في اتحاف السادة المتقين ٥/٦٦، ٦٧.

الحباب عبد الملک بن ہارون بن عنترہ سے روایت کیا ہے۔ اور ابو موسیٰ المدنی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، اگر چہ یہ متصل حدیث نہیں ہے۔ ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو محرز بن ہشام نے عبدالملک سے روایت کیا، جس نے اس کو اپنے باپ کے حوالہ سے اپنے دادا کے ذریعہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ اور عبدالملک قوی راوی نہیں ہے۔ وہ ''رے'' کے رہنے والا ہے اور اس کے باپ اور دادا دونوں ثقہ ہیں۔ عبدالملک بن ہارون بن عنترہ معروف کذاب راویوں میں سے ہے۔ یحییٰ ابن معین رحمہ اللہ نے اسے کذاب کہا ہے۔ اور سعدی رحمہ اللہ نے اسے دجال، کذاب گردانا ہے۔ ابو حاتم بن حبان رحمہ اللہ کہتے ہیں وہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں وہ متروک ہیں۔ بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث قابل قبول نہیں ہے۔ احمد بن حنبل رحمہ اللہ اسے ضعیف کہتے ہیں۔ ابن عدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ وہ ایسی روایات بیان کرتا ہے جس میں اس کا کوئی ہم خیال نہیں ہے۔ دارِقطنی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ وہ اور اس کا باپ دونوں ضعیف ہیں۔ حاکم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب المدخل میں کہا ہے کہ عبدالما لک بن ہارون بن عنترہ الشیبانی اپنے باپ سے موضوع احادیث بیان کیا کرتا تھا۔ اس کی روایت کو ابوالفرج بن الجوزی نے اپنی کتاب موضوعات میں درج کیا ہے۔ الحافظ ابوموسیٰ کا قول ہے کہ یہ منقطع حدیث ہے۔ منقطع حدیث سے ان کی مراد ایک ایسی حدیث ہے جس کے اگر چہ تمام راوی ثقہ ہوں لیکن اس کی اسناد منقطع ہو۔

عبدالما لک نے اسی مفہوم کی دوسری روایات بھی بیان کی ہیں۔ جو اہل کتاب کی طلب فتح (استفتاح) سے متعلق ہیں۔ ہم عنقریب ان کا ذکر کریں گے۔ یہ روایات مفسرین اور اہل سیر کے اقوال اور دلائل قرآن کے مخالف ہے۔ یہ بات علماء کے فن کے اس قول پر دلالت کرتی ہے کہ عبدالما لک کی روایات متروک ہے۔ وہ تو عمداً جھوٹی حدیثیں بیان کرتا ہے۔ یا سوء حافظہ میں مبتلا ہے۔ یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اس کا قول کسی مسئلہ میں حجت نہیں

ہے۔ اسی طرح کی ایک حدیث عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے اپنے دادا کے حوالہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب سے مرفوعاً روایت کی ہے۔

''جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش سرزد ہوئی تو انہوں نے دعا مانگی:

((يَا رَبِّ اَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ ﷺ لِمَا غَفَرْتَ لِيْ.))

''یعنی اے میرے پروردگار! میں تجھ سے بحق محمد ﷺ سوال کرتا ہوں تو مجھے بخش دے۔''

اللہ تعالیٰ نے پوچھا تو نے محمد ﷺ کو کیسے پہچانا؟ عرض کیا: جب تو نے مجھے اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا اور میرے اندر اپنی روح پھونکی تو میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور عرش کے پایوں پر لکھا پایا:

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ.))

میں سمجھ گیا کہ تو نے اپنے اسم مبارک کے ساتھ صرف کسی محبوب ترین مخلوق کا نام لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم علیہ السلام! تو نے سچ کہا! اگر محمد نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا ہی نہ کرتا۔''

حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی مستدرک میں عبداللہ بن مسلم الفہری سے اسماعیل بن سلمہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ پہلی حدیث ہے جسے میں نے عبدالرحمٰن کے لیے اس کتاب میں بیان کیا ہے۔ نیز حاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ صحیح حدیث ہے۔

اس کو شیخ ابوبکر الآجری نے ''الشریعۃ'' میں عبداللہ بن اسماعیل بن مریم کی حدیث سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور عبداللہ نے اسے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے موقوفاً روایت کیا ہے۔ نیز آجری نے اس حدیث کو ایک دوسرے طریق سے عبدالرحمٰن بن ابی زناد سے موقوفاً بیان کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ہم نے حدیث بیان کی ہارون بن یوسف الناصر نے ہم سے حدیث بیان کی ابوعثمان بن خالد نے عبدالرحمٰن بن ابی زناد سے

جس نے کہا کہ میرے باپ نے کہا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جن کلمات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کی وہ یہ ہیں:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْاَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ عَلَيْكَ.))

''اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس حق کے حوالہ سے جو محمد ﷺ کو تجھ پر حاصل ہے۔''

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''تو کیا جانے محمد کا مرتبہ کیا ہے۔''

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا:

((يَا رَبِّ رَفَعْتُ رَاْسِی فَرَاَيْتُ مَكْتُوْباً عَلٰى عَرْشِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا مُحَمَّدُ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَعَلِمْتُ اَنَّهُ اَكْرَمُ خَلْقِكَ.)) [1]

''اے میرے پروردگار! میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور دیکھا کہ تیرے عرش پر لکھا ہے۔''

((لَا اِلٰهَ اِلَّا مُحَمَّدُ رَّسُوْلُ اللّٰهِ.))

پس میں جان گیا کہ وہ تیری مخلوق میں سے سب سے زیادہ صاحبِ کرامت ہے۔''

میری رائے میں حاکم رحمہ اللہ کی یہ حدیث سب سے زیادہ ناقابل قبول ہے۔ اس کی

---

[1] المستدرک للحاکم (۶۱۵/۲) دلائل النبوۃ للبیہقی ۴۸۹/۵ میزان الاعتدال ۵۰۴/۲ اس کی سند میں ''عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم'' سخت ضعیف راوی ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ کا اس روایت کو ''صحیح الاسناد'' کہنا درست نہیں۔ عفا اللہ عنہ اس لئے کہ خود امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب '' المدخل الی الصحیح '' (ص: ۱۰۴، رقم: ۹۷) پر لکھا ہے ''عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اپنے باپ سے موضوع روایات بیان کرتا ہے'' اسی طرح علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی ''تلخیص المستدرک ۶۱۵/۲'' میں امام حاکم کا رد کیا ہے۔ اور '' میزان الاعتدال '' (۵۰۴/۲) ''عبداللہ بن مسلم ابو الحارث الفہری'' کے ترجمہ میں اس روایت کو باطل قرار دیا ہے۔ نیز امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو نقل کر کے اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

وجہ یہ ہے کہ خود امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''المدخل، ص:۱۰۴'' جو صحیح اور غیر صحیح احادیث کی معرفت پیدا کرنے کے لیے تحریر کی گئی ہے۔ میں لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اپنے باپ سے موضوع روایات بیان کرتا ہے۔ یہ حقیقت کسی بھی اہل فن پر مخفی نہیں ہے جو ان روایات پر ذرا بھی غور وفکر سے کام لیتا ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کو تمام اہلِ فن متفقہ طور پر ضعیف کہتے ہیں وہ اکثر غلطی کا شکار ہو جاتا ہے۔ امام احمد بن حنبل، ابوزرع، ابو حاتم، نسائی اور دارقطنی رحمہم اللہ وغیرہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ اور ابوحاتم ابن حبان رحمہ اللہ کا قول ہے وہ حدیث کو بے علمی کی بنا پر الٹ پلٹ کر دیتا تھا۔ اس نے اکثر مرسل روایات کو مرفوع بنا دیا ہے اور موقوف کو متصل بنا دیا ہے۔ لہٰذا اس کی روایات کا ترک کر دینا ہی بہتر ہے۔ حاکم رحمہ اللہ کی اس حدیث اور اس جیسی دوسری احادیث کی تصحیح پر فن حدیث کے علماء نے سخت گرفت کی ہے ان کا کہنا ہے کہ حاکم رحمہ اللہ نے ایسی احادیث کو صحیح قرار دیا ہے جو علمائے حدیث کے نزدیک موضوع اور خود ساختہ ہیں۔

حدیث وصی المسیح:

حاکم رحمہ اللہ نے جن احادیث کو صحیح قرار دیا ہے ان میں سے ایک زریب بن شرملہ کی حدیث ہے جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی وصیت کا ذکر ہے۔ [1]

یہ روایت جیسا کہ بیہقی اور ابن جوزی رحمہما اللہ نے واضح کر دیا ہے، تمام علمائے فنِ حدیث کے نزدیک باتفاق جھوٹی ہے۔ اسی طرح مستدرک میں بہت سی احادیث کو صحیح کہا گیا ہے۔ حالانکہ وہ تمام اہلِ علم کے نزدیک موضوع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے حدیث مجرد حاکم رحمہ اللہ کی تصحیح پر اعتماد نہیں کرتے۔ اگرچہ انہوں نے جن احادیث کو صحیح کہا ہے ان کی غالب اکثریت صحیح ہے۔ لیکن تصحیح کرنے والوں میں ان کا مقام وہی ہے جو کسی ایسے ثقہ راوی

[1] الدلائل للابی نعیم (٥٤)، الاصابه (٥٢٤/٢، ٥٢٥، ٥٩٥/١)، اس کے علاوہ دلائل النبوۃ للبیہقی ۴۲۵/۵، ۴۲۸ پر یہ روایت امام حاکم کی سند سے موجود ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی اس پر جرح کی ہے۔

کا ہو سکتا ہے جو روایتِ حدیث میں اکثر غلطی کا ارتکاب کرتا ہے۔ اگرچہ اس کی تصحیح حدیث میں صواب کا پہلو غالب ہی کیوں نہ ہو۔ حدیث کی جن لوگوں نے تصحیح کی ہے ان میں سے حاکم رحمہ اللہ کی تصحیح سب سے زیادہ کمزور ہے۔ اس کے برعکس ابو حاتم بن حبان البستی کی تصحیح حاکم رحمہ اللہ کی تصحیح سے بہتر ہے اور اس کی قدر و منزلت بہت بلند ہے۔ اسی طرح امام ترمذی، دار قطنی، ابن خزیمہ اور ابن مندہ رحمہم اللہ وغیرہ تصحیح حدیث میں بلند مقام پر فائز ہیں اگرچہ ان کے بعض اقوال کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے وہ اس باب میں حاکم رحمہ اللہ سے بہت زیادہ مہارت رکھتے ہیں۔

بخاری اور مسلم کا مرتبہ:

ان کتبِ احادیث میں سے کسی کی تصحیح بھی بخاری اور مسلم رحمہما اللہ کی تصحیح کے ہم پلہ نہیں ہے۔ مسلم رحمہ اللہ کی تصحیح بخاری رحمہ اللہ کی تصحیح کے برابر نہیں ہے۔ احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جتنی کتابیں تصنیف ہوئی ہیں۔ بخاری رحمہ اللہ کا مرتبہ ان سب سے بلند ترین ہے۔ خود امام بخاری رحمہ اللہ سب سے بڑے ماہرِ فن اور نقاد ہیں۔ کیونکہ انہیں دین میں تفقہ کا درجہ بھی حاصل ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ انہوں نے امام بخاری سے بڑھ کر کوئی دوسرا نقاد نہیں دیکھا۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور جب امام بخاری رحمہ اللہ کی تصحیح میں اختلاف کرتے ہیں تو وہ ان کے قول کو راجح سمجھتے ہیں۔ اس کے برعکس امام مسلم رحمہ اللہ نے متعدد احادیث ایسی بیان کی ہیں جن میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے اور حق مخالف گروہ کی طرف ہے۔ مثلاً حدیثِ کسوف میں امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رکعات، چار رکعات اور دو رکعات نماز پڑھی۔ صحیح بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو رکعات نماز ادا کی تھی۔ اور آپ نے نمازِ کسوف زندگی میں صرف ایک مرتبہ پڑھی تھی۔ وہ بھی اُس روز جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ابراہیم کی وفات کے موقعہ پر سورج گرہن ہوا تھا۔ [1]

[1] صحیح مسلم، کتاب الکسوف، باب ماعرض علی النبی ﷺ فی صلاۃ الکسوف من امر الجنة والنار (۹۰۴).

امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے۔ امام بخاری اور احمد بن حنبل رحمہما اللہ کا قول بھی یہی ہے۔ جن احادیث میں تین یا چار رکعات کا ذکر آیا ہے ان میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رکعات اپنے بیٹے ابراہیم کی وفات کے دن پڑھیں۔ سب کو معلوم ہے کہ کسوف دو دن نہیں ہوا تھا۔ اور نہ آپ کے ابراہیم نامی دو صاجزادے تھے۔ جو شخص یہ روایت نقل کرتا کہ ابراہیم مہینہ کی دس تاریخ کو فوت ہوئے تھے۔ وہ کذاب ہے۔ اسی مسلم نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین سبت (ہفتہ) کے دن پیدا فرمائی۔ [1]

یہی ابنِ معین اور بخاری رحمہما اللہ وغیرہ نے جو امام مسلم رحمہ اللہ سے زیادہ ماہرفن ہیں، اس میں اختلاف کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ یہ روایت غلط ہے۔ اور کلامِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ حق انہی لوگوں کیساتھ ہے۔ کتاب و سنت اور اجماع امت سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا ہے۔ جس کو سب سے آخر میں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا وہ آدم علیہ السلام تھے۔ اور وہ جمعہ کو پیدا ہوئے۔ یہ حدیث مختلف فیہ ہے۔ اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو سات روز میں پیدا کیا ہے۔ حالانکہ اس سے زیادہ صحیح سند سے مروی ہوا ہے کہ تخلیق کائنات کا آغاز اتوار کو ہوا تھا۔ [2]

اسی طرح سے ایک روایت ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو شرفِ زوجیت بخشیں۔ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتب وحی مقرر فرمالیں۔ حفاظ حدیث کے ایک گروہ نے مسلم کی اس حدیث

---

[1] صحیح مسلم، کتاب المنافقین، باب ابتداء الخلق، وخلق آدم علیہ السلام (۲۷۸۹).

[2] المستدرك (۲/۴۵۰، ۲/۵۴۳)، نیز شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسلم رحمہ اللہ کی روایت صحیح ہے۔ اور قرآن کی آیت اور اس حدیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیں: [سلسلة الاحاديث الصحيحة (۱۸۳۳)، مشکوٰۃ (۵۷۳۵)، مختصر كتاب العلو (۷۱)].

کو غلط قرار دیا ہے۔ ❶

لیکن صحیحین (مسلم و بخاری) کا متن عموماً آئمہ حدیث کے نزدیک صحیح ہے۔ انہوں نے اسے قبول کیا ہے۔ اور اس پر اتفاق کیا ہے۔ وہ علم قطعی کی بنا پر جانتے ہیں کہ مسلم و بخاری کا متن حضور ﷺ کے فرمان پر مشتمل ہے۔ اس پر تفصیلی بحث مناسب موقعہ پر کی جائے گی۔

تخلیقِ آدم علیہ السلام کے بارے میں مذکورہ بالا حدیث کو مصنفین کے ایک گروہ نے بغیر سند کے بیان کیا ہے اور اس میں اضافہ بھی کیا ہے۔ مثلاً قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ابو محمد المکی اور ابو اللیث السمر قندی رحمہما اللہ وغیرہ نے حکایت بیان کی ہے کہ: ''حضرت آدم علیہ السلام سے جب لغزش ہوئی تو انہوں نے دعا مانگی: ''اے اللہ! میری لغزش کو بحق محمد ﷺ معاف فرمادے۔''

ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ: ''اے اللہ! میری توبہ قبول فرما۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو نے محمد ﷺ کو کہاں سے پہچانا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ: ''میں نے جنت کے ہر مقام پر کلمہ ((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ.)) لکھا ہوا دیکھا۔ دوسری روایت کے مطابق یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے:

((مُحَمَّدٌ ﷺ عَبْدِی وَرَسُوْلِیْ.))

''محمد ﷺ میرے بندے اور رسول ہیں۔''

چنانچہ میں سمجھ گیا کہ وہ تیری مخلوق میں سب سے زیادہ صاحبِ عزت شخص ہیں۔

---

❶ صحیح مسلم: کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی سفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ (۲۵۰۱)، اس حدیث پر کئی ایک علماء نے جرح کی ہے مگر شیخ السلام ابن القیم رحمہ اللہ نے ''جلاء الافہام'' میں اس پر عمدہ بحث کی ہے۔ نیز فضیلة الشیخ الاستاذ ارشاد الحق اثری صاحب حفظہ اللہ نے بھی اس کی مختصر مگر جامع توضیح کی ہے۔ دیکھیں: [احادیث صحیح بخاری و مسلم کو مذھبی داستانیں بنانے کی ناکام کوشش صفحہ ۸۷، ۸۸]

پس اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ قبول فرمالی۔ اور اس کو معاف فرمادیا۔ تمام علمائے اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس قسم کی روایات پر شریعت کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ اور نہ ہی ان کو دینی امور میں بطورِ حجت پیش کیا جاسکتا ہے۔ یہ روایات اسرائیلیات کی جنس سے ہیں۔ ایسی دیگر روایات بھی دین میں حجت نہیں بن سکتیں۔ جن کی صحت حضور ﷺ سے ثابت نہ ہو۔ ان روایات کو اگر کعب الاحبار اور وہب بن منبہ جو اہل کتاب سے تخلیق کائنات اور گزشتہ قوموں کے واقعات نقل کرتے ہیں، روایت کریں تو بھی یہ باتفاق مسلمین دین میں حجت قرار نہیں پاسکتیں۔ پھر ان لوگوں کی روایات کیسے حجت بن سکتی ہیں جو نہ اہل کتاب سے روایت کرتے ہیں اور نہ ثقہ علمائے اسلام سے، بلکہ ایسے راویوں سے احادیث بیان کرتے ہیں۔ جو علمائے حدیث کے نزدیک مجروح اور ضعیف ہیں۔ اور جن کی حدیث سے استدلال جائز نہیں ہے؟ نیز راوی بھی ایسے مضطرب ہیں کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کا حافظہ قابلِ اعتماد نہیں ہے ایسے علماء کرام نے جن کی روایات پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ اس قسم کی کوئی روایت نقل نہیں کی ہے۔ یہ روایات اسحاق بن بشر وغیرہ کی روایات کی جنس سے ہیں۔ جو تخلیقِ کائنات کے متعلق کتابوں میں درج ہیں۔ اگر یہ چیز انبیاء کرام علیہم السلام سابقین سے ثابت ہوتی تو وہ اہلِ کتاب کے لیے شریعت بن جاتی پھر اس بنیاد پر یہ بحث پیدا ہوتی کہ پہلے انبیاء کرام کی شریعت ہمارے لیے بھی شریعت کا درجہ رکھتی ہے کہ نہیں؟

اس مسئلہ میں اختلاف بہت مشہور ہے لیکن اکثر ائمہ وعلمائے دین کا مسلک یہ ہے کہ ان کی شریعت ہمارے لیے بھی شریعت ہے بشرطیکہ ہماری اپنی شریعت میں کوئی حکم اس کے خلاف نہ ہو۔ سابقہ شریعت اسی صورت میں ہمارے لیے قابلِ حجت ہے جب اس کی صحت خود ہمارے نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہو یا ان کے علماء سے تواتر کے ساتھ ان کی شریعت ہم تک پہنچی ہو۔ اس کے سوا کوئی روایت مسلمانوں کی شریعت میں قابلِ حجت نہیں ہے۔

حفظِ قرآن والی حدیث

اس باب میں ایک حدیث مشہور مفسرِ قرآن موسیٰ بن عبدالرحمٰن الصنعانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''آدمی چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قرآنِ مجید حفظ کرادے اور مختلف اصنافِ علم سکھادے وہ مندرجہ ذیل دعا کسی صاف ستھرے برتن میں یا کسی شیشہ کے پتروں پر شہد، زعفران اور بارش کے پانی سے لکھے اور منہ نہار پیئے۔ تین دن تک روزے رکھے۔ اور اسی پانی سے افطار کرے اور نماز کے بعد یہی دعا مانگے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْاَلُكَ بِاَنَّكَ مَسْئُوْلٌ لَمْ يُسْئَلْ مِثْلُكَ وَلَا يُسْئَلُ وَاَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ ﷺ نَبِيِّكَ وَاِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلِكَ وَمُوسٰى نَجِيِّكَ وَعِيْسٰى رُوْحِكَ وَكَلِمَتِكَ وَوَجِيْهِكَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ .))

''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ تو سوال قبول کرنے والا ہے۔ تیرے جیسا کوئی نہیں جس سے پہلے سوال کیا گیا ہو۔ یا آئندہ سوال ہو۔ میں تجھ سے تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے خلیل ابراہیم، موسیٰ کلیم اللہ اور تیرے روح، کلمہ اور وجیہ عیسیٰ علیہم السلام کے حق کے حوالہ سے سوال کرتا ہوں۔''

اس حدیث میں ایک راوی موسیٰ بن عبدالرحمٰن کذاب راویوں میں سے ہے۔ ابو احمد بن عدی اس کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ منکر الحدیث ہے۔ اس کی روایات قابلِ قبول نہیں ہیں۔ ابو حاتم ابن حبان کا قول ہے، یہ دجال ہے۔ اور حدیثیں گھڑتا ہے۔ چنانچہ اس نے تفسیر کی ایک کتاب عطاء اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے ابنِ جریج رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کردی ہے۔ اور اس میں کلبی اور مقاتل کا کلام جمع کردیا ہے۔ اسی طرح روزہ کے بارے میں ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے موسیٰ بن ابراہیم المروزی رحمہ اللہ کے طریق پر ایک حدیث روایت ہوئی۔ اس کی سند اس طرح ہے۔

((حدثنا وکیع عن عبیدۃ عن شفیق عن ابن مسعود۔))

اس حدیث کے راوی موسیٰ بن ابراہیم کے بارے میں موسیٰ بن معین رحمہ اللہ کا قول ہے کہ وہ کذاب ہے۔ دارقطنی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ وہ متروک ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ حد درجہ کا غبی تھا۔ جو کچھ سنتا روایت کر دیتا۔ اس لیے متروک ٹھہرا۔ اسی طرح یہ روایت مجاہد بن جبیر اور ابن مسعود رحمہما اللہ کے حوالہ سے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہوئی ہے۔ یہ اول الذکر سے بھی ضعیف طریق سے روایت ہوئی ہے۔ ابوالشیخ اصبہانی نے اسے احمد بن اسحاق جوہری کی حدیث سے اس طرح روایت کیا ہے۔

((حدثنا ابوالاشعث ،حدثنا زهیر بن الاعلاء العتبی ،حدثنا یوسف بن یزید عن الزهری ورفع الحدیث قال: مَنْ سَرَّهُ اَنْ یَّحْفَظَ فَلْیَصُمْ سَبْعَةَ اَیَّامٍ لِیَکُنْ اِفْطَارُهُ فِی آخِرِ الْاَیَّامِ السَّبْعَةِ عَلٰی هٰؤُلَاءِ الْکَلِمَاتِ.))

''یعنی جو شخص قرآنِ مجید کو حفظ کرنا چاہے۔ اسے سات روزے رکھنا چاہیے اور ساتویں روز ان کلمات سے روزہ افطار کرے۔''

محدثین کے طبقات

میری رائے میں یہ سند بالکل غیر معروف اور مجہول ہے۔ اور اس سے کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی۔ اسے ابوموسیٰ المدینی رحمہ اللہ نے اپنی ''امانی'' میں روایت کیا ہے۔ اور ابوعبداللہ المقدسی نے اپنے ہم مشربوں کی طرح اسے روایت کیا ہے۔ جو اس سلسلہ میں صحیح اور ضعیف میں امتیاز کیے بغیر احادیث روایت کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ اکثر متاخرین محدثین کی عادت ہے کہ وہ فضائل کے متعلق تمام روایات نقل کر دیتے ہیں۔ اور اعمال و عبادات اور شخصیات کے فضائل کے بارے میں جو روایات نقل کی جاتی ہیں ان کی ذمہ داری راوی پر ڈال دیتے

ہیں۔ ابوالشیخ اصبہانی نے فضائل اعمال کے متعلق بہت سی احادیث بیان کی ہیں۔ ان میں سے بہت سی احادیث قوی، صحیح اور حسن ہیں۔ اور کثیر تعداد ضعیف، موضوع اور بے بنیاد روایات پر مشتمل ہے۔ یہی حال ان روایات کا ہے جو خثیمہ بن سلیمان نے فضائل صحابہ اور ابونعیم اصبہانی نے فضائلِ خلفائے راشدہ کے متعلق اپنی کتاب مفرد میں بیان کی ہیں۔ ابو اللیث سمرقندی، عبدالعزیز الکنانی اور ابو علی بن البناء اور دیگر شیوخ اور ابوبکر خطیب، ابوالفضل بن ناصر ابو موسیٰ المدینی، ابو القاسم بن عساکر، حافظ عبدالغنی اور ان کی طرح دوسرے علمائے حدیث رحمہم اللہ کی روایت کردہ احادیث بھی اسی طرح کی ہیں۔ انہوں نے اپنی تصانیف میں اپنی عادت کے مطابق ہر طرح کی احادیث روایت کر دی ہیں۔ تاکہ اہل علم جان لیں کہ اس باب میں جو روایات درج ہوئی ہیں سب کی سب قابل حجت نہیں ہیں۔ ان میں سے بعض تو خود ہی کسی حدیث کے متعلق بتا دیتے ہیں کہ حدیث غریب منکر اور ضعیف ہے۔

اس کے برعکس ائمہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور اپنے دین کی بنیاد احادیث پر رکھتے ہیں۔ اس زمرہ میں امام مالک بن انس، شعبہ بن الحجاج، یحییٰ بن سعید القطان، عبدالرحمٰن بن مہدی، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن مبارک، وکیع بن جریج، امام شافعی، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، علی بن المدینی، امام بخاری، ابوزرعہ، ابوحاتم، ابوداؤد، محمد بن نصر المروزی، ابن خزیمہ، ابن المنذر، داؤد بن علی، محمد بن جریر طبری رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔ یہ ائمہ حدیث احکام شرعی کی بنیاد احادیثِ نبوی ﷺ پر رکھتے ہیں۔ اس لیے صحیح اور ضعیف روایات میں معرفت اور رواۃ کی صحت و عدم صحت میں تمیز پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسی طرح محدثین کا ایک طبقہ ایسا ہے جو متنِ حدیث اور رواۃ حدیث (رجال) میں بحث اور کلام کرتے ہیں تاکہ وہ مختلف قسم کی احادیث میں امتیاز پیدا کر سکیں اور صحیح احادیث

کی معرفت پیدا کر سکیں اس جماعت میں ابو احمد بن عدی، ابو حاتم البستی، ابو الحسن الدار قطنی، ابو بکر اسماعیلی اور ابو بکر البیہقی، ابو اسماعیل انصاری، ابو القاسم الزنجانی، ابو عمر بن عبد البر، ابو محمد بن حزم رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں، ان امور پر کسی دوسرے مقام پر بحث ہو گی۔ ان شاء اللہ۔ یہاں ہم نے ان لوگوں کا ذکر نہیں کیا جو بلا اسناد روایت کرتے ہیں۔ اس زمرہ میں عمر الملا الموصلی کی کتاب " وسیلہ المتعبدین " اور شہر یار الدیلمی کی کتاب الفردوس آتی ہے۔ ان محدثین کا درجہ مذکورہ طبقاتِ محدثین سے بہت فروتر ہے اور جو جھوٹی روایات وہ بیان کر دیتے ہیں ان کا معاملہ بہت خطرناک ہے۔

اس ساری بحث کا مقصد یہ بتانا ہے کہ فنِ حدیث کے تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اس باب میں نبی اکرم ﷺ سے ایک حدیث بھی مرفوع طریقہ سے روایت نہیں ہوئی ہے۔ جس پر مسائلِ شرعی میں اعتماد کیا جا سکے۔ تمام علمائے حدیث جانتے ہیں کہ اس ضمن میں جتنی احادیث روایت کی گئی ہیں ان کا تعلق موضوعات سے ہے۔ ان کو یا تو عمداً گھڑ لیا ہے یا اُن کو روایت کرنے میں غلطی سرزد ہو گئی ہے۔

آثار سلف

اس باب میں سلف سے بھی آثار منقول ہیں۔ ان میں سے اکثر ضعیف ہیں۔ ان میں چار اشخاص والی حدیث بھی شامل ہے۔ جو کعبۃ اللہ کے پاس جمع ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے مختلف سوال کیے یہ چار اشخاص حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ ابن عمر اور عبدالملک بن مروان تھے۔ اس حدیث کو ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب ''مجابی الدعا'' میں ذکر کیا ہے۔ اور اس طرح روایت کیا:

((اسماعیل بن ایان الغنوی عن سفیان الثوری عن طارق بن عبدالعزیز عن شعبی .))

شعبی رحمہ اللہ نے کہا:

''میں نے ایک عجیب معاملہ دیکھا! ہم اور عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، مصعب بن زبیر اور عبدالملک بن مروان خانہ کعبہ کے صحن میں موجود تھے۔ جب وہ بات چیت سے فارغ ہوئے تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ تم میں سے ہر آدمی کو اُٹھ کر رکن یمانی کو پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت مانگنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت وقدرت سے حاجت روائی فرمائے گا۔ پھر انہوں نے کہا: اے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ آپ اٹھ کر دعا مانگیں کیونکہ ہجرت کے بعد اسلام میں تم سب سے پہلے مولود ہو۔

حضرت عبداللہ بن زبیر اٹھے اور یہ دعا مانگنے لگے: ''اے اللہ! تو عظیم ہے، تجھ سے ہر بڑی چیز کی آرزو کی جاتی ہے۔ میں تجھ سے تیری وجاہت کی حرمت، عرش کی حرمت اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک دنیا سے نہ اٹھانا جب تک تو مجھے حجاز کا والی نہ بنا دے۔ اور میری خلافت پر لوگ راضی نہ ہو جائیں۔''

یہ دعا مانگنے کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ واپس اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد حضرت مصعب رضی اللہ عنہ اُٹھے اور رکن یمانی کو تھام کر یہ دعا مانگی:

''اے اللہ! تو ہر چیز کا پروردگار ہے ہر چیز کو تیرے ہی پاس لوٹنا ہے۔ ہر چیز پر تجھے جو قدرتِ کاملہ حاصل ہے۔ اس کا واسطہ دے کر تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ مجھے دنیا سے اس وقت تک نہ اٹھانا جب تک تو مجھے عراق کا حاکم نہ بنا دے۔ اور سکینہ بنت حسین سے میری شادی نہ ہو جائے۔''

پھر عبدالملک بن مروان اٹھا اور رکن یمانی کو تھام کر یہ دعا کی:

''اے اللہ! ساتوں آسمانوں اور زمین کے پروردگار! جو بے آب وگیاہ ہونے کے بعد سرسبز ہونے والی ہے۔ میں تجھ سے اس چیز کے حوالہ سے سوال کرتا ہوں جس کے حوالہ سے تیرے مطیعِ فرمان بندے تجھ سے سوال کرتے ہیں۔ میں تجھ سے اس حق کے واسطہ سے جو تیرا مخلوق پر ہے، اور تیرے عرش کے

اردگرد طواف کرنے والے فرشتوں کے حق کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں۔'' ❶

اسی طرح دوسرے لوگ بھی اٹھے اور رکن یمانی کو تھام کر اپنی اپنی حاجت اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کی۔ میں کہتا ہوں کہ اسماعیل بن ابان جس نے سفیان الثوری رحمہ اللہ سے یہ حدیث روایت کی ہے وہ کذاب ہے۔ احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے کہ میں نے اس سے روایات نقل کیں پھر یہ موضوع روایات بیان کرنے لگا تو میں نے اس سے نقل روایت ترک کردی۔ یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ اس نے یہ حدیث وضع کی کہ نسلِ عباس میں ساتواں آدمی یعنی (مامون) سبز لباس پہنے گا۔ امام بخاری، مسلم، ابوزرع اور دارقطنی رحمہم اللہ کا قول ہے کہ یہ متروک ہے۔ جوزجانی کا قول ہے کہ اس کا جھوٹ واضح اور ظاہر ہے۔ ابوحاتم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کذاب ہے۔ ابن حبان رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ ثقہ راویوں کی طرف موضوع روایات منسوب کر دیتا ہے۔ اسی طرح طارق بن عبدالعزیز جس سے سفیان ثوری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں ایک مجہول الحال آدمی ہے۔ مشہور طارق بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جس سے ابن عجلان رحمہ اللہ نے روایت کی ہے۔ اس طبقہ سے تعلق نہیں رکھتا۔ اور اس روایت کے مخالف روایت بھی موجود ہے۔ جسے ابونعیم رحمہ اللہ نے طبرانی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے۔

((حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ زَيْدِ بْنِ الْجُرَيْشِ، حَدَّثَنَا اَبُو حَاتِمٍ السَّجُسْتَانِیُ حَدَّثَنَا الْاَصْمَعِیُ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِی الزِّنَادِ عَنْ اَبِيهِ قَالَ: اِجْتَمَعَ فِی الْحَجَرِ مُصْعَبٌ وَعُرْوَةٌ وَعَبْدُاللّٰهِ اِبْنَاءِ الزُّبَيْرِ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہم فَقَالُوا تَمَنَّوا، فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ زُبَيْرٍ رضی اللہ عنہ اَمَّا فَاَتَمَنَّى الْخَلَافَةَ وَقَالَ عُرْوَةٌ اَمَّا اَنَا فَاَتَمَنّٰى اَنْ يُّوخَذَ عَنِّی الْعِلْمُ وَقَالَ مُصْعَبٌ اَمَّا اَنَا فَاَتَمَنّٰى اِمْرَةَ الْعِرَاقِ، وَالْجَمْعَ بَيْنَ عَائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ وَسَكِينَةَ بِنْتِ الْحُسَيْنِ، وَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہ

❶ تاریخ دمشق: ۳۱/۱۷۱، ۱۷۲۔

اَمَّا اَنَا فَاَتَمَنّٰی الْمَغْفِرَۃ۔)) [1]

''ہم سے احمد بن زید بن الجریش نے حدیث بیان کی، ہم سے ابو حاتم السجستانی نے حدیث بیان کی، ہم سے اصمعی نے حدیث بیان کی اس نے کہا: ہم سے عبدالرحمٰن بن ابی زناد نے اپنے باپ سے حدیث بیان کی، اس نے کہا کہ حجرِ اسود کے پاس مصعب، عروہ اور عبداللہ جو زبیر کے لڑکے تھے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم جمع تھے۔ انہوں نے کہا کہ کوئی آرزو کرو۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں خلافت کی تمنا کرتا ہوں عروہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میری تمنا ہے کہ لوگ مجھ سے علم سیکھیں۔ مصعب رحمہ اللہ نے کہا کہ میں تمنا کرتا ہوں کہ مجھے امارتِ عراق نصیب ہو اور سکینہ بنت حسین اور عائشہ بنت طلحہ کو زوجیت میں جمع کروں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں بخشش کی تمنا کرتا ہوں۔''

راوی کا بیان ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی تمنا پوری ہوگئی۔ ممکن ہے کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کو بخش دیا گیا ہو۔ میں کہتا ہوں کہ باتفاق علمائے حدیث یہ اسناد پہلی اسناد سے بہتر ہے اس سے مخلوق سے سوال کرنا نہیں پایا جاتا۔

اس باب میں بعض لوگوں نے مختلف حکایات بیان کی ہیں کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ان سے کہا جا رہا ہے کہ فلاں فلاں بزرگ (یا چیز) کے وسیلہ سے دعا مانگو۔ باتفاق علمائے اسلام اس طرح کی خوابیں کسی شرعی مسئلہ میں دلیل کا کام نہیں دے سکتی ہیں بعض ایسے لوگوں نے بھی ان حکایات کو نقل کر دیا ہے۔ جنہوں نے دعاؤں کے مجموعے مرتب کیے ہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے بعض سلف کے آثار بھی نقل کیے ہیں۔ مثلاً ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب ''مجابی الدعا'' میں ایسی کئی حکایات درج کی ہیں ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

((حَدَّثَنَا اَبُو هَاشِمٍ سَمِعْتُ كثير بن محمد بن كثير بن رفاعة

[1] حلية الاولياء: ۳۸۳/۱.

يَقُولُ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عَبْدِ الْمَلَكِ بْنِ سَعِيْدِ بْنِ أَبْجَرٍ فَجَسَّ بَطْنَهُ فَقَالَ بِكَ دَاءٌ لَا يَبْرَأُ قَالَ مَا هُوَ؟ قَالَ الدُّبَيْلَةُ قَالَ فَتَحَوَّلَ الرَّجُلُ فَقَالَ اللّٰهُ، اللّٰهُ، اللّٰهُ رَبِّي لَا أُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا اللّٰهُمَّ إِنِّي تَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ ﷺ تَسْلِيمًا يَا مُحَمَّدُ ﷺ! إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّكَ وَرَبِّي يَرْحَمُنِي بِمَا بِي، قَالَ: فَجَسَّ بَطْنَهُ فَقَالَ قَدْ: بَرِئْتَ بِمَا بِكَ عِلَّةٌ.))

''ابو ہاشم نے ہم سے حدیث بیان کی میں نے کثیر بن محمد بن کثیر بن رفاعہ کو کہتے سنا کہ ایک آدمی عبدالملک بن سعید بن ابجر کے پاس آیا اس کے پیٹ کا معائنہ کیا اور کہا کہ تجھے ایک ایسی بیماری لاحق ہے جو دور نہ ہوگی۔ اس نے پوچھا کہ وہ بیماری کیا ہے؟ اس نے جواب دیا ''دبیلہ'' پس عبدالملک مڑا اور دعا کی کہ اللہ، اللہ، اللہ میرا رب ہے اس کے ساتھ میں کسی کو شریک نہیں بناتا اے اللہ! میں تیرے نبی محمد نبیٔ رحمت ﷺ کے ذریعہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد ﷺ! میں تیرے وسیلہ سے تیرے اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ مجھے جو بیماری لاحق ہے اس سے نجات دلا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر اس نے اس کا پیٹ دیکھا اور کہا کہ جو بیماری تجھے لاحق تھی اس سے تو نجات پا چکا ہے۔''

اور اس طرح کی دوسری دعائیں سلف سے روایت کی جاتی ہیں۔ ''منسک المروزی'' میں احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول موجود ہے کہ دعا میں نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنانا جائز ہے اور ان کے سوا دوسروں کو وسیلہ بنانا ممنوع ہے۔ اگر وسیلہ تلاش کرنے والوں کا مقصد حضور ﷺ پر آپ کی محبت، دوستی اور اطاعت کا وسیلہ بنانا ہو تو کسی گروہ کو اس میں اختلاف نہیں۔ اگر مقصود حضور ﷺ کی ذات کو وسیلہ بنانا ہو تو یہ محلِ نزاع مسئلہ ہے۔ جس

مسئلہ میں اختلاف پیدا ہو جائے اس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ کوئی دعاء مجرد اس لیے شریعت میں جائز نہیں ہوسکتی کہ اس سے مقصد پورا ہو گیا ہے کیونکہ بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ستاروں اور دیگر مخلوقات کو حاجت روائی کے لیے پکارتے ہیں اور اپنی مراد کو پا لیتے ہیں۔ بعض لوگ دعا کے لیے بتوں کے پاس اور گرجوں میں جاتے ہیں اور عبادت گاہوں میں نصب شدہ مورتیوں سے دعا مانگتے ہیں۔ اور اپنی غرض کو حاصل کر لیتے ہیں۔ بعض کاموں کے ذریعہ کسی غرض کا حصول اس کام کی اباحت کو مستلزم نہیں ہے۔ اگر چہ غرض بذات خود مباح اور جائز ہی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات ایسے فعل میں کسی واضح مصلحت کی نسبت فساد کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ جب کہ شریعت کی غرض و غایت مصالح کا حصول اور ان کی تکمیل اور مفاسد کا استیصال اور ان کو گھٹانا ہے۔ شریعت میں شرک، شراب نوشی، جوئے بازی، فحش کاری اور ظلم جیسے جن افعال کو حرام قرار دیا گیا ہے ان میں لوگوں کے لیے کچھ منافع اور مقاصد ضرور ہیں۔ لیکن چونکہ ان افعال کے مقاصد مصالح سے زیادہ مہلک ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ نے ان کاموں سے لوگوں کو روک دیا ہے۔ اسی طرح کئی کام مثلاً عبادات، جہاد، انفاق فی سبیل اللہ اپنے اندر نقصان کا پہلو بھی رکھتے ہیں لیکن چونکہ ان کے اندر مفاسد کی نسبت مصالح زیادہ قوی ہیں اس لیے شریعت نے ان کو کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ ایک ایسی بنیادی حقیقت ہے جس کا لحاظ ضروری ہے۔ کوئی کام اسی وقت واجب یا مستحب قرار پا سکتا ہے جب کوئی دلیل شرعی اس کے وجوب اور استحباب کے حق میں موجود ہو۔ جہاں تک عبادات کا تعلق ہے وہ یا تو واجب ہوتی ہیں یا مستحب۔ جو چیز واجب اور مستحب نہیں وہ عبادت نہیں کہلا سکتی۔ اللہ تعالیٰ سے کسی کام کے لیے جو شریعت میں مباح ہو، دعا کرنا اس کی عبادت ہے۔ قصہ مختصر بعض سلف اور علماء سے منقول ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کرتے تھے۔ اس کے برعکس وہ انبیاء کرام علیہم السلام ملائکہ اور صلحاء سے جو فوت ہو چکے

ہیں یا موقع پر موجود نہ ہوں، سے دعا کرنا مدد چاہنا اور ان سے اپنی تکالیف کی فریاد کرنا جائز نہیں سمجھتے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ میں سے کسی نے اس فعل کا ارتکاب نہیں کیا ہے۔ اور نہ اس کی اجازت درخصت دی ہے۔

حدیث اعمیٰ پر بحث

حدیثِ اعمیٰ جسے امام ترمذی اور نسائی رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے دوسری قسم کے وسیلہ سے متعلق ہے۔ اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو وسیلہ بنانے پر روشنی پڑتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ نابینا صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی بینائی لوٹا دے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا تھا کہ:

((اِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ وَاِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ لَكَ.))

''اگر تو چاہے تو صبر کر اور اگر تو چاہے تو میں تیرے لیے دعا کروں۔''

اس نے عرض کیا کہ:

((بَلِ ادْعُهُ.))

''نہیں! بلکہ اللہ سے دعا کرو۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھنے اور اس کے بعد درج ذیل دعا مانگنے کی تلقین فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْاَلُكَ بِنَبِيِّكَ، نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم! اِنِّي اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى رَبِّي فِي حَاجَتِي هٰذِهِ لِيَقْضِيَهَا اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ.))[1]

---

[1] سنن الترمذی، الدعوات (۳۵۷۸)، مسند احمد: ۱۳۸/٤، السنن الکبری للنسائی (۱۰٤۹۵)، عمل الیوم واللیلة للنسائی (٦٥۹)، سنن ابن ماجه، کتاب اقامة الصلوات، باب ما جاء فی صلاة الحاجة (۱۳۸٥).

''اے اللہ! میں تیرے نبی رحمت ﷺ کے واسطہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ یا محمد، یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کے وسیلہ کے ساتھ اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت کے لیے توجہ کرتا ہوں تاکہ وہ اسے پوری کردے۔ اے اللہ! میرے حق میں ان کی شفاعت قبول فرما۔''

یہ نبی اکرم ﷺ کی دعا اور شفاعت کو وسیلہ بنانا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ اس لیے نابینا صحابی نے کہا کہ: اے اللہ! میرے حق میں ان کی شفاعت قبول فرما۔ بالفاظ دیگر اس نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی تھی کہ اے اللہ! حضور ﷺ کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔ آپ کی شفاعت سے مراد یہاں پر آپ کی دعا ہے۔ علمائے حدیث نے اس حدیث کو معجزاتِ نبوی کے باب میں بیان کیا ہے۔ اور آپ کی مستجاب دعاؤں میں اسے شمار کیا ہے۔ اور یہ ظاہر کیا ہے کہ حضور ﷺ کی دعا کی برکت سے کتنے زیادہ خرقِ عادت واقعات ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ اور کتنے مصائب دور ہوجاتے ہیں۔ یہ نابینا کے لیے آپ کی دعا ہی کی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی بحال کردی۔

''حدیثِ اعمیٰ'' کو بیہقی رحمہ اللہ اور دوسرے مصنفین نے دلائلِ نبوت کے زیرِ عنوان روایت کیا ہے۔ بیہقی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اس سلسلۂ روایت سے لیا ہے:

((عثمان بن عمر بن شعبه عن ابی جعفر الخطمی قال سمعت عمارة بن خزیمة بن ثابت عن عثمان بن حنیف.))

عمارہ بن خزیمہ نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک نابینا شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ مجھے مصیبت سے نجات دلائے۔ اس پر حضور ﷺ نے اس سے کہا کہ:

((اِنْ شِئْتَ اَخَّرْتَ ذٰلِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ وَاِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ.))

''اگر تو پسند کرے تو اس (دعا) کو موخر کردو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ اور اگر

تو چاہے تو میں دعا کرتا ہوں۔''

اس نے عرض کیا کہ آپ ﷺ دعا کریں اس پر آنحضرت ﷺ نے اس کو اچھی طرح وضو کرنے دو رکعت نماز پڑھنے اور یہ دعا مانگنے کو کہا:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْاَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّی اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰی رَبِّی فِیْ حَاجَتِی هٰذِهٖ فَيَقْضِيَهَا اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ وَشَفِّعْنِی فِيهِ.)) ❶

''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد ﷺ نبیِ رحمت کے واسطہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اے محمد ﷺ میں تیرے واسطہ سے اپنے رب کی طرف اپنی حاجت کے لیے متوجہ ہوتا ہوں تا کہ وہ اس کو پوری کر دے۔ اے اللہ! ان کی سفارش میرے حق میں قبول فرما۔ اور میری دعا آپ کے حق میں قبول فرما۔''

راوی کہتا ہے کہ وہ دعا کر کے اٹھا ہی تھا کہ اس کی بینائی لوٹ آئی۔ اسی طریق پر ترمذی رحمہ اللہ نے عثمان بن عمر کی حدیث سے اس کو روایت کیا ہے۔ دلائل نبوت پر احادیث کے جامعین نے جو روایات نقل کی ہیں ان میں سے ایک حدیث حدیث اعمیٰ ہے جسے نسائی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ حسن صحیح اور غریب حدیث ہے جو ابی جعفر خطمی کی حدیث سے اسی طریق پر معروف ہے۔ سنن ترمذی میں بھی یہ حدیث اسی طریق پر روایت ہوئی ہے۔ اور تمام علمائے حدیث کا قول ہے کہ اس روایت میں ابو جعفر خطمی ہے۔ اور یہی بات درست ہے۔ ترمذی رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب نے باقی تمام علماء کی طرح مذکورہ حدیث کے تمام الفاظ روایت نہیں کیے ہیں بلکہ صرف: ((اَللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِیَّ.)) روایت کیا ہے۔

---

❶ انظر ما تقدم.

ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم سے محمود بن غیلان نے حدیث بیان کی۔ عثمان ابن عمر نے ہم سے حدیث بیان کی۔ شعبہ نے ابی جعفر نے ہم سے حدیث بیان کی۔ اس نے عمارہ بن خزیمہ بن ثابت سے اس نے عثمان بن حنیف سے حدیث بیان کی کہ:

''ایک نابینا شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ (اندھے پن) سے مجھے نجات دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تو چاہے تو صبر سے کام لے یہ تیرے حق میں بہتر ہے۔ اس نے عرض کیا کہ آپ اللہ سے دعا کریں۔''

راوی کہتا ہے کہ حضور ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ اچھی طرح وضو کر کے یہ دعا مانگے:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلَی اللّٰهِ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ فَتَقْضِیْ لِیْ وَتَشَفِّعُنِیْ فِیْهِ وَتَشَفِّعُهُ فِیَّ.))

''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد ﷺ جو کہ نبی رحمت ہیں کی وساطت سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اے محمد ﷺ! میں تیرے حوالہ سے اپنے رب کی طرف اپنی اس اندھے پن کی حاجت کے لیے متوجہ ہوتا ہوں۔ تاکہ وہ میری حاجت پوری فرما دے۔ اور میری بینائی مجھے لوٹا دے۔ اے اللہ! ان کی سفارش میرے حق میں قبول فرما۔''

بیہقی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم نے یہ حدیث کتاب الدعوات میں صحیح اسناد کے ساتھ روح بن عبادہ سے روایت کی ہے۔ اور اس نے شعبہ رحمہ اللہ سے اسے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے آپ کی ہدایت پر عمل کیا اور صحت یاب ہوگیا۔ [1]

بیہقی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو شبیب بن سعید الحبطی کی حدیث سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

---

[1] انظر الحدیث (۱۲۰).

((عَنْ رُوْحِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِی جَعْفَرِ الْمَدِیْنِی وَهُوَ الْخَطْمِی [1] عَنْ اَبِی اَمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حَنِیْفٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حَنِیْفٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ جَآءَ رَجُلٌ ضَرِیْرٌ یَشْتَكِی اِلَیْهِ ذَهَابَ بَصَرِهِ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَیْسَ بِی قَائِدٌ وَقَدْ شَقَّ عَلَیَّ فَقَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِئْتِ الْمِیْضَاةَ فَتَوَضَّأْ ثُمَّ صَلِّ رَكْعَتَیْنِ ثُمَّ قُلْ: اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّكَ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ، یَا مُحَمَّدُ اِنِّی اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰی رَبِّی فَیَجْلِیْ عَنْ بَصَرِیْ. اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ وَشَفِّعْنِیْ فِیْ نَفْسِیْ.))

’’عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا جب ایک اندھا آدمی آپ کے پاس آ کر اپنی بینائی کے ضائع ہونے کی فریاد کر رہا تھا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی راستہ بتانے والا نہیں ہے۔ جب کہ میں تکلیف میں مبتلاء ہوں۔‘‘

آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ’’وضوگاہ پر جاؤ دو رکعت نماز پڑھو۔ اور پھر یہ دعا مانگو، اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی، نبی رحمت کے واسطہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد ﷺ میں تیری وساطت سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ میری نظر روشن کر دے اے اللہ! ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔ اور ان کے لیے میری درخواست کو قبول فرما۔‘‘

عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! ہم ابھی علیحدہ نہیں ہوئے تھے اور ہم نے کوئی لمبی گفتگو بھی نہیں کی تھی کہ وہ شخص ہمارے پاس اس حالت میں آیا جیسے اسے کبھی آنکھ کی تکلیف ہوئی ہی نہ ہو۔

---

[1] ان کا نام عمیر بن یزید بن حبیب الانصاری المدنی ثم البصری تھا۔

ابوجعفر الخطمی کے حوالہ سے روح سے شبیب کی روایت سند اور متن دونوں لحاظ سے شعبہ وحماد بن سلمہ کی روایت سے مخالف ہے۔ پہلی صورت میں شلیب نے ابوجعفر سے عمارہ بن خزیمہ کے حوالہ سے روایت کی ہے۔ اور دوسری صورت میں یہ روایت ابوامامہ بن سہل سے بیان ہوئی ہے۔ اول الذکر روایت میں: ((فَشِفِّعْهُ فِيَّ وَشَفِّعْنِیْ فِيْهِ.)) کے الفاظ مذکور ہیں۔ اور موخر الذکر روایت میں ((فَشَفِّعْنِي فِي نَفْسِيْ)) کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ نیز اس اسناد کا ایک اور شاہد ہشام الدستوائی عن ابی جعفر بھی موجود ہے۔

عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کا مقام

بیہقی رحمہ اللہ نے اسی طریق سے اسے روایت کیا ہے۔ اس میں ایک قصہ ہے جس سے آپ کی وفات کے بعد آپ کو وسیلہ بنانے میں لوگ حجت پکڑیں۔ اس حدیث کو بیہقی رحمہ اللہ نے اسماعیل بن شبیب بن سعید الحبطی کی حدیث سے شبیب بن سعید، روح بن قاسم، ابوجعفر المدینی، ابوامامہ بن سہل بن حنیف کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ:

''ایک شخص اکثر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنی کسی حاجت کے بارے میں آیا کرتا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی طرف کوئی التفات نہ فرماتے۔ اور نہ اس کی ضرورت کو پورا کرتے۔ اس کے بعد عثمان بن حنیف سے اس آدمی نے شکایت وفریاد کی۔ عثمان بن حنیف نے اس شخص سے کہا کہ وضوگاہ پر جاؤ اور وضو کر کے مسجد میں داخل ہو جاؤ پھر دو رکعات نماز پڑھو اور یہ دعا مانگو۔''

((اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْاَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّی اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰی رَبِّی فَيَقْضِیْ لِیْ حَاجَتِیْ.))

''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں جو کہ اور اپنے نبی محمد ﷺ نبیٔ رحمت ہیں کے واسطہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد ﷺ میں تیری

وساطت سے اپنے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں۔ پس اے اللہ! میری حاجت پوری فرمایئے۔''

اس کے بعد اپنی حاجت کا ذکر کرو۔ اور روانہ ہو جاؤ پس آدمی چلا گیا۔ اور آپ ﷺ کی تعلیم پر عمل کیا۔ پھر جب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ تو وہ دوبارہ آیا، دربان آیا، اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گیا اور عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس کو بٹھا دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اپنی حاجت بیان کرو۔ چنانچہ اس نے اپنی ضرورت کا ذکر کیا اور عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی ضرورت پوری کر دی۔ اس کے بعد وہ آدمی ان کے پاس سے نکلا اور عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملا اور اس سے کہا: جزاک اللہ خیراً، یعنی اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ وہ نہ تو میری حاجت کا خیال کرتے اور نہ میری طرف نظرِ التفات ڈالتے۔ حتیٰ کہ آپ نے میرے حق میں اس سے بات کی عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی ہے، البتہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک نابینا شخص نے اپنی بینائی کے ضائع ہو جانے کی فریاد کی تو میں نے آپ کو کہتے ہوئے سنا کہ کیا تو صبر سے کام نہیں لے گا؟ اس نے عرض کیا کہ: ''یا رسول اللہ ﷺ! کیا مجھے راستہ دکھانے والا کوئی نہیں جبکہ میں سخت مصیبت میں مبتلا ہوں۔'' اس پر آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ وضو گاہ پر جائے دو رکعت نماز ادا کرے۔ اور پھر یہ دعا مانگے:

''اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد ﷺ جو کہ نبیٔ رحمت ہیں کے واسطہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اے محمد ﷺ! میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تا کہ وہ میری آنکھوں سے پردۂ تاریکی دور کر دے۔ اے اللہ! ان کی سفارش میرے حق میں قبول فرما۔ اور میری درخواست میرے لیے قبول فرما۔''

عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! ہم ابھی جدا نہیں ہوئے تھے اور نہ ہم

نے کوئی طویل گفتگو کی تھی کہ وہ شخص ہمارے پاس آ گیا۔ گویا کہ اسے کبھی کوئی تکلیف لاحق نہیں ہوئی تھی۔

بیہقی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ احمد بن شبیب بن سعید نے اپنے والد کے حوالہ سے یعقوب بن سفیان کی روایت سے، جس نے احمد بن ابی امامہ بن سہل اور عثمان بن حنیف سے روایت کیا ہے لیکن اس طریق پر اسنادِ روایت بیان نہیں کی۔

امام نسائی رحمہ اللہ نے اسے اپنی کتاب ''شب و روز کے اعمال'' میں اس طریق پر معاذ بن ہشام کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ جس کی اسناد یہ ہے:

((معاذ بن هشام عن ابيه عن ابی جعفر عن امامة بن سهل بن حنيف عن عمه عن عثمان بن حنيف.))

اسی طرح یہ روایت شعبہ اور حماد بن سلمہ کی حدیث سے بیان ہوئی ہے۔ دونوں نے اسے عمارہ بن خزیمہ کے حوالہ سے ابوجعفر سے روایت کیا ہے۔ ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ میں سے کسی نے بھی اسے اس عجیب طریق پر روایت نہیں کیا ہے۔ جس میں یہ اضافہ بھی موجود ہو۔ یہ عجیب و غریب طریق شبیب بن سعید عن روح بن القاسم کا ہے۔ البتہ حاکم رحمہ اللہ نے اسے اپنی ''مستدرک'' میں دو طریقوں سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے اسے عثمان بن عمر کی حدیث سے اس طرح روایت کیا ہے:

حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِي جَعْفَرِ الْمَدَنِيِّ سَمِعْتُ عَمَّارَةَ بْنَ خُزَيْمَةَ يُحَدِّثُ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ ان رجلا ضريرا اتى النبى ﷺ فقال:

((اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يُّعَافِيَنِيْ فَقَالَ: اِنْ شِئْتَ اَخَّرْتَ ذٰلِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ وَاِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ۔ فَقَالَ فَادْعُهُ فَاَمَرَهُ اَنْ يَّتَوَضَّأَ فَيُحْسِنُ وُضُوْءَهُ وَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ وَيَدْعُوْ بِهٰذَاالدُّعَاءِ.

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ

يَا مُحَمَّدُ اِنِّىْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰى رَبِّىْ فِىْ حَاجَتِىْ هٰذِهٖ۔ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِىَّ وَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ.))

حاکم رحمہ اللہ نے اسے ان دونوں طریق کی شروط پر روایت کیا ہے۔اس کے بعد شبیب بن سعید الحبطی اور عون بن عمارہ عن روح بن القاسم عن ابی جعفر الخطمی المدنی عن ابی امامۃ ابن سہل بن حنیف عن عمہ عثمان بن حنیف کے طریق پر اسے روایت کیا ہے کہ: ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر ایک نابینا شخص نے اپنی بینائی کے ضائع ہوجانے کی فریاد کی اور کہا کہ: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! کیا میرے لیے کوئی راستہ دکھانے والا نہیں ہے جبکہ میں سخت مصیبت میں مبتلا ہوں؟'' تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: ''وضوگاہ پر جا اور وضوء کر کے دو رکعت نماز ادا کر، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مذکورہ دعا مانگنے کی تلقین فرمائی۔

حاکم رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ حدیث شروط بخاری پر پوری اترتی ہے شبیب، جس کا اس حدیث میں ذکر ہے صادق ہیں، بخاری نے بھی ان سے حدیث روایت کی ہے لیکن اس سے روح بن الفرج کے حوالہ سے منکر احادیث بھی بیان کی گئی ہیں جن کو ابن وہب نے روایت کیا ہے، خیال ہے کہ ابن وہب نے روایتِ حدیث میں غلطی کھائی ہے لیکن کبھی اس طرح کا الزام خود شبیب پر لگایا جاتا ہے جب وہ ثقہ راویوں مثلاً شعبہ، حماد بن سلمہ اور ہشام الدستوائی سے الگ ہوکر اکیلے اضافہ کے ساتھ حدیث بیان کرتا ہے۔ خاص طور پر شبیب کی مذکورہ روایت میں '' فَشَفِّعْهُ فِىَّ وَشَفِّعْنِىْ فِىْ نَفْسِىْ '' کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔ جبکہ شعبہ اور حماد کی روایت میں '' فَشَفِّعْهُ فِىَّ وَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ '' کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ '' شَفِّعْنِىْ فِيْهِ'' کا مطلب ہے۔''میرے لیے اس کی دعا قبول فرما۔'' اور یہ معنی '' وَشَفِّعْهُ فِىَّ '' ''یعنی ان کی سفارش میرے حق میں قبول فرما'' کے الفاظ سے مطابقت رکھتے ہیں۔

احمد بن عدی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب '' الکامل فی اسماء الرجال '' میں جس کی نظیر

پیش نہیں کی جاسکتی، کہا ہے کہ:

''شبیب بن سعید الحبطی ابو سعید البصری التیمی سے ابن وہب نے منکر احادیث روایت کی ہیں، انہوں نے بواسطہ یونس زہری سے خود ان کے نسخہ سے مستقیم احادیث روایت کی ہیں'' علی بن المدنی کا ایک قول بیان ہوا ہے کہ ''وہ بصری تھے اور ثقہ تھے اور اصحابِ یونس میں سے تھے، وہ اکثر تجارت کی غرض سے مصر آتے جاتے رہتے تھے اور اپنے ساتھ ایک صحیح کتاب بھی لائے تھے، اس حدیث کو اپنے لڑکے احمد بن شبیب سے نقل کیا ہے۔ عدی سے دو حدیثیں بروایت عن شبیب عن روح بن الفرج روایت ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک تو وہ ہے جو ابن عقیل، سابق بن ناجیہ اور ابن سلام کے واسطہ سے روایت ہوئی ہے اور جس میں ابن سلام نے کہا کہ ''ہمارے قریب سے ایک شخص گزرا تو لوگوں نے کہا: اس شخص نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت کی ہے'' دوسری حدیث روح بن الفرج، عبداللہ بن الحسین اور ان کی والدہ فاطمہ کے واسطہ سے مروی ہے، اس میں مسجد میں داخل ہونے کا ذکر ہے۔

ابنِ عدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ عبداللہ بن حسین، ان کی والدہ، فاطمہ بنت حسین اور فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ سے جو حدیث روایت ہوئی ہے، اس میں بھی قیل وقال کیا گیا ہے۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ شبیب بن سعید کے پاس بواسطہ یونس امام زہری رحمہ اللہ کا نسخہ دستیاب تھا، اس نسخہ کی احادیث مستقیم ہیں، ابن وہب نے ان سے منکر روایات بیان کی ہیں، شبیب بن سعید جب کوئی حدیث اپنے بیٹے احمد بن شبیب سے روایت کرتے ہیں تو اس سے مراد وہ شبیب بن سعید نہیں جس سے ابن وہب منکرِ احادیث روایت کرتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ شبیب جب مصر کی طرف تجارت کے لیے جاتے تو ابن وہب نے اپنے حافظہ کی بنا پر ان کی روایات نقل کر دی ہوں اور ان میں غلطی کھا گیا ہو۔ مجھے امید نہیں کہ شبیب نے جان بوجھ کر یہ جھوٹی روایات گھڑ لی ہوں۔

یہ دونوں حدیثیں وہ ہیں جن کو ابن عدی رحمہ اللہ نے منکر کہا ہے، یہ دونوں روح بن القاسم سے مروی ہیں، اسی طرح نابینا صحابی والی حدیث بھی روح بن القاسم نے روایت کی ہے۔ اس حدیث کا شمار ان احادیث میں ہوتا ہے جو ابن وہب نے روح بن القاسم سے روایت کی ہیں جس طرح اس کے بیٹوں نے اس سے روایات بیان کی ہیں لیکن ابن وہب کی روایت اتنی معتبر اور مضبوط نہیں جتنی کہ اس کے بیٹوں کی روایت۔ اس سے ابن عدی کے قول کی تائید ہوتی ہے کہ ابن عدی نے غلطی کو ابن وہب کے ساتھ وابستہ کیا ہے لیکن اس کے بیٹوں کے ساتھ نہیں۔

روح بن قاسم ثقہ اور مشہور راوی ہیں جن سے محدثین کی ایک جماعت نے روایت لی ہے۔ اس لیے اس کی طرف غلطی کو منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنے شیخ کی روایات کا حافظ ہو، لیکن دوسرے لوگوں کی روایات کا حافظ نہ ہو۔ مثال کے طور پر اسماعیل اہلِ حجاز سے جو روایت نقل کرتا ہے اس میں غلطی کھا جاتا ہے لیکن اہلِ شام کی روایات کے ساتھ معاملہ برعکس ہے۔ اسی طرح سفیان بن حسین زہری رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہوئے غلطی کھا جاتا ہے۔ اس طرح کی مثالیں بے شمار ہیں۔

طبرانی نے مذکورہ بالا روایت کو اپنی ''معجم'' میں بروایت شبیب بن سعید، ابن وہب کی حدیث سے نقل کیا ہے، شبیب بن سعید نے اسے اصبغ بن الفرج کی حدیث سے یوں نقل کیا ہے:

((حدثنا عبداللہ بن وھب عن شبیب بن سعید المکی عن روح بن القاسم عن ابی جعفر الخطمی المدنی عن ابی اَمَامَۃ ابْنِ سَھْل بن حنیف عن عمہ عُثْمَان بِنُ حنیف اَنَّ رَجُلًا کَانَ یَخْتَلِفُ اِلٰی عثمانَ بْنِ عَفَّا رضی اللہ عنہ فِی حَاجَۃٍ لَّہُ فَلَقِیَ عُثْمَانَ بْنِ حَنِیْفٍ فَشَکَا اِلَیْہِ ذٰلِکَ، فَقَالَ لَہُ ابْنُ حَنِیْفٍ اِئْتِ الْمِیْضَاۃَ فَتَوَضَّأْ

ثُمَّ ائتِ الْمَسْجِدَ فَصَلِّ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قُلْ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ ﷺ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ ﷺ! إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّكَ عَزَّوَجَلَّ فَيَقْضِيَ لِي حَاجَتِي، وَتَذْكُرُ حَاجَتَكَ وَرُحْ حَتَّى أَرُوحَ مَعَكَ. فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ فَصَنَعَ مَا قَالَهُ لَهُ.))

''عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص اکثر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی ایک ضرورت کی خاطر جایا کرتے تھے، وہ عثمان بن حنیف سے ملا اور ان سے اس بات کی فریاد کی، ابن حنیف رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: وضوگاہ پر جاؤ، وضو کرو اور مسجد میں آ کر دو رکعت نماز پڑھو اور پھر یہ دعا مانگو: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور اپنے نبی محمد ﷺ نبی رحمت کے واسطہ سے تیری طرف توجہ کرتا ہوں۔ اے محمد ﷺ! میں تیرے واسطہ سے تیرے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تا کہ وہ میری حاجت روائی فرمائے'' اس کے بعد اپنی حاجت بیان کر اور جب تک میں متوجہ رہوں تم بھی متوجہ رہو۔ پس وہ شخص چلا گیا اور اس نے اس تلقین پر عمل کیا۔

اس کے بعد وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا جنہوں نے اسے چٹائی پر اپنے پاس بٹھا لیا اور پوچھا کہ کیا حاجت لاحق ہے؟ اس شخص نے اپنی حاجت بیان کی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے پورا فرما دیا۔

یہ شخص یہاں سے نکلا تو اس کی ملاقات عثمان بن حنیف سے ہوگئی اس نے کہا ''جزاک اللہ! وہ میری حاجت کا احساس نہیں فرماتے تھے اور نہ میری طرف کوئی توجہ فرماتے تھے حتی کہ آپ نے میرے حق میں ان سے بات کی تو انہوں نے میری حاجت روائی فرما دی۔''

عثمان بن حنیف نے ان سے کہا کہ ''اللہ کی قسم! میں نے تیرے لیے ان سے کوئی بات نہیں کی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک نابینا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی بینائی کے ضائع ہونے کی فریاد کی۔

نبی اکرم ﷺ نے پوچھا، کیا تو صبر سے کام لے گا؟ اس نے عرض کیا کہ: ''یا رسول اللہ ﷺ! کیا مجھے کوئی راستہ بتانے والا نہیں حالانکہ میں سخت مصیبت میں مبتلا ہوں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''وضو گاہ پر جاؤ، وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو اور پھر یہ دعا مانگو۔'' عثمان بن حنیف کہتے ہیں کہ: ''اللہ کی قسم! ہم ابھی جدا نہیں ہوئے تھے اور نہ ہم نے کوئی لمبی چوڑی گفتگو کی تھی کہ یہ شخص ہمارے پاس آیا گویا کہ اسے کوئی تکلیف نہیں تھی۔''[1]

طبرانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ''اس حدیث کو شعبہ نے ابوجعفر سے روایت کیا ہے، ابو جعفر کا نام عمر بن یزید ہے جو ثقہ ہیں۔ شعبہ کے حوالہ سے عثمان عمر تنہا اس حدیث کو روایت کرنے والے ہیں۔'' ابوعبداللہ المقدسی کا قول ہے کہ: ''یہ حدیث صحیح ہے۔''

میری رائے یہ ہے کہ طبرانی رحمہ اللہ کی یہ رائے اس کے علم کی حد تک محدود ہے۔ ان تک روح بن عبادہ عن شعبہ کی روایت نہیں پہنچتی۔ یہ اسناد صحیح ہے اور اسے عثمان عمر تنہا روایت کرنے والے نہیں ہیں۔ ابن وہب کا طریقِ روایت بھی ابن عدی کی رائے کی تائید کرتا ہے کہ ابن وہب اپنے بیٹوں کی طرح روایت کے پورے الفاظ کو ضبطِ تحریر میں نہ

---

[1] طبرانی کبیر: ۹/۳۰، ۳۳ (۸۳۱۱)، طبرانی صغیر: ۱/۱۸۳، ۱۸٤، اس کی سند میں شبیب راوی ہے، جس سے اگر اس کا بیٹا احمد بیان کرے تو روایت مقبول اور اگر ابن وھب بیان کرے تو اس کی روایت قبول نہیں ہوتی۔ [تقریب التھذیب، ص: ۱٤۳] اور یہ روایت سبیب سے ابن وھب بیان کر رہا ہے، لہٰذا یہ ضعیف ہے۔ تفصیل شیخ البانی رحمہ اللہ کی کتاب '' التوسل '' صفحہ: ۹۳، ۹۵ میں دیکھیے۔ اور شیخ سلیم الہلالی حفظہ اللہ کی کتاب '' عجالة الراغب المتمنی '' ۲/۶۰۷، ۶۱۰ (۶۲۹) میں ملاحظہ ہو۔

لا سکے۔ انہوں نے صرف اتنا ہی ذکر کیا کہ نابینا شخص نے وہ دعا مانگی تھی۔ جس کا ذکر عثمان بن حنیف نے اپنی روایت میں کیا ہے۔

نابینا شخص والی حدیث میں نابینا شخص کے یہ الفاظ روایت ہوئے ہیں:

((اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ وَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ .))

یا یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

((وَشَفِّعْنِيْ فِيْ نَفْسِيْ .))

ان الفاظ کو ابنِ وہب نے اپنی روایت میں بیان نہیں کیا ہے۔ لٰہذا شبہ ہے کہ انہوں نے اس روایت کو محض اپنی یادداشت سے نقل کر دیا ہے جیسا کہ ابن عدی کہتے ہیں کہ ''اسے حدیث پر ضبط نہیں تھا۔''

ابو بکر بن خیثمہ رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں حماد بن سلمہ کی حدیث اس طرح نقل کی ہے:

((حدثنا مسلم بن ابراهيم حدثنا حماد ابن سلمة: انا ابو جعفر عن الخطمي عن عمارة بن خزيمة عن عثمان بن حنيف، اَنَّ رَجُلًا اَعْمٰى اَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ اِنِّيْ اَصَبْتُ فِيْ بَصَرِيْ فَادْعُ اللّٰهَ لِيْ قَالَ اِذْهَبْ فَتَوَضَّأْ وَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قُلْ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّيْ اَسْتَشْفَعُ بِكَ اِلٰى رَبِّيْ فِيْ رَدِّ بَصَرِيْ اللّٰهُمَّ فَشَفِّعْنِيْ فِيْ نَفْسِيْ وَشَفِّعْ نَبِيِّ فِيْ رَدِّ بَصَرِيْ وَاِنْ كَانَتْ حَاجَةٌ فَافْعَلْ مِثْلَ ذٰلِكَ فَرَدَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ بَصَرَهُ .))

''عثمان بن حنیف روایت کرتے ہیں کہ ایک نابینا شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا۔ اور عرض کیا کہ میں بینائی کھو چکا ہوں لٰہذا میرے لیے اللہ سے دعا کریں۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرو اور پھر یہ دعا

مانگو۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوالی ہوں، میں اپنے نبی محمد ﷺ نبیٔ رحمت کے واسطہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد ﷺ! میں اپنے رب کے پاس آپ کو سفارشی بناتا ہوں کہ میری بینائی لوٹ آئے۔ اے اللہ! میری درخواست میرے حق میں قبول فرما۔ اور میری بینائی بحال کرنے میں میرے نبی کی سفارش کو قبول فرما۔ اگر کوئی دوسری حاجت درپیش ہو تو بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔ چنانچہ اللہ نے اس کی بینائی لوٹا دی۔''

ابنِ ابی خزیمہ کا قول ہے کہ مذکورہ ابوجعفر کا نام جس نے حماد بن مسلم سے روایت کی ہے، عمیر بن یزید ہے۔ یہ ابوجعفر کے نام سے مشہور ہے جو شعبہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس نے عثمان بن عمر عن شعبہ کے طریق سے حدیث بیان کی۔ میری رائے ہے کہ روح ابن القاسم کی طرح اس طریق میں بھی فَشَفِّعْهُ فِيَّ نَفْسِيْ کے الفاظ پائے جاتے ہیں اس روایت میں:

((وَإِنْ كَانَتْ حَاجَةٌ فَافْعَلْ مِثْلَ ذٰلِكَ.))

وغیرہ الفاظ کا مزید اضافہ بھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عثمان بن حنیف کے قول سے مطابقت رکھتا ہے۔ لیکن شعبہ اور روح ابن قاسم، حماد بن مسلم کی نسبت روایت کو زیادہ صحیح طریقہ سے ضبط کرتے ہیں۔ مذکورہ روایات میں الفاظ کا جو اختلاف پایا جاتا ہے۔ وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس طرح کا اختلاف روایت بالمعنیٰ کی وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے۔

مذکورہ روایت:

((وَإِنْ كَانَتْ حَاجَةٌ فَافْعَلْ مِثْلَ ذٰلِكَ.))

کے الفاظ عثمان بن حنیف کے ہیں۔ نہ کہ نبی اکرم ﷺ کے۔ کیونکہ آپ نے کبھی ایسے الفاظ نہیں فرمائے ہیں اگر یہ آپ کا قول ہوتا تو اس کے الفاظ یہ ہوتے۔

((وَإِنْ كَانَتْ حَاجَةٌ فَعَلْتَ مِثْلَ ذٰلِكَ.))

بہر حال اگر یہ اضافۂ الفاظ ثابت بھی ہو جائے تو یہ حجت نہیں بن سکتے ان الفاظ کی غایت یہ معلوم ہوتی ہے کہ شاید عثمان بن حنیف کا خیال ہو کہ اصل دعا کے ایک ٹکڑے سے بھی دعا کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے پوری مشروع دعا کا حکم نہیں دیا بلکہ صرف ایک حصہ کا ذکر کیا ہے ان کا خیال ہے کہ اس طرح کی دعا نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد بھی جائز ہے۔ لیکن حدیث کے الفاظ سے متناقض ہیں۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ نابینا شخص نے نبی اکرم ﷺ سے دعا کی درخواست کی تھی اور آپ ﷺ نے اسے دعا کی تعلیم دی اور دعا میں " اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ " کے الفاظ ادا کرنے کا حکم دیا۔ ایسی دعا صرف اسی وقت کی جا سکتی ہے، جب محمد ﷺ اس کے لیے دعا وسفارش کر رہے ہوں۔ لیکن اگر آپ کسی کے لیے دعا اور سفارش نہ کر رہے ہوں تو ایسی دعا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا آپ کی دعا وسفارش لوگوں کے لیے اس دنیا میں آپ ﷺ کی زندگی میں ہی فائدہ مند ہے۔ یا قیامت کے دن جب آپ ان کے لیے شفاعت فرمائیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے دعا میں " وَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ " کے الفاظ کی بھی تعلیم دی ہے۔ ظاہر ہے کہ " وَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ " سے نبی اکرم ﷺ کے حق میں ان کی کسی حاجت کے لیے شفاعت کرنا مراد نہیں ہو سکتی۔ اگر چہ ہمیں حکم ہے کہ آپ پر درود وسلام بھیجیں۔ اور آپ ﷺ کے لیے اللہ سے وسیلہ کی دعا مانگیں۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص اذان سن کر دعا مانگتا ہے کہ اے اللہ! اس دعوت تامہ اور صلاۃ قائمہ کے رب محمد ﷺ کو وسیلہ عطا فرما۔ اور انہیں مقامِ محمود پر اٹھا جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔ اس کے لیے قیامت کے دن میری شفاعت حلال ہو گئی۔"[1]

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جب تم موذن کی آواز سنو تو جو کچھ وہ کہتا ہے تم بھی کہو۔ پھر مجھ پر درود بھیجو

[1] انظر الحدیث (٦٠).

کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت کرتا ہے۔ پھر میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ مانگو کیونکہ یہ جنت کا ایک درجہ ہے جس کا کوئی شخص مستحق نہیں مگر اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندہ مجھے امید ہے کہ وہ اللہ کا بندہ میں ہی ہوں پس جس نے میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ مانگا اس کے لیے میری شفاعت حلال ہوگئی۔''[1]

امت کا نبی اکرم ﷺ کے لیے وسیلہ مانگنا آپ ﷺ کے لیے دعا مانگنے کے مترادف ہے اور یہی معنی شفاعت کے ہیں۔ اس لیے اجر جنس عمل سے ہے پس جو شخص آپ پر درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر رحمت و برکت نازل کرتا ہے۔ اور جو شخص آپ ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ مانگتا ہے، جس میں آپ ﷺ کی شفاعت بھی شامل ہے۔ آپ اس کے لیے شفاعت فرمائیں گے، بالکل اسی طرح جیسا کہ نابینا شخص نے آپ سے شفاعت کی درخواست کی تھی اور آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ شفاعت کی قبولیت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گویا یہ شفاعت در شفاعت ہے۔ اسی لیے نابینا نے دعا مانگی:

((اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ وَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ.))

''اے اللہ! میرے حق میں ان کی شفاعت قبول فرما۔ اور ان کے حق میں میری درخواست قبول فرما۔''

ایسے مواقع پر نبی اکرم ﷺ کی دعا کی قبولیت کا سبب اللہ تعالیٰ کی نظر میں آپ کی کرامت اور بزرگی ہے۔ اسی لیے اس حدیث کو نبوت کی آیات و دلائل میں شمار کیا جاتا ہے۔ نابینا کے حق میں آپ کی دعا کی حیثیت وہی ہے جو قیامت کے روز لوگوں کے لیے آپ ﷺ کی شفاعت کی ہوگی۔ بنا بریں طالب دعا کو حکم دیا کہ وہ یہ دعا مانگے:

((فَشَفِّعْهُ فِيَّ وَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ.))

---

[1] انظر الحديث (٥٩).

آپ ﷺ نے اسے ((وَ شَفِّعْنِیْ فِیْ نَفْسِیْ.)) کے الفاظ کی تعلیم نہیں دی۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ان الفاظ کو ایک عجیب وغریب طریق پر روایت کیا ہے۔ جبکہ " وَشَفِّعْنِیْ فِیْه " کے الفاظ کو دو جلیل القدر شخصیتوں عثمان بن عمر اور روح بن عبادہ رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے۔ جن لوگوں نے یہ حدیث روایت کی ہے شعبہ رحمہ اللہ ان سب سے جلیل القدر ہے۔

عثمان بن عمر عن شعبہ کے طریق پر تین محدثین نے اس روایت کو نقل کیا ہے جو یہ ہیں:

ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ۔

ترمذی رحمہ اللہ نے اسے اس اسناد سے روایت کیا ہے: عن محمود بن غیلان، عن عثمان ابن عمر عن شعبہ۔

ابن ماجہ رحمہ اللہ کی روایت کی سند ہے: عن احمد بن سیار عن عثمان بن عمر۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں یوں روایت کی ہے: عن روح بن عبادہ، عن شعبہ۔ یہ دونوں راوی الفاظ حدیث کے ضبط میں سب سے زیادہ ممتاز ہیں۔ اگر: ((شَفِّعْنِیْ فِیْ نَفْسِیْ.)) کے الفاظ صحیح ثابت بھی ہو جائیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے تو ان کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اپنی ذات کے لیے نبی اکرم ﷺ کی دعا کے ذریعہ شفاعت کی درخواست کی تھی۔

اگر نبی اکرم ﷺ نے اس کے لیے دعا نہ کی ہوتی تو اس کی حیثیت عام سائلین سے مختلف نہ ہوتی۔

ایسی شفاعت، شفاعت نہیں کہلا سکتی۔ شفاعت اس وقت ہوتی ہے جب دو آدمی کسی کام کے لیے درخواست کر رہے ہوں اور ان میں سے ایک دوسرے کے لیے شفاعت و سفارش کر رہا ہو۔ اگر ایک ہی شخص درخواست کر رہا ہو اور کوئی دوسرا اس کے لیے شفاعت نہ کر رہا ہو تو یہ شفاعت نہیں ہے۔

مذکورہ الفاظ: ((شَفِّعْنِیْ فِیْ نَفْسِیْ.)) کئی وجوہ سے حدیث نبوی میں اضافہ ہیں

راوی نے اپنے سے بڑے، صاحب علم اور حافظ حدیث لوگوں سے ہٹ کر اکیلے اس سے روایت کیا ہے۔ اہل سنت کے مسلک سے اعراض کیا ہے۔ اس کے الفاظ میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ اس کے راوی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ منکر احادیث روایت کرتا ہے۔ اس طرح کی باتیں اس روایت کی صحت کو مشکوک بنانے کا تقاضا کرتی ہیں۔ اس لیے یہ قابلِ حجت نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت میں کسی صحابی کی روایت پر اعتبار کیا جاتا ہے نہ کہ اس معنی و مفہوم پر جو اس نے روایت سے اخذ کیا ہے۔ جبکہ روایت کے الفاظ اس مفہوم پر دلالت نہ کرتے ہوں یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اگر کوئی شخص نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد یہ دعا مانگتا ہے: ''اے اللہ! ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔ اور میری دعا ان کے حق میں قبول فرما'' حالانکہ آپ نے اس کے لیے دعا نہ کی ہو تو یہ کلام باطل ہے۔ عثمان بن حنیف نے نبی اکرم ﷺ سے کسی چیز کا سوال کرنے کی بھی اجازت نہیں دی اور اس کو صحیح قرار نہیں دیا کہ کوئی کہے: '' فَشَفِّعْهُ فِيَّ '' (یعنی میرے حق میں آپ ﷺ کی شفاعت قبول فرما۔)

اس وجہ سے انہوں نے دعائے ماثورہ تک کا حکم نہیں دیا ہے۔ انہوں نے دعا کے کچھ حصہ سے دعا مانگنے کا حکم دیا ہے۔ یہ حضور ﷺ کی شفاعت نہیں ہے نہ اسے شفاعت سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص آپ ﷺ کے وصال کے بعد اپنی دعا میں آپ ﷺ کو شفیع بناتا ہے اور کہتا ہے کہ: ''اے اللہ! ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما'' تو وہ ایک لا یعنی بات کہتا ہے۔ اسی لیے عثمان بن حنیف نے ان الفاظ میں دعا مانگنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ اور جس چیز کا حکم انہوں نے دیا ہے وہ آپ ﷺ سے منقول نہیں ہے۔

کسی ایک صحابی کی روایت یا قول کا حسنِ عبادات، اباحات، واجبات اور تحریمات کے سلسلہ میں شریعت میں کوئی اعتبار نہیں، اگر دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات واقوال اس کی تائید نہ کرتے ہوں۔ اس کے برعکس اگر نبی اکرم ﷺ سے ثابت شدہ روایات اس

صحابی کے قول کے خلاف ہوں تو اس کا فعل سنت نہیں بن سکتا جس کی اتباع تمام مسلمانوں پر واجب ہو۔ ان احادیث کا مقصد یہ ہے کہ ایسے امور جن میں اجتہاد کی گنجائش ہو اور جن میں اختلاف رائے واقع ہوا ہو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا انفرادی فعل اور سنت

اس کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں مثلاً سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ وضو کے دوران آنکھوں میں پانی ڈالتے تھے اور کانوں پر مسح کرنے کے لیے نیا پانی استعمال کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وضو میں اپنے دونوں ہاتھ بازوؤں تک دھوتے تھے۔ اور کہتے تھے:

((مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يُّطِيْلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ.)) [1]

''جو اپنے غرہ کو دراز کر سکے اسے ایسا کرنا چاہیے''

ان سے روایت ہے کہ وہ اپنی گردن پر مسح کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ''یہ آگ کے طوق کی جگہ ہے۔''

علمائے کرام کے ایک طبقہ نے اگر ان آثار کی اتباع کو مستحب قرار دیا ہے تو دوسرے طبقہ نے ان کی مخالفت بھی کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ''تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس طرح وضو نہیں کیا کرتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کا جو وضو ثابت ہے وہ صحیحین بخاری و مسلم) میں مذکور ہے۔ ان روایات کے مطابق نہ آپ کانوں پر مسح کرنے کے لیے نیا پانی لیتے تھے، نہ گھٹنوں اور ٹخنوں کے اوپر ہاتھ پاؤں دھوتے تھے اور نہ گردن ہی کا مسح کرتے تھے۔ اور نہ آپ کا یہ قول ہی منقول ہے کہ: ''جس کو اپنے غرہ کو دراز کر سکے اسے ایسا کر لینا چاہیے۔'' یہ تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا کلام ہے جو بعض احادیث میں مدرجاً نقل ہو گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا قول تو یہ ہے:

[1] صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب فضل الوضوء، (١٣٦)، صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب استحباب اطالة القراءة (٢٤٦).

((اِنَّکُمْ تَاتُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِيْنَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوْءِ.)) [1]

"تم قیامت کے روز وضو کے آثار کی وجہ سے پنجکلیاں گھوڑوں کی طرح آؤ گے۔"

نیز آپ جب وضو کرتے تو ہاتھ پاؤں کو بازو اور پنڈلی کے قریب تک دھوتے تھے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول:

((مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يُّطِيْلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ.))

سے یہ خیال کرنا کہ بازوؤں کو دھونا غرہ کو طول دینا ہے، بے معنی ہے کیونکہ غرہ صرف چہرہ کے لیے بولا جاتا ہے۔ ہاتھ اور پاؤں پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اسی طرح لفظ "تحجلہ" کا اطلاق بھی ہاتھ اور پاؤں پر ہوتا ہے۔ چہرہ کے غرہ کو طول نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ چہرہ تو سارے کا سارا دھویا جاتا ہے۔ سر کو دھویا نہیں جاتا۔ اس لیے سر کا غرہ نہیں ہوتا۔ تحجلہ کی اطالت مستحب نہیں ہے بلکہ سر کو بگاڑنے کا موجب ہے۔

اسی طرح سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس بات کو بہت قابل فضیلت سمجھتے تھے کہ جن راستوں پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چلے ہیں ان پر چلا جائے، جہاں آپ نے قیام کیا وہاں قیام کیا جائے اور دورانِ سفر جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا وہاں وضو کیا جائے اور وضو سے بچا ہوا پانی اس درخت کو پلایا جائے جس کو آپ نے پلایا تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ خود بھی اس بات پر عمل کرتے تھے۔ اس طرح کی بہت سی باتیں ہیں جن کو علماء کا ایک طبقہ مستحب سمجھتا ہے لیکن جمہور علماء ان کو مستحب نہیں سمجھتے۔ اکابر صحابہ حضرت ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی ابن ابی طالب، ابن مسعود، معاذ بن جبل وغیرہم رضی اللہ عنہم ان اعمال کو نہ مستحب سمجھتے تھے نہ ان پر عمل کرتے تھے۔ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جیسا کوئی کام انہوں نے نہیں کیا ہے۔ اگر وہ ان

---

[1] صحيح البخاری، كتاب الوضوء، باب فضل الوضوء والغرا المحجلون من آثار الوضوء (١٣٦).
صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب استحباب اطالة الغرة والتحجيل في الوضوء (٢٤٦/٣٥).

کاموں کو مستحب اور قابلِ ثواب سمجھتے تو ان پر ضرور عمل کرتے جیسا کہ وہ سنت نبوی کی اتباع اور پیروی کو بہت افضل سمجھتے تھے۔

سنت کا معنی

یہ اس لیے ہے کہ اتباعِ رسول کا مطلب یہ ہے کہ وہی کام کیا جائے جو آپ نے کیا ہے۔ پس آپ نے جو کام عبادت سمجھ کر کیا ہے اور جسے شریعت نے ہمارے لیے مقرر کیا ہے۔ ہمیں بھی اسے عبادت سمجھ کر کرنا چاہیے۔ اگر آپ نے کسی جگہ اور کسی وقت کو عبادت کے لیے مخصوص کیا ہے تو ہمیں بھی آپ کی اتباع میں ایسا ہی کرنا چاہیے۔ مثلاً آپ کعبۃ اللہ کا طواف کرتے تھے، حجر اسود کو بوسہ دیتے تھے، مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ مدینہ کی مسجد کے ستونوں کے پیچھے نماز پڑھنے کی کوشش کرتے تھے، صفا و مروہ پر چڑھتے اور وہاں دعا و ذکر کرتے تھے اور عرفات اور مزدلفہ میں تشریف لے جاتے اور وہاں مخصوص عبادات ادا کرتے تھے۔

لیکن جو کام آپ نے محض اتفاقیہ سر انجام دیے اور ان کے پیچھے کوئی ارادہ کارفرمانہ تھا، مثلاً آپ نے کسی مقام پر قیام کیا اور وہاں نماز پڑھی، ان کی پیروی لازمی نہیں کیونکہ آپ وہاں اس ارادہ سے نہیں اترے کہ اس مقام کو نماز اور قیام کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔

اگر ہم کسی مقام کو دورانِ سفر قیام اور نماز کے لیے مخصوص کر لیتے ہیں تو ہم سنتِ رسول ﷺ کی اتباع کرنے والے نہیں ہیں۔ بلکہ ہم ایک ایسی بدعت کے مرتکب ہو رہے ہیں جس سے سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے منع فرمایا ہے۔ صحیح اسناد کے ساتھ سیّدنا شعبہ رحمہ اللہ کی حدیث سے جو انہوں نے سلیمان التیمی رحمہ اللہ سے المرور بن سوید کے حوالہ سے روایت کی ہے، ثابت ہے کہ:

''سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سفر میں تھے، آپ نے صبح کی نماز پڑھی پھر ایک جگہ پر پہنچے تو رفقاء ان کے پاس دوڑ کر جانے لگے، وہ کہہ رہے تھے: ''یہاں پر نبی اکرم ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔'' سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اہلِ کتاب ہلاک ہو گئے کیونکہ وہ اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کے آثار (یادگاروں) کے پیچھے

پڑ گئے اور ان کو کنائس اور عبادت گاہیں بنا لیا۔ جو نماز پڑھنا چاہے پڑھ لے ورنہ آگے روانہ ہو جائے۔'' ❶

چونکہ نبی اکرم ﷺ اس جگہ کو نماز کے لیے مخصوص کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے بلکہ صرف اس لیے نماز پڑھی تھی کہ آپ وہاں پر قیام پذیر تھے۔ اس لیے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ آپ کے فعل کی ظاہری صورت کی پیروی جب کہ وہ اس عمل کے اصل مقصد سے موافق نہ ہو، اتباعِ سنت نہیں کہلا سکتی۔ اس کے برعکس کسی جگہ کو عبادت کے لیے مخصوص کر لینا اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی وہ بدعت ہے جس نے ان کو ہلاک کر ڈالا۔ مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ ان کاموں کو کرنے والا عمل کی ظاہری صورت کی حد تک تو نبی اکرم ﷺ سے مشابہت رکھتا ہے۔ لیکن مقصد و ارادہ میں جو انسانی قلب کا عمل ہے یہود و نصاریٰ سے مشابہہ ہے۔

کسی عمل کے پیچھے کارفرما قصد و ارادہ ہی اصل چیز ہے۔ اتباعِ سنت کسی عمل کی ظاہری صورت کی پیروی سے زیادہ بلیغ چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کی کثیر تعداد کو شبہ لاحق ہو گیا کہ آیا آپ نے نماز میں جلسہ استراحت ایک مستحب عمل سمجھ کر کیا تھا۔ ❷ یا کسی وقتی ضرورت کے پیش نظر ایسا کیا تھا۔ یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ کی صورت اختیار کر گیا۔ اسی طرح میدانِ منیٰ سے روانگی کے وقت آپ نے پتھریلی زمین پر نزول کیا اور اس میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ: ''کیا آپ نے یہ فعل اس لیے کیا کہ ایسا کرنا روانگی کے لیے زیادہ آسان طریقہ تھا یا یہ سنت ہے۔''

اسی زمرہ میں سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا نبی اکرم ﷺ کی نشست گاہ پر ہاتھ رکھنا۔ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بصرہ میں اور عمرو بن حریث کا کوفہ میں تعریف ❸ کرنا بھی شامل

---

❶ المصنف لابن عبدالرزاق: ۱۱۸/۲، المصنف لابن ابی شیبه: ۱۵۱/۲، البدع لابن وضاح ص: ۴۱، ۴۲. اس کی سند میں امام سلیمان بن مہران الاعمش رحمہ اللہ مدلس کے سماع کی تصریح نہیں ملی۔ واللہ اعلم۔

❷ آپ پہلی رکعت پڑھنے کے بعد قیام کرنے سے پہلے تھوڑی دیر کے لیے بیٹھتے۔ تیسری رکعت میں بھی یہی عمل کرتے۔ اسے جلسۂ استراحت کہا جاتا ہے۔

❸ عید کو تکبیرات پڑھنا۔

ہے۔ پس جب جملہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان باتوں پر عمل نہیں کیا اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت کو ان باتوں کا حکم نہیں دیا تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ عمل مستحب اور سنت ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ وہ باتیں ہیں جن میں صحابۂ کرام نے اجتہاد سے کام لیا ہے یا جن کا ارتکاب کرنے والوں کی انہوں نے مذمت کی ہے کیونکہ ان باتوں میں اجتہاد کی گنجائش موجود ہے۔ ان باتوں کی اجازت اس لیے نہیں دی ہے کہ یہ سنتِ رسول ہیں جن کی اتباع کا آپ نے حکم دیا ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ تعریف میں کوئی حرج نہیں ہے اگر اسے سنت کا درجہ نہ دیا جائے۔

اس قسم کی باتوں پر علمائے دین کبھی تو مواخذہ کرتے ہیں اور کبھی ان میں اجتہاد کی اجازت دے دیتے ہیں اور بعض اوقات ان کی رخصت دے دیتے ہیں بشرطیکہ ان کو سنت سمجھ کر اختیار نہ کیا جائے۔ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے واقف کوئی عالم بھی یہ فتویٰ نہ دے گا کہ اس قسم کی باتیں سنت ہیں جن کی اتباع کا مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے۔ اس عمل کے بارے میں یہی فتویٰ دیا جا سکتا ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروع قرار دیا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کام کو سنت یا مشروع قرار دے سکے۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے جو طرزِ عمل اختیار کیا، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق تھا، اس لیے وہ سنت ہے۔ دین میں صرف وہی بات واجب ہے جس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے واجب ٹھہرایا ہے۔ وہی کام حرام ہے جسے آپ نے حرام کہا ہے وہی چیز مستحب، مکروہ اور مباح ہے جب کہ آپ نے ایسا ٹھہرایا ہے۔

یہی معاملہ مباحات کا ہے مثلاً حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے روزہ میں اولہ کھانے کو جائز سمجھا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روشنی اچھی طرح پھیل جانے کے بعد بھی سحری کھانے کو جائز سمجھتے تھے۔ حتی کہ لوگ کہنے لگیں دن چڑھ آیا ہے۔ صرف سورج طلوع ہونے کی کسر باقی ہے۔ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان باتوں کے قائل نہ تھے۔ ان مسائل میں کتاب وسنت کی طرف رجوع واجب ہے۔

یہی حال کراہیت اور تحریم کا ہے۔ مثلاً سیّدنا عمر اور ان کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خانہ کعبہ کا طواف کرنے سے قبل خوشبو استعمال کرنا مکروہ خیال کرتے تھے۔ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حج فسخ کرکے تمتع کی نیت یا مطلقاً تمتع ہی کو مکروہ قرار دیا ہے۔ بعض لوگوں نے مسافت کی ایک حد مقرر کر دی ہے جس پر نماز قصر ہوتی ہے۔ اس حد سے پہلے وہ نماز قصر نہیں کرتے۔ بعض دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ دورانِ سفر روزہ رکھنا مسافر کے لیے جائز نہیں ہے۔ اسی سلسلہ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ: ''لعاب ناپاک ہے۔'' ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ کتابیہ سے نکاح جائز نہیں ہے۔ حضرت معاذ اور معاویہ رضی اللہ عنہما مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیتے تھے۔ حضرت عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما جنبی کو تیمّم کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ حضرت علی، زید اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا مفوضہ کے بارے میں قول ہے کہ: ''جب اس کا شوہر فوت ہو جائے تو اس کے لیے کوئی مہر نہیں ہے۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ: ''حاملہ بیوہ ہو جائے تو ''بعد الاجلین'' عدت پوری کرے۔'' ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: ''جب کوئی شخص احرام کی حالت میں مر جائے تو اس کا احرام باطل ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو اس شخص کے ساتھ کیا جاتا ہے جو حالتِ احرام میں نہیں ہے۔ اس طرح کی باتوں میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان مختلف فیہ امور میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع واجب ہے۔ اس طرح کے متعدد نظائر ہیں۔ امت کے لیے وہی شریعت واجب الاطاعت ہے جس کو اللہ کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا ہے۔

کیا قول صحابی حجت ہے؟

اگر کوئی عالمِ دین کہتا ہے کہ قول صحابی حجت ہے تو وہ اس وقت یہ بات کہتا ہے جب کوئی دوسرا صحابی اس کے قول سے اختلاف نہ رکھتا ہو اور نہ کوئی شرعی نص اس کے مخالف ہو۔ نیز جب کسی صحابی کا قول عام ہو جائے اور کوئی اس کا نکیر کرنے والا نہ ہو تو یہ بات اس

کے قول کی صحت کا اثبات ہے۔ جب تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی صحابی کے قول کا اقرار کریں اور ان میں کوئی بھی اس کا مخالف نہ ہو تو اسے ''اجماع اقراری'' کہا جاتا ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کبھی باطل کا اقرار نہیں کر سکتے تھے۔ البتہ اگر کسی صحابی کا قول عام نہ ہو سکے اور یہ بھی معلوم ہو کہ اس قول کے مخالف دوسرا قول نہیں ہے تو اسے ''حجت'' کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی قول اس کے مخالف پایا جاتا ہو تو وہ قول بالاتفاق حجت نہیں ہے۔ جب یہ معلوم نہ ہو سکے کہ اس کی مخالفت ہوئی ہے یا موافقت، تو اس کے متعلق قطعی فیصلہ نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن جب سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس قول کے خلاف ہو تو حجت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہوگی۔ بلاشبہ اس بات میں تمام علمائے حق کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

اگر یہ بات اسی طرح پوری ہو اور عثمان بن حنیف سے یہ ثابت ہو کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی آپ کا وسیلہ تلاش کرنے کو مشروع اور مستحب سمجھتے تھے، خواہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے لیے دعا اور شفاعت نہ کر رہے ہوں تو ہمیں معلوم ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور اکابر صحابہ ایسے وسیلہ کو آپ کے وصال کے بعد جائز نہیں سمجھتے تھے۔ جیسا کہ وہ آپ کی حیاتِ مبارکہ میں سمجھتے تھے اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ آپ جب بقیدِ حیات تھے تو وہ آپ کے توسل سے بارش کی دعا کرتے تھے۔ جب آپ اس دارِ فانی سے عالم لاہوت میں کوچ کر گئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کا وسیلہ ترک کر دیا جبکہ ''عام الرمادہ'' میں جب لوگ سخت قحط میں مبتلا تھے، یہاں تک کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی تھی کہ جب تک لوگ شاداب نہیں ہوں گے میں گھی نہیں کھاؤں گا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تمام مہاجرین و انصار کی موجودگی میں جو مشہور، صحیح اور مسند دعا مانگی اس میں انہوں نے کہا:

> ''اے اللہ! جب ہم قحط میں مبتلا ہوتے تھے تو ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرے حضور وسیلہ بناتے اور تو ہم پر بارش نازل فرما دیتا۔ اب ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتے ہیں لہٰذا ہم پر بارش نازل فرما۔''

ادھر آپ رضی اللہ عنہ یہ دعا مانگتے ادھر بارش برسنا شروع ہو جاتی، اس دعا کا اقرار تمام صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم نے کیا ہے لیکن اس کی مخالفت کسی صحابی نے نہیں کی۔ اگر چہ یہ دعا ان کے ہاں عام مشہور تھی۔ یہ دعا ہر ''اقراری اجماع'' سے زیادہ نمایاں ہے۔ اسی طرح سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی خلافت کے زمانہ میں بارش کے لیے دعا کی تو اسی طرح کی دعا کی تھی۔

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کا وسیلہ اسی طرح جائز ہوتا جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں تھا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ضرور یہ سوال اٹھاتے کہ: ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ہم سیّدنا عباس اور یزید بن اسود رضی اللہ عنہما کا وسیلہ کیوں تلاش کریں اور افضل الخلائق سیّدنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ کیوں ترک کریں، جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے افضل اور عظیم وسیلہ ہیں؟ جب کسی صحابی نے یہ اعتراض نہیں کیا اور معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی دعا اور سفارش کو وسیلہ بناتے تھے۔ اور آپ کے وصال کے بعد کسی دوسرے بزرگ کی دعا و شفاعت کو وسیلہ بناتے تھے تو اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک متوسل بہ کی دعا کا وسیلہ ہی جائز اور مشروع ہے اس کی ذات کا نہیں۔

''نابینا صحابی'' والی حدیث سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اور عام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سب کے لیے حجت ہے کیونکہ نابینا کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو وسیلہ بنانے کا حکم دیا گیا تھا نہ کہ آپ کی ذاتِ اطہر کو۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نابینا صحابی کو اپنی دعا میں: ((اَللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِيَّ.)) [1] کہنے کو بھی کہا تھا، لیکن اگر بفرضِ محال کسی صحابی نے آپ کی شفاعت کے بجائے آپ کی ذات کو وسیلہ بنانے کا حکم دیا ہے اور پوری مسنون دعا کے بجائے اس کے صرف بعض حصوں کی تلقین کی ہے تو ایسی صورت میں بھی کہا جائے گا کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا وہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق تھا، نیز جس شخص نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی اس کا فعل سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق نہیں تھا۔ اور یہ کہ جو حدیث اس نے بیان کی ہے وہ خود اسی کے خلاف حجت ہے۔ واللہ اعلم۔

[1] انظر الحدیث: ۱۲۰

تیسرا باب

وسیلہ کی تیسری قسم

وسیلہ کی تیسری قسم اللہ تعالیٰ کو انبیاء وصلحاء کی قسم دلانا اور ان کی ذات کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں مفصل بحث ہو چکی ہے، اس وسیلہ کے بارے میں نبی اکرم ﷺ سے کوئی ایسی حدیث روایت نہیں ہوئی جس سے اہلِ علم استدلال کر سکیں۔ کوئی شخص آنحضرت ﷺ سے کوئی ایسی حدیث پیش کرنے پر قادر نہیں ہے جس کی رو سے اللہ تعالیٰ کو قسم دلانا یا کسی مخلوق کی وساطت سے اس سے سوال کرنا جائز ثابت ہو، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی مخلوق کو قسم دلانا اور اس سے سوال کرنا بھی آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہے، اگر بعض علماء کے نزدیک اس کی گنجائش موجود ہے تو بے شمار علما نے اس کو ناجائز اور ممنوع ٹھہرایا ہے لہٰذا یہ مسئلہ متنازعہ فیہ بن گیا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے لہٰذا جس معاملہ میں لوگوں میں اختلاف ہو جائے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرنا چاہیے ہر شخص کو اپنی حجت و دلیل پیش کرنا چاہیے جس طرح دوسرے نزاعی مسائل میں دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ باجماع امت ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کی بنا پر کسی کو سزا دی جائے بلکہ اس مسئلہ میں جو شخص کسی کو سزا اور عقوبت دیتا ہے وہ جاہل، ظالم اور حدود اللہ کو توڑنے والا ہے کیونکہ اس کا انکار کرنے والا وہی بات کہتا ہے جو علمائے کرام کہتے ہیں اس مسئلہ کے منکر کے پاس نبی اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا کوئی قول نہیں جس کی وجہ سے اس مسئلہ کی اتباع ضروری ہو۔ اس کے برعکس یہ بات ثابت ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی مخلوق، انبیاء وغیر انبیاء کی قسم کھانے کو جائز نہیں ٹھہراتے۔ اسی طرح

تمام علمائے امت کا اتفاق اس پر ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی نذر ماننا جائز نہیں خواہ وہ نبی ہو یا غیر نبی۔ اگر اس نذر میں شرک بھی شامل ہو تو اس کو پورا نہیں کیا جائے گا۔ یہی معاملہ قرآن مجید اور دیگر مخلوقات کی قسم کھانے کا ہے۔ اس قسم کی کوئی قسم نہ منعقد ہوگی اور نہ اس کے لیے کوئی کفارہ ہے۔ حتیٰ کہ اگر خود نبی اکرم ﷺ کی قسم بھی کھائی جائے تو وہ نافذ نہیں ہوگی جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ نیز جمہور علماء مثلاً امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس قسم کا کوئی کفارہ نہیں ہے بلکہ انہوں نے اس طرح کی قسم کے ذریعہ حلف اٹھانے سے روکا ہے۔ جب کسی آدمی کو قسم کھانا اور مخلوق کو مخلوق کی قسم دلانا جائز نہیں ہے تو پھر اللہ جل جلالہ کو کسی مخلوق کی قسم دلانا کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی قسم دیے بغیر اس کی وساطت سے اس سے سوال کرنے کی بھی بہت سے علماء نے ممانعت کی ہے۔ نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین سے جو صحیح اور مستند آثار ہم تک پہنچے ہیں وہ اس پر شاہد عادل ہیں۔ جو شخص یہ کام کرتا ہے وہ اسے قربِ الٰہی اور اطاعت کا ذریعہ سمجھ کر کرتا ہے اور اس کو قبولیت دعا کا موجب سمجھتا ہے حالانکہ اس طرح کی جو چیز ہے وہ یا تو واجب ہے یا مستحب اور عبادت اور دعاؤں میں سے وہی کچھ واجب ہے اور مستحب ہے جس کو نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کے لیے مقرر فرما دیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے امت کو جن کاموں کا حکم نہیں دیا ہے وہ نہ تو واجب ہو سکتے ہیں نہ مستحب اور نہ اجابتِ دعا کا سبب۔ اس مسئلہ پر شرح و بسط سے کلام ہو چکا ہے پس جو شخص ایسا عقیدہ رکھتا ہے اور مخلوق کے وسیلہ کو اجابتِ دعا اور تقرب و اطاعت کا سبب سمجھتا ہے وہ پرلے درجے کا گمراہ اور ایک بہت بری بدعت کا مرتکب ہے۔ احادیثِ صحیحہ اور نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے احوال کے تتبع سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اس طرح کا وسیلہ ان کے نزدیک شریعت میں جائز نہیں ہے۔

کعبۃ اللہ، کرسی، طور وغیرہ کا وسیلہ

یہ بھی واضح ہوگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کسی ایسے سبب کے واسطہ سے سوال کرنا جو قبولیتِ دعا کا موجب نہیں ہے، جائز نہیں ہے، مثلاً کعبہ، طور، کرسی، مساجد وغیرہ مخلوقات کے واسطہ سے سوال کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ ایک معروف ومشہور مسئلہ ہے کہ مخلوقات کی وساطت سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا مشروع نہیں ہے۔ جس طرح مخلوق کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ نیز جس طرح کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ مخلوق کی قسم کھائے، اسی طرح اس کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی قسم دلائے اور کسی مخلوق کی ذات کے وسیلہ سے اس سے سوال کرے۔ آدمی کو ایسے اسباب کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا چاہیے جو قبولیتِ دعا کا موجب ہوں اس کی تفصیل گزر چکی ہے لیکن بعض اہل علم کے کچھ آثار واقوال ایسے بھی منقول ہوئے ہیں جن کی رو سے مخلوق کی قسم کھائی جا سکتی ہے۔ اور ان کی ذات کو اللہ تعالیٰ کے حضور وسیلہ بنایا جا سکتا ہے تاہم ان میں سے کوئی قول بھی نبی اکرم ﷺ سے مستند طریقہ سے روایت نہیں ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں تمام اقوال موضوع اور من گھڑت ہیں۔ جن لوگوں کا قول دین میں حجت نہیں ہے ان کے بعض اقوال ثابت ہیں اور بعض ثابت نہیں ہیں۔

امام احمد بن حنبل اور ابن ماجہ رحمہما اللہ کی ایک روایت میں:

((بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ عَلَيْكَ وَبِحَقِّ مُمْشَايَ هٰذَا۔))

''یعنی میں اس حق کے واسطہ سے جو سائلین کا تجھ پر ہے اور اپنے سفر کے حق کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں۔''

کے الفاظ آئے ہیں، امام احمد رحمہ اللہ نے وکیع، فضیل بن مرزوق، عطیہ [1] کے حوالہ سے سیّدنا سعید الخذری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

[1] یعنی عطیہ بن سعد العوفی الکوفی ۱۱۱ھ میں وفات پائی۔ ثوری وغیرہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔

((مَنْ قَالَ إِذَا خَرَجَ إِلَى الصَّلٰوةِ اَللّٰهُمَّ إِنِّىْ اَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ عَلَيْكَ وَبِحَقِّ مُمْشَاىَ هٰذَا فَإِنِّىْ لَمْ اُخْرِجْهُ اَشَرًّا وَّلَا بَطَرًا، وَّلَا رِيَاءً وَّلَا سُمْعَةً، خَرَجْتُ اِتِّقَاءَ سَخَطِكَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِكَ، اَسْأَلُكَ اَنْ تُنْقِذَنِىْ مِنَ النَّارِ وَاَنْ تُدْخِلَنِى الْجَنَّةَ وَاَنْ تَغْفِرَلِىْ ذُنُوْبِىْ اِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ، خَرَجَ مَعَهُ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ يَسْتَغْفِرُوْنَ لَهُ وَاَقْبَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بِوَجْهِهٖ حَتّٰى يَقْضِىَ صَلَاتَهُ.)) [1]

''جس شخص نے نماز کے لیے نکلتے وقت یہ دعا مانگی ''اے اللہ! میں اس حق کے واسطہ سے جو سائلین کا تجھ پر ہے اور اپنے اس سفر کے حق کے واسطہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ میں نہ برے کام کے لیے نکلا ہوں، نہ تکبر کے لیے اور نہ دکھاوے اور شہرت کے لیے۔ میں تو صرف تیرے غضب سے ڈرتے ہوئے اور تیری رضا کی تلاش میں نکلا ہوں، اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے آگ سے بچالے۔ مجھے جنت میں داخل فرما میرے گناہ معاف فرمادے بیشک تیرے سوا کوئی گناہ معاف کرنے والا نہیں ہے۔اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے نکلتے ہیں جو اس کے لیے استغفار کرتے ہیں اور اللہ اس کی جانب متوجہ ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ نماز سے فارغ ہوجاتا ہے۔''

یہ حدیث بروایت عطیہ العوفی سیّدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل ہوئی ہے۔ اور تمام اہلِ علم کے نزدیک عطیہ ضعیف ہے۔ یہ روایت دوسرے طرق سے بھی نقل ہوئی ہے لیکن وہ بھی ضعیف ہیں، اس کے الفاظ قابلِ حجت نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ پر سائلین کا یہ حق ہے کہ وہ ان کی حاجت روائی کرے اور عبادت گزار بندوں کا حق ہے کہ ان کو اجر وثواب سے نوازے۔تمام اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ یہ حق اللہ تعالیٰ نے خود ہی اپنی ذاتِ کریم ورحیم پر

[1] انظر الحديث (۸۳).

اپنے وعدہ صادق کے تحت واجب ٹھہرا لیا ہے اس پر بھی تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔ ان لوگوں کی مثال ان تین اشخاص کی ہے جو ایک غار میں گھر گئے۔ اور جنہوں نے اپنے اعمال صالحہ کی وساطت سے اللہ تعالیٰ سے اپنی نجات کے لیے سوال کیا تھا، ان میں سے ایک آدمی نے اپنے والدین کے ساتھ ایک عظیم نیکی کا واسطہ دیا۔ دوسرے نے فحش کام سے باز رہنے کا واسطہ دیا اور تیسرے شخص نے اپنی کامل امانت داری کا حوالہ دیا۔ ❶

چونکہ ان اعمال کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور یہ کام کرنے والوں سے بڑے اجر و ثواب کا وعدہ کیا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی مشکل کشائی فرمائی یہ اہلِ ایمان کے مندرجہ ذیل قول کی طرح ہے:

﴿ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ ﴾

(آل عمران: ۱۹۳)

''اے ہمارے پروردگار! ہم ایک پکارنے والے کو ایمان کی طرف پکارتے سنا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ، پس ہم ایمان لے آئے۔ اس لئے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ معاف فرما دے۔ ہم سے برائیاں دور فرما اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ موت دے۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ ﴾ (المومنون: ۱۰۹)

''میرے بندوں میں سے ایک گروہ کہا کرتا تھا کہ: ''ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے ہیں، پس ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما، تو تمام رحم کرنے والوں

---

❶ صحیح البخاری، کتاب الأجارة (۲۲۷۲)، صحیح مسلم، کتاب الذکر (۲۷۴۳).

سے بہتر ہے۔''

﴿ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ ﴾ (ال عمران: ١٥، ١٦)

''کیا میں تمہیں اس سے اچھی چیز نہ بتاؤں جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ہمیشہ وہاں رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں ہیں اور اللہ کی خوشنودی بھی، اللہ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ''اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے ہیں پس ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے۔''

سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ صبح کے وقت یہ دعا مانگتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ دَعَوْتَنِيْ فَاَجَبْتُ وَاَمَرْتَنِيْ فَاَطَعْتُ، وَهٰذَا سَحَرٌ فَاغْفِرْ لِيْ .))

''اے اللہ! تو نے مجھے پکارا تو میں نے اس کو مان لیا تو نے مجھے حکم دیا تو میں نے اطاعت کی اور یہ وقتِ سحر ہے پس مجھے بخش دے۔''

اللہ کو قسم دلانا

اس بات میں اصل سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو کسی مخلوق کی قسم دلانا اور اس کی ذات کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے مانگنا واجب ہے یا مستحب، حرام ہے یا مکروہ یا مباح ہے جس کا نہ حکم دیا گیا ہے اور نہ اس سے منع کیا گیا ہے؟ اگر کہا جائے کہ وہ واجب، مستحب یا مباح ہے تو یا تو مخلوق اور مخلوق میں فرق کیا جائے گا کہ صرف جلیل القدر مخلوقات یا ان میں سے بعض کی قسم دلانا اور وسیلہ تلاش کرنا جائز ہے۔ پس اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ تمام مخلوقات کی

قسم دلانا اور ان کا وسیلہ تلاش کرنا واجب یا مباح ہے تو پھر لازم آتا ہے کہ تمام شیاطین انس وجن کو اللہ تعالیٰ کے حضور وسیلہ بنایا جائے لیکن کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں ہے۔ لیکن اگر کہا جائے کہ ان عظیم الشان مخلوقات جن کی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں قسم کھائی ہے کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا چاہیے تو پھر ضروری ہے کہ آدمی اپنی دعا میں اس طرح کی قسمیں کھائے۔

﴿ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى ○ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى ○ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى ○ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ○ وَالْقَمَرِ إِذَا تَلٰهَا ○ وَالنَّهَارِ إِذَا جَلّٰهَا ○ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰهَا ○ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ○ وَالْأَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ○ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ○ ﴾

''رات کی قسم جب (وہ دن کو) چھپا لے اور دن کی قسم جب وہ چمک اٹھے۔ نر اور مادہ کی قسم۔ سورج اور اس کی روشنی کی قسم، چاند کی قسم جب اس کے پیچھے نکلے۔ اور دن کی قسم جب اسے جلا دے۔ قسم ہے رات کی جب اسے چھپا لے۔ قسم ہے آسمان کی اور اس ذات کی جس نے اسے بنایا۔ اور زمین کی اور اس کی جس نے اسے پھیلایا۔ اور انسان کی اور اس کی جس نے اس کے اعضاء کو برابر کیا۔''

اسی طرح یہ بھی لازم آتا ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے وقت اس کو مندرجہ ذیل چیزوں کی قسم دلائے۔

﴿ فَلَآ أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ○ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ○ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ○ ﴾ (الانفطار: ۱۵-۱۸)

''وہ ستارے جو پیچھے ہٹ جاتے ہیں، جو سیر کرتے اور غائب ہو جاتے ہیں، رات جب ختم ہونے لگتی ہے اور صبح جب وہ نمودار ہوتی ہے۔''

نیز اپنی دعاؤں میں ان چیزوں کو بھی اللہ تعالیٰ کے حضور وسیلہ بنانا پڑے گا:

﴿ وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۝ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۝ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۝ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۝ وَالطُّوْرِ ۝ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝ ﴾

(الطور: ۱۰۔۲)

"بکھیرنے والی (ہواؤں) کی قسم! جو اڑا کر بکھیر دیتی ہیں پھر پانی کا بوجھ اٹھاتی ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ چلتی ہیں۔ پھر چیزیں تقسیم کرتی ہیں۔ (کوہِ طور) کی قسم! اور کتاب کی جو لکھی ہوئی ہے کشادہ اوراق میں۔"

اس طرح ان تمام چیزوں کی قسم کھانا لازم ٹھہرانا ہے جن کی قسم اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پر قرآنِ حکیم میں کھائی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم الشان مخلوقات کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ وہ اس کی آیات اور مخلوقات ہیں اور اس کی ربوبیت، الوہیت، وحدانیت، علم و قدرت مشیت و رحمت، حکمت و عظمت، اور جبروت و غلبہ پر دلالت کرتی ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان چیزوں کی قسم اس لیے کھاتا ہے کہ اس میں اس کی اپنی ہی بزرگی و عظمت ہے۔ نصِ قرآنی اور اجماعِ امت کی روشنی میں ہمارے لیے ان چیزوں کی قسم کھانا درست نہیں ہے بلکہ اکثر اہلِ علم کی رائے ہے کہ اجماع امت اس بات پر ہے کہ کسی مخلوق کی قسم نہ کھائی جائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع بھی اس بات پر نقل کیا گیا ہے۔ بلکہ اسے شرک قرار دیا گیا ہے۔ جس سے امت مسلمہ کو سختی سے منع کیا گیا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کے توسل سے سوال کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ ہر مرد و زن، ریاح و سحاب، کواکب اور شمس و قمر، لیل والنہار، انجیر و زیتون، طور سینین، شہرِ امین مکہ، خانہ کعبہ، صفا و مروہ، عرفات و مزدلفہ اور منیٰ وغیرہ تمام مخلوقات کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرے اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ انسان ان تمام مخلوقات مثلاً شمس و قمر، کواکب، ملائکہ، حضرت مسیح و عزیر جن کی اللہ کے سوا پوجا پاٹ کی جاتی ہے اور جن کی پرستش نہیں ہوتی کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ سے

سوال کرے۔

سب سے بڑی بدعت

یہ مسلمہ امر ہے کہ ان مخلوقات کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا اور اسے ان کی قسم دلانا دینِ اسلام میں سب سے بڑی قابلِ مذمت بدعت ہے۔ ہر خاص و عام پر اس کی قباحت واضح ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان منتروں اور تعویذ گنڈوں کی قسم بھی دلائی جائے جنھیں جادوگر و عامل لکھتے ہیں بلکہ یہ بھی کہا جائے گا کہ جب ان چیزوں کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جا سکتا ہے اور اسے ان کی قسم دی جا سکتی ہے تو مخلوق کو قسم دلانا بدرجۂ اتم جائز ہوگا۔ نیز اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ یہ تمام جنتر، منتر اور تعویذ گنڈے اور جنوں کو دی جانے والی قسمیں بھی جائز اور مشروع ہوں، حلانکہ اس کلام سے کفر اور دینِ اسلام سے خروج لازم آتا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ میں تمام عظیم الشان مخلوقات کو چھوڑ کر صرف کسی ایک معظم و محترم مخلوق تمام انبیاء کرام علیہم السلام یا کسی ایک نبی کے توسل سے سوال کروں گا۔ اور اس کی قسم دلاؤں گا جیسا کہ بعض لوگ خاص انبیاء و صلحاء کی قسم دلانے کو جائز سمجھتے ہیں تو اسے یہ جواب دیا جائے گا کہ بعض مخلوقات دوسری مخلوقات سے خواہ کتنی ہی افضل و برتر ہوں سب کی سب اس لحاظ سے برابر ہیں کہ ان میں سے کسی کو بھی اللہ کا ہمسر اور ساجھی بنایا جائے کسی مخلوق کی نہ عبادت کی جائے نہ اس پر توکل کیا جائے۔ نہ اس سے ڈرا جائے نہ اس کے لیے روزہ رکھا جائے نہ اس کے سامنے سجدہ ریز ہوا جائے اور نہ کسی مخلوق کی قسم کھائی جائے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

((مَنْ كَانَ حَالِفاً فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ أَوْ لِيَصْمُتْ.)) [1]

''جسے قسم اٹھانا ہو وہ اللہ کی قسم اٹھائے ورنہ خاموش رہے۔''

---

[1] انظر الحديث (۷۰).

نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَحْلِفُوا اِلَّا بِاللّٰهِ .)) [1]

''اللہ کے سوا کسی کی قسم نہ کھاؤ۔''

حضور اکرم ﷺ کا ایک فرمان یہ بھی ہے کہ:

((مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ .)) [2]

''جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی قسم اٹھائی اس نے بلا شبہ شرک کیا۔''

نبی اکرم ﷺ سے منقول نصوصِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ آپ مخلوقات میں سے کسی چیز کی قسم کھانے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اس ضمن میں نہ ملائکہ اور انبیاء و صلحاء کے درمیان فرق ہے نہ نبی و غیر نبی کے درمیان کوئی امتیاز۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے شرک کی مذمت میں تمام مخلوقات کو ایک ہی سطح پر رکھا ہے اسی طرح اس مسئلہ میں بھی ان کی حیثیت یکساں ہے۔ خواہ اللہ کے ہاں کسی مخلوق کا درجہ و مقام کتنا ہی بلند اور عظیم ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

﴿ مَاكَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ ﴾ (آل عمران : ۷۹، ۸۰)

''کسی آدمی کو کو زیب نہیں دیتا کہ اللہ تو اسے کتاب و حکومت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ بلکہ اس کو

[1] سنن النسائي، كتاب الايمان والنذور، باب الحلف بالامهات (۳۸۰۰). سنن ابي داؤد، كتاب الايمان والنذور، باب كراهية الحلف بالآباء (۳۲٤۸). ابن حبان : ۱۰/۱۹۹، موارد الظمأن (۱۱۷٦).

[2] انظر الحديث (٦٩)

یہ کہنا سزاوار ہے کہ اے اہل کتاب! تم اللہ والے بن جاؤ کیونکہ تم کتاب پڑھتے پڑھاتے رہتے ہو۔ اور اسے یہ بھی نہیں کہنا چاہیے کہ تم فرشتوں اور پیغمبروں کو اللہ بنا لو بھلا جب تم مسلمان ہو چکے تو کیا اسے زیبا ہے کہ تمہیں کافر ہونے کو کہے۔"

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ○ ﴾ (بنی اسرائیل : ٥٦، ٥٧)

"کہو کہ اے مشرکو! جن لوگوں کی نسبت تمہیں معبود ہونے کا گمان ہے ان کو بلا دیکھو وہ تم سے تکلیف دور کرنے یا اس کے بدل دینے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے یہ لوگ جن کو اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ خود اپنے پروردگار کے ہاں ذریعہ (تقرب) تلاش کرتے رہتے ہیں۔ کہ کون ان میں اللہ کا زیادہ مقرب ہوتا ہے۔ اور اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں۔ اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں بیشک تمہارے پروردگار کا عذاب ڈرنے ہی کی چیز ہے۔"

سلف صالحین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ لوگ سیّدنا مسیح علیہ السلام اور سیّدنا عزیر علیہ السلام اور ملائکہ کو حاجت روائی کے لیے پکارتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ نادان لوگ میرے ان مطیع و فرماں بردار بندوں کو پکارتے ہیں جو ان ہی کی طرح میری رحمت کے امیدوار ہیں۔ میرے عذاب کے خوف سے لرزہ براندام رہتے ہیں۔ اور انہی کی طرح میرا تقرب حاصل کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

الْفَآئِزُوْنَ ۝ ﴾ (المومنون: ٥٢)

''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں اور اس سے ڈرتے اور اس کے غضب سے بچتے ہیں وہی بامراد و کامران ہیں۔''

اس سے واضح ہوگیا کہ اطاعت اللہ اور اس کے رسول ﷺ دونوں کی فرض ہے اور جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی اس کے برعکس خشیت وتقویٰ صرف اللہ وحدہ کے لیے مخصوص ہے۔ اسی لیے مخلوق سے ڈرنے اور اس کی ناراضگی سے بچنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝ ﴾

(التوبہ: ٦٩)

''جو کچھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کو دیا تھا اگر وہ اس پر راضی ہو جاتے اور کہتے کہ ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول ﷺ بھی ہمیں عطا فرمائے گا ہم تو اسی کی طرف راغب ہیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

﴿ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝ ﴾

(انشراح: ۷: ۸)

''پس جب فارغ ہوا کرو (عبادت میں) محنت کرو۔ اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہوجایا کرو۔''

اس طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ اہلِ ایمان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ان کو جو کچھ عطا کرتا ہے وہ اس پر راضی ہوں اور کہیں کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل سے اور اس کا رسول ﷺ بہت کچھ عطا

فرمائیں گے۔ ہم اللہ ہی کی طرف راغب ہیں۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ جو کچھ عطا کریں اس سے راضی اور خوش ہونے کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی حلال وحرام سے متعلق احکامات اس کے انعام واکرام کا وعدہ اور عذاب وعقاب کی وعید کی خبریں پہنچانے کے لیے اللہ تعالیٰ اور ہمارے درمیان ایک واسطہ ہیں۔ چنانچہ حلال وہی ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حلال قرار دیا ہے۔ اور حرام وہ ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ اسی طرح دین اس طرز زندگی کا نام ہے جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ہمارے لیے متعین فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ط ﴾ (الحشر)

''رسول ﷺ تمہیں جو کچھ دے اسے لے لو اور جس سے تمہیں روکے اس سے رک جاؤ۔''

لہٰذا کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ کوئی ایسا مال لے لے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس کے لیے حلال نہیں کیا ہے۔ رہا اموالِ مشترکہ مثلاً اموال فے، مالِ غنیمت اور صدقات تو ان میں سے اللہ اور اس کا رسول ﷺ جو کچھ کسی کو عطا کریں اسے اس پر راضی رہنا چاہیے اس کا حق اسی قدر ہے اس سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ ط ﴾ (التوبہ: ۵۹)

''اور انہوں نے کہا کہ ہمیں اللہ ہی کافی ہے۔''

یہ نہیں فرمایا کہ:

((حَسْبُنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ.))

یعنی ہمارے لیے اللہ اور اس کا رسول ﷺ کافی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ''حسبٌ''

کے معنی کافی ہونے کے ہیں۔ اور صرف اللہ تعالیٰ ہی اپنے تمام بندوں کے لیے کافی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ ﴾

(انفال: ٦٤)

''اے نبی ﷺ! اللہ تعالیٰ تمہیں اور مومنوں کو جو تمہارے پیرو ہیں، کافی ہے۔''

اس آیت میں اس حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ صرف اللہ ہی آنحضرت ﷺ اور تمام اہلِ ایمان بندوں کے لیے کافی ہے یہی قول صحیح ہے اور تمام سلف و خلف اس کے قائل ہیں جیسا کہ کسی دوسرے مقام پر وضاحت گزر چکی ہے۔ پس جس شخص نے بھی حضور ﷺ کی اتباع و اطاعت کی اللہ تعالیٰ اس کو کافی ہے۔ وہ اس کا حامی و ناصر اور رازق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ سَيُؤْتِينَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ ۖ ﴾ (التوبه: ٥٩)

''انہوں نے کہا: عنقریب اللہ اپنے فضل سے اور رسول ﷺ بھی ہمیں دے گا۔''

یہ اس حقیقت کا ذکر ہے کہ عطا تو اللہ اور اس کے رسول مقبول ﷺ دونوں کریں گے۔ لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان فضل کا لفظ لایا گیا ہے اس طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ دونوں کی حیثیت میں ایک خط امتیاز کھینچ دیا گیا ہے۔ کیونکہ ''فضل'' اللہ وحدہ کے لیے مخصوص ہے جیسا کہ مذکورہ بالا آیت سے واضح ہے نیز قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ قول نقل کیا ہے کہ:

﴿ إِنَّا إِلَى رَبِّنَا رَاغِبُونَ ۝ ﴾ (القلم: ٣٢)

''بے شک ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔''

یہاں پر آنحضرت ﷺ اور دوسری مخلوقات کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے رغبت کو صرف اپنی طرف منسوب کیا ہے پس واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان امور میں تمام مخلوقات کو

برابر سمجھا ہے۔ اس نے کسی شخص کے لیے جائز نہیں رکھا کہ وہ کسی مخلوق خواہ وہ نبی ہو یا فرشتہ کی قسم کھائے، اس پر توکل کرے، اس کی طرف رغبت رکھے اور اس سے ڈرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝ وَّلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ط ﴾

(سبا: ۲۲، ۲۳)

''اے نبی ﷺ! کہہ دیجیے جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا (معبود) سمجھ بیٹھے ہو، ان کو پکار کر دیکھو وہ نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں ذرہ بھر چیز کے مالک ہیں اور نہ ان میں کوئی حصہ ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے اور اللہ کے ہاں (کسی کی) سفارش فائدہ مند نہ ہوگی مگر اس کے لیے جس کے لیے وہ اجازت بخشے۔''

مِنْ دُوْنِ اللہ سے دعا

جو شخص اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اور چیز کو پکارتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے سخت تنبیہ اور تہدید فرمائی ہے اور یہ واضح کر دیا ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کا مالک نہیں اور نہ کوئی شخص اس کی سلطنت و بادشاہت میں اس کا شریک وسہیم ہے۔ مخلوقات میں سے کوئی چیز نہ کسی شخص کی معاون ہے نہ مددگار۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے دلوں کے تعلق کو منقطع فرما دیا اور مخلوق سے رغبت، اس کا ڈر، اس کی عبادت اور اس سے استعانت سب کو ختم کر دیا۔ صرف شفاعت کا حق باقی رکھا ہے جو برحق ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ط ﴾ (سبا: ۲۲)

''اس کے حضور شفاعت بھی فائدہ نہ دے گی سوائے اس کے جس کے لیے اجازت دی جائے۔''

احادیثِ صحیحہ بھی قیامت کے روز شفاعت پر دلالت کرتی ہیں۔ قیامت کے دن جب لوگ حضرت آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم علیہم السلام کے پاس آئیں گے تو ان میں سے ہر ایک اُن کو دوسرے نبی کی طرف بھیجے گا حتی کہ لوگ مسیح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور مسیح فرمائیں گے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ وہ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں جن کے اگلے پچھلے سارے گناہ اللہ نے معاف کر دیے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''پھر وہ لوگ میرے پاس آئیں گے اور میں اپنے رب کے حضور حاضر ہوں گا جونہی میں اسے دیکھوں گا سجدہ میں گر پڑوں گا اپنے رب کی خوبیوں کے ساتھ اس کی حمد بیان کروں گا جو اس وقت مجھے بتائی جائیں گی اور جو اب مجھے معلوم نہیں۔ پس مجھ سے کہا جائے گا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ! اپنا سر اٹھاؤ اور کہو، سنا جائے گا۔ مانگو! عطا کیا جائے گا اور شفاعت کرو، تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی اور میں ان کو جنت میں داخل کر دوں گا۔''[1]

پس حضرت مسیح علیہ السلام نے واضح کر دیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شافع ہیں جن کی شفاعت مقبول و مستجاب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دی ہیں۔ نیز انہوں نے یہ بھی واضح کر دیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس کے بندے ہیں جو افضل المخلوقات اور سب سے بڑے شافع ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے بڑھ کر شرف و کرامت کے مالک ہیں وہ اللہ کی بارگاہ میں

---

[1] صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ، بما خلقت بیدی: ۷۴۱۰۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب ادنی اھل الجنة نزلة فیھا(۱۹۳)

حاضر ہوں گے۔ سجدہ بجا لائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائیں گے اور جب تک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اذن نہیں ملے گی امت کے لیے شفاعت کا آغاز نہیں فرمائیں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ سے کہا جائے گا کہ اے نبی! سجدہ سے سر اٹھاؤ اور جو چاہتے ہو مانگو آپ کو عطا کیا جائے گا۔ اور شفاعت کرو آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے ایک حد مقرر فرما دے گا اور آپ لوگوں کو جنت میں داخل کر دیں گے۔

ان تمام مباحث سے واضح ہو گیا کہ ہر کام اللہ کے اختیار و قدرت میں ہے۔ لہٰذا شفاعت بھی اسی کی اجازت اور ارادے پر منحصر ہے۔ شفاعت کرنے والا صرف اسی شخص کے حق میں شفاعت کرے گا جس کے لیے اللہ تعالیٰ شفاعت کی اجازت دے گا۔ پھر ہر شفیع کے لیے ایک حدِ شفاعت مقرر کر دی جائے گی۔ اور وہ اس حد کے اندر اندر لوگوں کو جنت میں داخل کرائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا امر اس کی مشیت و قدرت اور اختیار پر موقوف ہے۔ سب سے بڑے اور افضل ترین شفیع وہ ذات اقدس ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات پر فضیلت عطا کی ہے۔ اور جس کو اس نے کمال درجہ کی بندگی اور اطاعت، رجوع الی اللہ اور اللہ کی رضا سے موافقت کی بنا پر پسند کیا اور چن لیا ہے۔

جب غیر اللہ کی قسم کھانا اس کی طرف رغبت رکھنا اور اس کا خوف اور تقویٰ رکھنا وغیرہ ایسے افعال ہیں جن میں تمام مخلوقات مشترک ہیں۔ تو کسی مخلوق کی قسم کھانا اس سے خوف کھانا اور اس پر توکل رکھنا خواہ وہ مخلوق سب سے افضل ہی کیوں نہ ہو جائز نہیں ہے۔ جب کوئی نبی اور فرشتہ بھی ان چیزوں کا مستحق نہیں ہے تو مشائخ و صلحاء کیسے ان چیزوں کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

رہا اللہ تعالیٰ سے مخلوق کے توسل سے سوال تو اگر یہ ان چیزوں کے توسل سے جائز ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے اور جن کی عظمت بیان فرمائی ہے تو پھر تمام چیزوں کے

واسطہ سے سوال جائز ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر کسی چیز کے توسط سے اللہ سے سوال کی کوئی گنجائش ہے اور نہ جواز۔ اگر کوئی شخص مومن اور غیر مومن میں کوئی تفریق کرتا ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ ایمان تو فرشتوں اور نبیوں پر اور ہر اس چیز پر لانا واجب ہے جس کی حضور ﷺ نے خبر دی ہے مثلاً منکر ونکیر، حور وغلمان وغیرہ پر بھی ایمان لانا واجب ہے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ان چیزوں کی بھی خبر دی ہے۔ پھر کیا ان تمام چیزوں کی قسم کھانا صرف اس لیے جائز ہوسکتا ہے کہ ان پر ایمان لانا واجب ہے؟

پس ظاہر ہوا کہ ایسے اسباب کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا جو اس کے نزدیک اجابتِ دعا کا سبب نہ ہو، جائز نہیں۔ مخلوقات میں کوئی فرق وامتیاز نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات اس لحاظ سے یکساں ہیں کہ ان میں سے کسی کی قسم نہیں کھائی جاسکتی۔ ایسا ہر فعل ناجائز ہے۔ پس واضح ہوا کہ علماء میں سے کسی نے بھی اس کو جائز قرار نہیں دیا۔

نبی اکرم ﷺ کے ذریعے یہود کا استفتاح

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

﴿ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ط ﴾(البقرہ: ۸۹)

''اور اس سے قبل (یہود) کافروں کے خلاف حضور ﷺ کے ذریعہ فتح کی دعا مانگا کرتے تھے۔''

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہودی مشرکینِ عرب سے کہا کرتے تھے کہ:

''عنقریب یہ نبی (محمد ﷺ) بھیجا جائے گا ہم اس کی معیت میں تم سے لڑیں گے اور تمہیں قتل کردیں گے۔''

اس سے ان کی مراد اللہ تعالیٰ کو نبی آخرالزمان ﷺ کی ذات اقدس کی قسم دلانا نہیں تھا بلکہ وہ یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ:

''اے اللہ! اس نبیٔ امت کو اٹھا تا کہ ہم اس کی اتباع کریں اور اس کی معیت میں ان مشرکوں کا صفایا کر دیں۔''

یہی بات اہل تفسیر کے ہاں مستند اور ثابت ہے اسی بات پر قرآن مجید بھی دلالت کرتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ ۝ ﴾ (البقرہ: ۸۹)

''اس سے قبل وہ (یہود) فتح کی دعا مانگتے تھے۔''

اس آیت کریمہ میں استفتاح سے مراد ''استنصار'' ہے جس کے معنی ہیں فتح و نصرت طلب کرنا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے توسط سے فتح و نصرت طلب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی انور ﷺ کو مبعوث فرمائے تا کہ وہ آپ کی معیت و سرکردگی میں اہل شرک سے جہاد کریں اور اس وجہ سے ان کی نصرت فرمائی جائے۔ مذکورہ قول کا مطلب یہ نہیں تھا کہ یہود نبی اکرم ﷺ کی قسم دلاتے تھے اور آپ کی ذات اقدس کے طفیل اللہ سے سوال کرتے تھے اگر ان کا مقصد آپ کی قسم دلانا اور آپ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا ہوتا تو ضروری تھا کہ جب وہ ایسا کرتے تھے ان کی نصرت فرما دی جاتی۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوا اس کے برعکس جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا تو صرف انہیں لوگوں کی نصرت فرمائی گئی جو آپ کی رسالت پر ایمان لائے اور جنہوں نے آپ کے مخالفین کے ساتھ جہاد کیا بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہود (حضور ﷺ) کی قسم دلاتے تھے۔ اور آپ کی ذات کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے تھے۔ لیکن یہ قول بہت شاذ اور جمہور علماء کی رائے کے خلاف ہے۔ اس سلسلہ میں بعض روایات کو ہم نے اپنی تصنیفات دلائل نبوت اور الاستغاثۃ الکبیر میں ذکر کیا ہے۔

سیرت النبی، دلائل نبوت اور تفسیر کی کتابیں اس نوع کی روایات سے بھری پڑی ہیں۔

ابو العالیہ وغیرہ کا کہنا ہے کہ جب یہودی عرب کے مشرکین کے خلاف حضرت محمد ﷺ کے

توسل سے فتح ونصرت چاہتے تھے تو وہ یہ دعا مانگتے تھے۔

''اے اللہ! اس نبی (موعود) کو جس کا تذکرہ ہم اپنی کتابوں میں مذکور پاتے ہیں مبعوث فرما! حتیٰ کہ ہم مشرکوں پر غلبہ حاصل کریں اور ان کا صفایا کر دیں۔''

جب نبی اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ آپ ان کی قوم میں سے نہیں ہیں تو عربوں سے حسد کی وجہ سے آپ کا انکار کر دیا۔ حالانکہ وہ علی وجہ البصیرت جانتے تھے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں۔ ان کی اس متعصّبانہ روش کے متعلق اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی:

﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ٥ ﴾

(البقرہ: ۸۹)

''جب وہ (نبی) جس کو پہچانتے تھے آ گیا تو انہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا پس اللہ کی لعنت ہو منکرین (حق) پر۔''

محمد بن اسحاق نے عاصم بن عمر بن قتادۃ الانصاری کے حوالہ سے اپنی قوم کے بعض آدمیوں سے ایک روایت بیان کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ:

''جس چیز نے ہمیں اسلام کی دعوت دی وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و ہدایت کے علاوہ یہودیوں کی باتیں تھیں جو ہم ان سے سنا کرتے تھے۔ ہم مشرک اور بت پرست تھے اور اہل کتاب کے پاس وہ علم تھا جو ہمارے پاس نہ تھا۔ ہمارے اور ان کے درمیان ہمیشہ فساد کی آگ بھڑک اٹھتی تھی جب ہماری طرف سے انہیں کچھ تکلیف پہنچتی تو وہ ہم سے کہتے کہ عنقریب زمانہ آنے والا ہے جب وہ نبی مبعوث ہوں گے ہم ان کی معیت میں تم سے لڑیں گے۔ اور قومِ عاد وارم کی طرح تمہیں نیست و نابود کریں گے۔ ہم اکثر اوقات ان سے یہ باتیں سنا کرتے تھے چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو اپنا رسول بنا کر

مبعوث فرمایا تو جونہی اس نے ہمیں اللہ کی طرف دعوت دی، ہم نے اس کی دعوت قبول کر لی اور جس نبی کی وہ ہمیں دھمکی دیا کرتے تھے ہم نے ان کو پہچان لیا اور ہم سے (ایمان لانے میں) سبقت لے گئے۔ پس ہم ان پر ایمان لے آئے اور انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا چنانچہ ہمارے اور ان کے بارے میں سورۂ بقرہ کی درج ذیل آیات نازل ہوئیں۔

﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾[1] (البقرہ: ۸۹)

ابن اسحاق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ: ''یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے آپ کے توسل سے اوس اور خزرج کے خلاف فتح کی دعا مانگا کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اہل عرب میں سے مبعوث فرمایا تو انہوں نے آپ کا انکار کر دیا اور جو کچھ اس سے پہلے کہا کرتے تھے اس سے بھی انکاری ہو گئے۔ اس پر معاذ بن جبل، بشر بن براء بن معرور اور داؤد بن سلمہ رضی اللہ عنہم نے ان سے کہا کہ ''اے گروہ یہود، اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کر لو۔ تم تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے ہمارے خلاف فتح طلب کیا کرتے تھے۔ جب کہ ہم مشرک تھے۔ تم ہمیں ان کی بعثت کی خبریں دیا کرتے تھے اور ان کی صفات و کمالات بیان کیا کرتے تھے۔ اس پر سلام بن مشکم نے جو بنی النضیر کے بھائی تھے کہا ''جس چیز کو ہم پہچانتے تھے وہ ہمارے پاس آئی ہی نہیں، نہ ہم اس شخص کا تم سے ذکر کیا کرتے تھے۔'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ان باتوں کے متعلق سورہ بقرہ کی مذکورہ بالا آیت ۸۹ نازل فرمائی۔[2]

ابن ابی حاتم نے جنہوں نے مفسرین سلف کے اقوال کو جمع کیا ہے، صرف اتنی ہی

---

[1] تفسیر طبری ۱/۴۵۵.
[2] تفسیر طبری ۱/۴۵۵.

بات روایت کی ہے۔ سلف صالحین میں سے کسی نے اس روایت سے حضور ﷺ کی ذات کے واسطہ سے سوال کرنا مراد نہیں لیا ہے۔ اس سے صرف آپ کی بعثت کی خبر ہی ملتی ہے۔ یا اللہ تعالیٰ سے آپ کی بعثت کی درخواست کا پتہ چلتا ہے۔ ابن ابی حاتم نے ابو زرین اور ضحاک رحمہم اللہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے قول:

﴿ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ط ﴾(البقرہ: ۷۹)

میں جو لفظ يَسْتَفْتِحُونَ آیا ہے اس کا مطلب ہے يَسْتَظْهِرُونَ یعنی وہ اللہ سے غلبہ اور فتح طلب کیا کرتے تھے۔ ❶

وہ کہتے تھے کہ ہم حضرت محمد ﷺ کی اوس وخزرج کے خلاف مدد کیا کریں گے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہود کہا کرتے تھے کہ عنقریب ایک نبی تشریف لائے گا لیکن جب وہ نبی تشریف لے آئے تو انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا۔ ❷

ربیع بن انس نے ابو العالیہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ یہودی سیّدنا محمد ﷺ کے توسل سے مشرکین عرب کے خلاف اس دعا کے ساتھ نصرت طلب کیا کرتے تھے۔ اے اللہ! اس نبی کو مبعوث فرما جس کا تذکرہ ہم اپنی کتابوں میں مذکور پاتے ہیں حتی کہ ہم مشرکین کو سخت سزا دیں اور ان کو قتل کر ڈالیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور یہودیوں نے دیکھا کہ وہ ان میں سے نہیں ہیں تو عربوں سے حسد وعناد کی بنا پر آپ کو نبی ماننے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا

﴿ فَلَمَّا جَآئَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ○ ﴾❸

عبدالملک کی روایت

عبدالملک بن ہارون بن عنترہ نے اپنے باپ کے حوالہ سے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے

---

❶ تفسیر ابن ابی الرازی حاتم ۱۷۱/۱. ❷ تفسیر ابن ابی ہاتم: ۱۷۱/۱۔ ❸ ایضاً

روایت کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

''خیبر کے یہودی ایک دفعہ قبیلہ غطفان سے لڑ پڑے۔ جب کبھی مقابلہ ہوتا یہودی ہزیمت اٹھاتے پس انہوں نے اس دعا کے ساتھ پناہ طلب کی:

((اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِ الَّذِیْ وَعَدْتَّنَا اَنْ تُخْرِجَهُ لَنَا آخِرَ الزَّمَانِ اِلَّا نَصَرْتَنَا عَلَیْھِمْ.))

''یعنی اے اللہ ہم نبی امی کے حق کے حوالہ سے تجھ سے سوال کرتے ہیں جس کا تو نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے کہ آخری زمانہ میں تو اسے ظاہر کرے گا تاکہ تو ان (مشرکین) پر ہمیں فتح دے۔''

چنانچہ جب یہودی یہ دعا مانگتے وہ قبیلہ غطفان کو شکست دے دیتے۔ لیکن جب یہ نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو انہوں نے کفر کا رویہ اختیار کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ط ﴾ [1]

اس حدیث کو حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ ہمیں اس کی تخریج پر ضرورت نے مجبور کیا ہے۔ اس روایت کو علماء نے منکر قرار دیا ہے کیونکہ عبدالملک بن ہارون سب سے زیادہ ضعیف راوی ہے وہ ماہرین علم الرجال کے نزدیک متروک بلکہ کذاب ہے۔ یحییٰ بن معین وغیرہ ائمہ کا قول اس کے بارے میں گزر چکا ہے۔

میری رائے میں یہ حدیث عبدالملک بن ہارون کی جھوٹی احادیث میں سے ایک ہے۔ عبدالملک ایک [illegible] تھا، یہی حال اس روایت کا ہے جو ابوبکر سے روایت کی جاتی ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ

---

[1] المستدرك للحاكم: ۲۶۳/۲ دلائل النبوة للبیھقی: ۷۶/۲۔۷۷۔ اس سند میں عبدالملک بن ہارون کو علامہ ذہبیؒ نے تلخیص المستدرک میں متروک ھالک قرار دیا ہے۔

یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ باتفاق علمائے تفسیر وسیرت، مدینہ کے گردونواح میں آباد یہودیوں کے بارے میں نازل ہوا جن میں بنی قینقاع، قریظہ اور نضیر شامل تھے۔ یہ قبیلہ اوس وخزرج کے مخالف تھے۔ نبی اکرم ﷺ جب مدینہ میں داخل ہوئے تو آپ نے اُن کے ساتھ معاہدہ کیا اور جب انہوں نے اپنا عہد توڑ دیا تو حضور اکرم ﷺ نے پہلے بنی قینقاع سے جنگ کی اور اس کے بعد نضیر سے جن کے بارے میں سورۃ الحشر نازل ہوئی، پھر خندق کے سال قبیلہ قریظہ سے جنگ کی، لہٰذا کیسے کہا جا سکتا ہے کہ آیت مذکورہ خیبر کے یہودیوں اور قبیلہ غطفان کے بارے میں نازل ہوئی ہے؟ یہ روایت کسی جاہل مطلق کا جھوٹ ہے جسے جھوٹ بھی طریقہ سے بولنا نہیں آتا۔ اس روایت کے مطابق اس دعاء کے ذریعہ یہودیوں نے قبیلہ غطفان کے خلاف، نصرت طلب کی ہے۔ یہ بات اس کذاب کے علاوہ کسی صاحبِ علم سے منقول نہیں ہے اگر ایسا واقعہ گزرا ہوتا تو اکثر ثقہ راویوں نے اسے نقل کیا ہوتا۔

یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اس طرح کے الفاظ اگر نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس کے وسیلہ سے سوال کرنا اور اللہ تعالیٰ کو آپ کی قسم دلانا بھی ثابت کرتے ہوں پھر بھی احکامِ شرعیہ میں ان الفاظ پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اولاً یہ الفاظ ثابت نہیں ہیں۔ دوم: آیت کے الفاظ اس پر دلالت نہیں کرتے۔ اگر یہ روایت ثابت بھی ہو تو ضروری نہیں کہ ایسا کرنا ہمارے لیے بھی شرعاً جائز ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی یوسف علیہ السلام کے بھائیوں اور اُن کے والد ماجد کے سجدہ کا ذکر کیا ہے اور کبھی ان لوگوں کے متعلق خبر دی ہے جو اہل کہف پر غالب آئے تو کہنے لگے کہ:

﴿ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۝ ﴾ (الکھف: ۲۱)

''ہم ضرور اُن پر ایک مسجد بنائیں گے۔''

اس کے برعکس ہمیں قبور پر مسجدیں بنانے سے منع فرمایا گیا ہے۔ آیت مذکورہ کے

الفاظ تو یہ ہیں کہ: ''یہودی کافروں کے خلاف فتح طلب کیا کرتے تھے، اور جب وہ نبی اُمی ﷺ تشریف لے آئے جن کو خوب اچھی طرح پہچانتے تھے تو انہوں نے اُن کی رسالت ونبوت کو ماننے سے انکار کر دیا۔'' یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۝ ﴾ (الانفال: ۱۹)

''اگر تم فتح طلب کرتے تھے تو فتح بھی تمہیں مل چکی ہے۔''

استفتاح سے مراد طلبِ فتح ہے اور فتح نصرت سے عبارت ہے، چنانچہ ایک حدیث ماثورہ میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ مہاجرین میں سے فقراء ومساکین کے ذریعہ فتح طلب کیا کرتے تھے۔ بالفاظِ دیگر وہ ان کی دعا کے توسط سے نصرت طلب کرتے تھے، جیسا کہ آپ نے خود تصریح فرما دی ہے کہ:

((وَهَلْ تُرْزَقُوْنَ وَتُنْصَرُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ، بِصَلَاتِهِمْ وَدُعَاءِهِمْ وَاِخْلَاصِهِمْ.)) [1]

''کیا تمہارے ضعیف لوگوں، یعنی اُن کی نمازوں، دعاؤں اور اُن کے اخلاص کے علاوہ بھی کوئی وسیلہ ہے جس کے سبب تمہیں رزق اور نصرت عطا کی جاتی ہو؟''

آیتِ مذکور کا مفہوم صرف یہ ہے کہ یہودی اللہ تعالیٰ سے درخواست کیا کرتے تھے کہ وہ آخری زمانہ میں مبعوث ہونے والے نبی کے ذریعہ اُن کی مدد فرمائے، وہ دعا کیا کرتے تھے کہ اس نبی آخر الزمان ﷺ کو جلد از جلد اُن کی طرف مبعوث کیا جائے تاکہ وہ اُس کی مدد سے اپنے دشمنوں پر غلبہ وقوت حاصل کر سکیں۔ اس دعا میں وہ اللہ کو آپ کی قسم نہیں

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب من استعان بالضعفاء والصالحين في الحرب (۲۸۹۶)، سنن النسائی: ۴۵/۶. عن سعد رضی اللہ عنہ سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، باب فی الانتصار برذل الخیل (۲۵۹۴)، سنن الترمذی، الجهاد، باب ما جاء فی الاستفتاح بضعفاءِ المسلمین (۱۷۰۲)، سنن النسائی (۴۵/۶) عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ۔

دلاتے تھے اور نہ آپ کی ذاتِ اقدس کے توسل سے فتح ونصرت طلب کرتے تھے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

﴿ فَلَمَّا جَآءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ ﴾ (البقرة: ۸۹)

''پس جب وہ (نبی برحق) جس کو وہ خوب پہچانتے تھے اُن کے پاس تشریف لے آیا تو انہوں نے اُس کا انکار کر دیا، پس اللہ کی لعنت ہے کافروں پر۔''

اگر ایسے آثار موجود نہ بھی ہوتے جو آیت کے اس معنی ومفہوم پر دلالت کرتے، پھر بھی کسی کے لیے جائز نہ ہوتا کہ کسی دلیلِ قطعی کے بغیر اس آیت کو اس متنازعہ فیہ مفہوم پر محمول کرتا کیونکہ اس آیت کے الفاظ کسی دوسرے مفہوم پر دلالت نہیں کرتے، لہٰذا آثارِ ثابتہ کی موجودگی میں کوئی دوسرا معنی اخذ کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟

جہاں تک یہودیوں کی فتح یابی کا تعلق ہے ہم واضح کر چکے ہیں کہ یہ ایک شاذ اور غیر معروف خبر ہے۔ اس باب میں جو معروف آثار ملتے ہیں یہ روایت اس کے سراسر خلاف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی کو معلوم نہیں کہ یہودی کبھی اہل عرب پر غالب آئے ہوں بلکہ وہ تو ہمیشہ از خود مغلوب تھے اور اہل عرب سے معاہدہ امن کیا کرتے تھے لہٰذا اُن میں سے ہر فریق اہلِ عرب سے معاہدہ کرتا تھا چنانچہ قبیلہ قریظہ، قبیلہ اوس کا حلیف تھا اور قبیلہ نضیر قبیلہ خزرج کا حلیف تھا، چونکہ یہودی ہمیشہ اہل عرب کے خلاف مدد کے طلب گار رہتے تھے، اس لیے اُن کی فتح یابی کی روایت صحیح نہیں ہے بلکہ معاملہ اس کے بالکل اُلٹ ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے اُن کی شکست وذلت کی خبر دی ہے۔

﴿ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذَٰلِكَ

بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴾ (آل عمران: ۱۱۲)

''یہ جہاں بھی ہوں ذلت ان پر مسلط کر دی گئی ہے بجز اس کے کہ یہ اللہ اور لوگوں کی پناہ میں آ جائیں اور یہ لوگ خدا کے غضب میں گرفتار ہیں اور مفلسی اُن پر مسلط کر دی گئی ہے کیونکہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور ناحق انبیاء کرام کو قتل کر دیتے تھے اور یہ اس لیے تھا کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔''

چونکہ یہود جہاں کہیں بھی ہیں ان پر ذلت و مسکنت مسلط کر دی گئی ہے اس لیے وہ اپنے بل بوتے پر نہ اہل عرب پر غالب آ سکتے تھے، نہ دوسری اقوام پر۔ بجز اس کے کہ انہیں اللہ تعالیٰ اور کچھ دوسرے لوگوں کی پشت پناہی حاصل ہو جائے۔ اس سے قبل وہ اپنے حلیفوں کی مدد سے جنگ کرتے تھے، ان پر ذلت و خواری اس وقت سے مسلط رہی جب سے حضرت مسیح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے، کیونکہ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴾

(آل عمران: ۵۵)

''اے عیسیٰ! میں تمہیں پورا کا پورا لوں گا اور اپنی طرف اُٹھا لوں گا اور تمہیں کافروں (کی صحبت) سے پاک کروں گا اور جو لوگ تمہاری پیروی کریں گے اُن کو کافروں پر قیامت تک فائق (وغالب) رکھوں گا۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوٰرِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوٰرِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ

فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظَاهِرِيْنَ ﴾ (الصف : ١٤)

''اے ایمان والو! اللہ کے مددگار ہو جاؤ، جیسے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے حواریوں سے کہا کہ ''کون ہیں جو اللہ کی طرف (بلاتے ہیں) میرے مددگار ہوں، حواریوں نے کہا کہ'' ہم اللہ کے مددگار ہیں، پس بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت تو ایمان لے آئی اور ایک گروہ نے کفر کی رَوش اختیار کی، ہم نے ایمان لانے والوں کو اُن کے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد دی اور وہ غالب ہو گئے۔''

بنی اسرائیل کئی انبیاء کرام علیہم السلام مثلاً حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کے قتل ناحق کے مرتکب ہوئے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کی آیت ٦١ نازل فرمائی جو اس سے پہلے بیان ہو چکی ہے۔

جب اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین مثلاً حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کی قسم دلانے کو نہ آپ کی زندگی میں اور نہ آپ کے وصال کے بعد جائز سمجھتے تھے بلکہ آپ کی اطاعت اور آپ کی دعا (شفاعت) کو وسیلہ بناتے تھے تو پھر غیر موجود مخلوق سے یا مُردوں سے دعا کرنا اور انبیاء و صلحاء سے سوال کرنا کیسے جائز کہلا سکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝ ﴾ (بنی اسرائیل: ٥٦، ٥٧)

''کہہ دیجیے (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) کہ پکارو اُن کو جن کو تم اللہ کے سوا (معبود) سمجھے بیٹھے ہو، وہ تو تم سے کسی مصیبت کو دور کرنے یا اُس کو بدل دینے کا کوئی

اختیار نہیں رکھتے۔ وہ لوگ تو خود (اللہ کو) پکارتے ہیں، اپنے رب کے ہاں وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ اُن سے کون (زیادہ) اللہ کے قریب ہو جائے وہ اس کی رحمت کے اُمیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بے شک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔"

سلف صالحین کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ "بعض لوگ ملائکہ اور انبیاء کرام علیہم السلام مثلاً مسیح اور عزیر علیہما السلام کو حاجت روائی کے لیے پکارا کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس فعل سے منع فرما دیا اور اُن کو بتایا کہ جن ہستیوں کو تم پکارتے ہو وہ تو خود اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اُمیدوار، اُس کے عذاب سے خائف اور اُس کے حضور تقرب کے متلاشی ہیں، انہیں لوگوں کے مصائب کو دور کرنے یا اُن کو بدلنے کی ذرہ برابر قدرت حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ ﴾

(آل عمران: ۷۹، ۸۰)

"کسی آدمی کو زیب نہیں دیتا کہ اللہ اس کو کتاب، حکومت اور نبوت عطا کرے اور وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، بلکہ (وہ تو کہے گا کہ) رب والے بن جاؤ کیونکہ تم کتاب پڑھتے پڑھاتے رہتے ہو۔ وہ تمہیں حکم نہیں دے گا کہ فرشتوں اور نبیوں کو رب ٹھہرا لو۔ کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے گا، بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو۔"

روضۂ اقدس کو مسجد بنانے کی ممانعت

اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے اپنی قبر کو سجدہ گاہ اور میلہ گاہ بنانے سے منع فرمایا ہے چنانچہ مرض الموت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوْا.)) [1]

''یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو، انھوں نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی قبور کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔'' راوی کہتا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ اس لیے فرمایا کہ وہ جو کچھ کرتے تھے اس سے احتراز کیا جائے۔''

نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

((اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَثَنًا يُّعْبَدُ، اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِ هِمْ مَسَاجِدَ.)) [2]

''اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنا ڈالنا، کہ اس کی پرستش ہونے لگے۔ اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہو اُس قوم پر جس نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی قبور کو سجدہ گاہ بنا لیا۔''

((لَا تُطْرُوْنِيْ كَمَا اَطْرَتِ النَّصٰرٰى عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ اِنَّمَا اَنَا عَبْدٌ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُه.)) [3]

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ (٤٣٥، ٤٢٦) صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب نهی عن بناء المسجد علی القبور (٥٣١).

[2] الموطا للمالك، کتاب قصر الصلاۃ فی السفر (٨٥) عن عطاء بن یسار مرسلاً واللفظ له، مسند احمد: ٢/٢٤٦ عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ.

[3] صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ: "واذکر فی الکتاب مریم اذا انتبذت من اهلها" (٣٤٤٥).

''میری تعریف میں ایسا غلو نہ کرو جیسا کہ عیسائیوں نے عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی تعریف میں کیا، میں تو صرف ایک بندہ ہوں لہٰذا مجھے اُس کا بندہ اور رسول کہو۔''

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَقُوْلُوْا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَ شَآءَ مُحَمَّدٌ ﷺ بَلْ مَا شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَآءَ مُحَمَّدٌ.)) ❶

''یہ نہ کہو کہ جو کچھ اللہ چاہے اور محمد ﷺ چاہے، بلکہ کہو کہ جو کچھ اللہ چاہے پھر محمد ﷺ چاہے۔''

ایک اعرابی (بدّو) آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: ''مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ'' ''یعنی جو کچھ اللہ اور آپ ﷺ چاہیں۔''

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَجَعَلْتَنِيْ نِدًّا لِلّٰهِ بَلْ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ.)) ❷

''کیا تو نے مجھے اللہ کا ہمسر بنا دیا ہے؟ بلکہ (کہو کہ) جو کچھ اللہ وحدہ چاہے۔''

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۝ ﴾

(الاعراف: ۱۸۸)

---

❶ مسند الدارمی، کتاب الاستئذان، باب النهی عن ان یقول ماشآء الله وشاء فلان (۲۷٤۱)، مسند احمد: ۷۲/۵، ۳۹۳ سنن ابن ماجه، کتاب الکفارات، باب النهی ان یقال ماشاء الله وشئت (۲۱۱۸).

❷ مسند احمد (۲۱٤/۱، ۲۲٤، ۲۸۳، ۳٤۷)، طبرانی کبیر: ۱۸۹/۱۲ (۱۳۰۰٦)، سنن کبری بیهقی: ۲۱۷/۳.

''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجئے کہ میں اپنی ذات کے لئے نہ کسی نفع کا مالک ہوں نہ نقصان کا، مگر جو کچھ اللہ چاہے اگر میں علم غیب رکھتا تو بہت سی بھلائیاں جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔''

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ﴾ (یونس: ٤٩)

''(اے نبی!) کہہ دو! کہ میں اپنی ذات کے لیے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا ہوں نہ کسی نقصان کا۔''

﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ط ﴾

(القصص: ٥٦)

''تحقیق جسے تو پسند کرے اور اس کو (خود) ہدایت نہیں دے سکتا، لیکن یہ اللہ ہے جو جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔''

﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ ﴾ (آل عمران: ۱۲۸)

''تجھے کسی چیز کا اختیار نہیں ہے۔''

توحید کی رُوح یہی ہے۔ اس لیے نبی کریم ﷺ کے اشرف المخلوقات ہونے اور اللہ کے حضور آپ کے بلند مرتبہ و مقام پر کوئی زد نہیں پڑتی۔

طبرانی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب ''معجم الکبیر'' میں روایت کیا ہے کہ:

''ایک منافق اہل ایمان کو اذیت دیا کرتا تھا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: ٹھہرو! ہم اس منافق کے خلاف رسول اللہ ﷺ کی پناہ طلب کریں۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے اُن سے کہا کہ ''میری پناہ نہیں مانگنا چاہیے بلکہ اللہ کی پناہ طلب کرنا چاہیے۔''[1]

---

[1] طبرانی کبیر کما فی "مجمع الزوائد" ۱۵۹/۱۰ "وجامع المسانید .... بقیہ اگلے صفحہ پر

صحیح مسلم میں ایک روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی روایت ہوئے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے وصال سے پانچ روز قبل فرمایا کہ:

((اِنَّ مِنْ قَبْلِکُمْ کَانُوْا یَتَّخِذُوْنَ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوْا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ فَاِنِّیْ اَنْهَاکُمْ عَنْ ذٰلِكَ.)) [1]

''تم سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں وہ قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیتے تھے، خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہیں نہ بنانا، میں تمہیں اس (کام) سے روکتا ہوں۔''

صحیح مسلم و بخاری میں ابوسعید خدری اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی ایک روایت، جس کو متعدد طرق سے روایت کیا گیا ہے، کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

((لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِیْ هٰذَا وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی.)) [2]

''تین مساجد کے سوا کسی مسجد کے لیے سفر نہ کر، میری یہ مسجد (نبوی)، مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ۔''

امام مالک رحمہ اللہ سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کرنے کی نذر مانتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر ''نیت صرف آپ ﷺ کی قبر اطہر کی زیارت ہو تو اسے زیارت نہیں کرنا چاہئے۔ البتہ اگر نیت مسجد نبوی ﷺ کی زیارت کی ہو تو اسے زیارت روضۂ اقدس کے لیے بھی جانا چاہیے۔'' اس کے بعد مذکورہ بالا حدیث سنائی جسے قاضی اسماعیل رحمہ اللہ نے اپنی مبسوط میں بیان کیا ہے۔

بقیہ حصہ...... والسنن " لابن کثیر ١٤٠/٧ (٤٩٠٤)، مسند احمد ٣١٧/٥۔ اس کی سند میں ''عبداللہ بن لهيعه'' مختلط راوی ہے۔ اور مسند احمد کی روایت میں ابن لھیعہ کے علاوہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے بیان کرنے والا راوی نامعلوم ہے۔

[1] صحيح مسلم كتاب المساجد، باب النهى عن بناء المسجد على القبور (٥٣٢).

[2] صحيح البخارى، كتاب فضل الصلاة فى مسجد مكة المكرمة: ١١٨٩۔ صحيح مسلم، كتاب الحج، باب فضل المساجد الثلاثة: ١٣٩٧.

بحق مخلوق قسم کھانا

اگر کوئی شخص کسی مخلوق کے حوالہ سے قسم کھاتا ہے تو اُس کی قسم نافذ العمل نہیں ہوگی۔ اس معاملہ میں ملائکہ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کا حق ہے جس میں کوئی نبی یا غیر نبی اس کا شریک و سہیم نہیں ہے۔ انبیاء کرام علیہ السلام کا حق اور بعض مومنوں کا بعض مومنوں پر حق اپنی جگہ مسلّم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور کسی کو اس میں اُس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے، جیسا کہ حدیثِ معاذ رضی اللہ عنہ میں ذکر گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پرستش کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ دین (عبادت) کو اس کے لیے خالص کیا جائے، اس پر توکل کیا جائے، اس کی طرف رغبت رکھی جائے اور اس کی محبت وخشیت اور دُعا و استعانت میں اس کا کوئی ہمسر نہ بنایا جائے۔ جیسا کہ صحیحین میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

((مَنْ مَّاتَ وَهُوَ يَدْعُوْا نِدًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ دَخَلَ النَّارَ .)) [1]

''جو شخص اس حالت میں مرجائے کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور کو پکار رہا ہو وہ آگ میں داخل ہوگا۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ''کون سا گناہ سب سے بُرا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

((اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ .)) [2]

''یہ کہ تو اللہ کا ہمسر ٹھہرائے حالانکہ اُس نے تجھے پیدا کیا ہے۔''

بعض لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ:

---

[1] صحیح البخاری کتاب الایمان والنذور، باب اذا قال: واللّٰہ لا اتکلم الیوم ...... (٦٦٨٣).

[2] صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ تعالی: " لا تجعلو للّٰہ انداداً وانتم تعلمون (٤٤٧٧).
صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب کون الشرك اقبح الذنوب (٨٦).

((مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ.))

''جو کچھ اللہ چاہے اور آپ چاہیں۔''

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

((اَجَعَلْتَنِیْ لِلّٰهِ نِدًّا بَلْ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ.)) [1]

''کیا تو مجھے اللہ کا مدمقابل بناتا ہے بلکہ کہو جو کچھ اللہ وحدہٗ چاہے۔''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ط ﴾ (النساء: ٤٨)

''اللہ اس بات کو معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے اور اس کے علاوہ جس کے لیے چاہے سب (گناہ) معاف کردے۔''

نیز فرمایا:

﴿ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ٥ ﴾ (البقرۃ: ٢٢)

''اور جانتے بوجھتے اللہ کے مدمقابل نہ بن جاؤ۔''

﴿ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَیْنِ اثْنَیْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ ٥ ﴾

(النحل: ٥١)

''دو معبود نہ بناؤ، بیشک وہ معبودِ واحد ہے پس مجھ سے ہی ڈرو۔ صرف میری ہی عبادت کرو۔''

﴿ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ٥ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ ٥ ﴾ (الانشراح: ٨،٧)

''جب تو فارغ ہوجائے تو زیادہ محنت کر اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت رکھ۔''

اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ جس کا دوسرا نام امّ القرآن بھی ہے میں فرمایا کہ:

---

[1] انظر الحدیث (١٤٠).

﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴾ (الفاتحہ : ٤)

''اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں (اور کرتے رہیں گے) اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں (اور مانگتے رہیں گے)۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾ (البقرۃ : ١٦٥)

''بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے سوا معبود بناتے ہیں، اُن سے اس طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ سے محبت کا حق ہے اور جو ایمان لائے ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔''

﴿ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ ﴾ (المائدہ : ٤٤)

''پس لوگوں سے نہ ڈرو اور صرف مجھ سے ڈرو۔''

﴿ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ﴾ (الاحزاب : ٣٩)

''جو لوگ اللہ کے احکامات پہنچاتے اور اُس سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے تھے۔''

اسی لیے جب مشرکین حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو ڈراتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰنِ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْئًا وَّسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَالَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ

لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾ (الانعام: ۸۰،۸۲)

''اور اُن کی قوم اُن سے بحث کرنے لگی تو انہوں نے فرمایا کہ: کیا تم مجھ سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بحث کرتے ہو؟ حالانکہ اُس نے تو مجھے سیدھا راستہ دکھایا ہے اور جن چیزوں کو تم اُس کا شریک بناتے ہو، میں اُن سے نہیں ڈرتا ہوں ہاں جو میرا پروردگار کچھ چاہے۔ میرا پروردگار ہر چیز پر اپنے علم سے احاطہ کیے ہوئے ہے کیا تم خیال نہیں کرتے؟ بھلا میں اُن چیزوں سے جن کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہو کیونکر ڈروں جبکہ تم اس سے نہیں ڈرتے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بناتے ہو جس کی اُس نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ اب فریقین میں سے کونسا فریق امن کا مستحق ہے؟ اگر سمجھ رکھتے ہو (تو بتاؤ!) جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا اُن کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔''

شرک ظلمِ عظیم

جب یہ آیات نازل ہوئیں تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بہت گھبرائے اور بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے نفس پر کوئی ظلم نہ کیا ہو؟ آپ نے اُن سے فرمایا کہ یہ ظلم تو شرک ہے جیسا کہ ایک صالح بندے نے اپنے بیٹے کو وصیت فرمائی تھی کہ:

﴿ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ (لقمان: ۱۳)

''(اے بیٹے!) اللہ سے شرک نہ کرنا بے شک شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔''[1]

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

---

[1] صحیح البخاری، کتاب التفسیر، سورۂ لقمان: ٤٧٧٦۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب صدق الایمان و اخلاصه: ١٢٤۔

الْفَائِزُوْنَ ۝﴾ (النور: ٥٢)

''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے گا اور اُس سے ڈرے گا اور بچے گا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔''

پس اطاعت اللہ اور اس کے رسول ﷺ دونوں کی واجب ہے کیونکہ جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اُس نے گویا اللہ کی اطاعت کی۔ لیکن خشیت وتقویٰ کو صرف اللہ ہی کے لیے مخصوص کیا گیا ہے، لہٰذا صرف اللہ کی ذات ہی سے ڈرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۝﴾

(المائدہ: ٤٤)

''پس لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو! اور میری آیات کو تھوڑی سی قیمت کے عوض نہ بیچ ڈالو۔''

﴿ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (ال عمران: ١٧٥)

''اگر تم ایمان رکھتے ہو تو لوگوں سے نہ ڈرو اور صرف مجھ سے ڈرو۔''

﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝﴾ (التوبہ: ٥٩)

''اور اگر وہ اس پر خوش رہتے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اُن کو دیا تھا اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور اللہ اپنے فضل سے اور اُس کا پیغمبر ﷺ (اپنی مہربانی سے) ہمیں جلد ہی دے دیں گے اور ہم صرف اللہ کی طرف رغبت رکھتے ہیں (تو ان کے حق میں اچھا ہوتا۔)''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ''اللہ اور رسول'' کی عطاء کو آیت کے شروع میں اور آخر میں دونوں جگہ بیان فرمایا ہے، مثلاً ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ

اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ﴾ (الحشر: ۷)

''جو کچھ اللہ کا رسول ﷺ تمہیں دے اُس کو لے لو اور جس چیز سے وہ تمہیں روکے اُس سے رُک جاؤ۔''

نبی آخر الزمان ﷺ کے تمام فضائل کے باوصف اللہ تعالیٰ نے فضل، رغبت اور کفایت کو اپنے لیے مختص کر لیا ہے۔ ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے آیت قرآنی ﴿ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ط ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ''یہ الفاظ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت ادا کیے جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا اور جب کفارِ مکہ وغیرہ نے اہلِ ایمان سے کہا کہ:

﴿ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ ﴾ (آل عمران: ۱۷۳)

''بے شک تمام لوگ تمہارے خلاف جمع ہو گئے ہیں، لہٰذا ان سے ڈرو، تو اُن کا ایمان اور زیادہ بڑھ گیا اور انہوں نے کہا کہ ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔''[1]

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

(الانفال: ٦٤)

''اے نبی ﷺ! اللہ تمہارے اور ایمان لانے والوں میں سے جس نے تیری اتباع کی، سب کے لیے کافی ہے۔

حرام وحلال

حلال وہ ہے جسے اللہ اور اُس کا رسول ﷺ حلال قرار دیں اور حرام وہ ہے جسے اللہ

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قول اللّٰه تعالیٰ: "الذین قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لكم" (٤٥٦٣، ٤٥٦٤).

تعالیٰ اور اُس کا رسول ﷺ حرام ٹھہرائیں، اسی طرح دین وہی مقبول ہے جسے اللہ اور اُس کا رسول ﷺ مقرر فرمائیں۔ پس ہمارے اوپر واجب ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کے ساتھ محبت کریں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری کریں اور اُن کی رضا پر راضی رہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

﴿ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (التوبہ: ٦٢)

''اللہ اور اُس کا رسول زیادہ مستحق ہیں کہ اس سے خوش ہوا جائے اگر تم ایمان والے ہو۔''

﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ط ﴾ (النساء: ٥٩)

''اطاعت کرو اللہ اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی۔''

﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ط ﴾ (النساء: ٨٠)

''جس نے رسولِ اللہ ﷺ اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط ﴾ (التوبة: ٢٤)

''کہیے اگر تمہارے باپ اور بیٹے، بھائی بند اور بیویاں، رشتہ دار اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے خسارہ سے تم ڈرتے ہو اور وہ مکانات جو تم پسند کرتے ہو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ اور اُس کے راستہ میں جہاد سے زیادہ تمہیں محبوب ہیں تو صبر کرو یہاں تک اللہ اپنا حکم (فیصلہ) بھیج دے۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

((ثَلَاثَةٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ: مَنْ كَانَ اللّٰهُ

وَرَسُوْلُهُ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّنْ سِوَاهُمَا وَمَنْ كَانَ يُحِبُّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ اِلَّا لِلّٰهِ وَمَنْ كَانَ يَكْرَهُ اَنْ يَّرْجِعَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ.)) [1]

''تین باتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ موجود ہوں وہ اُن کی وجہ سے ایمان کی حلاوت پالے گا۔ (۱) وہ شخص جو اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ دوسرے تمام لوگوں کی نسبت زیادہ محبت رکھتا ہو۔ (۲) وہ شخص جو کسی آدمی کے لیے صرف اللہ کی خاطر محبت کرتا ہو۔ (۳) اور وہ شخص جو (حالتِ) کفر میں واپس جانے کو ناپسند کرتا ہو جبکہ اللہ نے اسے اس سے بچالیا ہو جس طرح وہ ناپسند کرتا ہے کہ اسے آگ میں ڈال دیا جائے۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا ٥ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ٥ ﴾ (الفتح:۸،۹)

''بے شک ہم نے تجھے شاہد (گواہ) خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا تا کہ تم اللہ اور اُس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ اور اُس کی مدد کرو اور اس کی عزت کرو اور صبح و شام اُس (اللہ) کی تسبیح بیان کرو۔''

مذکورہ بالا آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ پر ایمان لایا جائے، اس کے رسول ﷺ کی نصرت و مدد اور عزت و توقیر کی جائے لیکن صبح و شام تسبیح صرف اللہ وحدہٗ کی بیان کی جائے کیونکہ تسبیح عبادت ہی کے زمرہ میں آتی ہے۔

عبادت صرف اللہ کے لیے

عبادت صرف اللہ کے لیے مخصوص ہے لہٰذا صرف اللہ ہی کے لیے نماز پڑھی جائے،

[1] صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب من کرہ ان یعود فی الکفر...... (۲۱)، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان خصال من اتصف بهن وجد حلاوة الایمان (۴۳).

اسی کے لیے روزہ رکھا جائے اور صرف بیت اللہ شریف کا حج کیا جائے، نیز تین مساجد (جن کا ذکر گزر چکا ہے) کے علاوہ کسی مسجد کے لیے رخت سفر نہ باندھا جائے کیونکہ ان تین مساجد کو انبیاء کرام علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کے اِذن سے تعمیر کیا تھا اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کسی کے لیے نذر مانی جائے نہ کسی کی قسم کھائی جائے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مشکل کشائی کے لیے دُعاء کی جائے اور اسی سے مدد طلب کی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے جس قدر حیوانات، نباتات، بارش، بادل اور دیگر مخلوقات پیدا فرمائی ہیں، اُن کی تخلیق میں اُس نے کسی بندے کو واسطہ نہیں بنایا جیسا کہ اُس نے تبلیغِ دین کے لیے انبیاء و رسل علیہم السلام کو واسطہ بنایا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے اُسے پیدا کرتا ہے اور اس کی تخلیق کے لیے جونسے اسباب وہ پسند کرتا ہے استعمال کرتا ہے۔ اُس کی مخلوقات میں سے کوئی شے بھی ایسی نہیں جو کسی دُوسری شے کی تخلیق کا موجب ہو۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کے معرضِ وجود میں آنے کے لیے اسباب کا دستیاب ہونا اور بعض رکاوٹوں کو دور کرنا بہت ضروری ہے۔ لیکن اس بات پر صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کو قدرت حاصل ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا ارادہ فرمایا وہ معرضِ وجود میں آ گئی اور جس چیز کا ارادہ نہیں فرمایا وہ پردۂ کتم ہی میں رہی، اس کے برعکس رسالت کا معاملہ ہے کیونکہ رسول ﷺ ہی ایک واحد واسطہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بندوں تک پہنچاتا ہے۔

لیکن جہاں تک بندوں میں قبولِ ہدایت کی صلاحیت پیدا کرنے کا تعلق ہے وہ کسی رسول کے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾

(القصص: ٥٦)

”جسے تو چاہے اُسے ہدایت عطاء نہیں کر سکتا بلکہ اللہ ہی جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔“

نیز فرمایا کہ:

﴿ اِنۡ تَحۡرِصۡ عَلٰی هُدٰهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِیۡ مَنۡ يُّضِلُّ ﴾ (النحل: ۳۷)

''اگر تو اُن کی ہدایت کا حریص بھی ہوگا تو اللہ جسے گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔''

اسی طرح انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعاء واستغفار اور شفاعت بھی اس وقت مفید ہوگی جب وہ کسی مستحق فرد کے لیے کی جائے گی اگر فخرِ موجودات، سرورِ کائنات حضرت محمد ﷺ بھی کفار اور منافقین کے لیے دُعائے مغفرت فرمائیں گے تو اُن کفار وغیرہ کو معاف نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿ سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ اَسۡتَغۡفَرۡتَ لَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ لَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ؕ ﴾ (المنافقون: ٦)

''(اے نبی ﷺ!) اگر آپ اُن کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں، سب برابر ہے۔ اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔''

رسول ﷺ اور تبلیغ

یہ واضح کیا جاچکا ہے کہ پیغمبر اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان ایک واسطہ ہیں جو بندوں تک اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی، وعدہ اور وعید کی خبر پہنچاتے ہیں۔ اس لیے ہم پر واجب ہے کہ ہم پیغمبروں کی تصدیق کریں، جن چیزوں کی انہوں نے خبر دی ہے اُن کو برحق تسلیم کریں۔ انہوں نے جن باتوں کو فرض اور واجب قرار دیا ہے اُن میں ان کی اطاعت کریں۔ صرف یہی بات کافی نہیں بلکہ ہم پر یہ بھی فرض ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی تصدیق کریں اور ان میں سرِ موفرق نہ رکھیں جو شخص اُن میں سے کسی نبی کو بھی سب وشتم کرتا ہے وہ کافر مرتد ہے اور اس کا قتل جائز ومباح ہے۔

اللہ اور انبیاء کرام کا استحقاق

جب ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ توحید صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کا حق ہے تو ہم نے یہ بھی

واضح کیا ہے کہ جو خاص حقوق، اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں انبیاء کرام علیہم السلام اور دیگر مخلوقات اُن کا استحقاق نہیں رکھتے اس لیے اُن کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ٹھہرانا چاہیے۔ اُن پر نہ توکل کرنا درست ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی طرح اُن سے فریاد اور مدد طلب کرنا ہی جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کو نہ اُن کی قسم دلائی جائے اور نہ اُن کی ذاتِ اقدس کو وسیلہ بنایا جائے کیونکہ اصل وسیلہ تو اُن پر ایمان لانا، اُن سے محبت کرنا، اُن کی اطاعت بجالانا اُن سے رفاقت و دوستی رکھنا، اُن کی عزت وتوقیر کرنا، اُن کے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھنا، اُن کے احکامات کو بجالانا، اُن کی دی ہوئی چیزوں کو برحق ماننا اور اُن کی حلال و حرام ٹھہرائی ہوئی چیزوں کو حلال و حرام سمجھنا ہے۔

اس نوع کے توسل کی دو صورتیں ہیں۔ اولاً: ان اعمال کو دُعاء کی قبولیت اور حاجت روائی کے لیے وسیلہ بنایا جائے۔ مثلاً حدیث میں آتا ہے کہ ''تین آدمی کسی غار میں گھر گئے اور انہوں نے اس موقع پر اپنے نیک اعمال ہی کو وسیلہ بنایا تھا تاکہ اُن کی دعا قبول ہو اور اُن کی مصیبت رفع ہوجائے۔ اس حدیث کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ ثانیاً: ان اعمال کو جنت، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور ثواب کے حصول کا وسیلہ بنایا جائے۔ رسولِ خدا ﷺ نے جن اعمال صالحہ کا حکم دیا ہے وہی دنیا و آخرت کی بھلائیوں کو سمیٹنے کا وسیلہ ہیں۔ مثلاً اہلِ ایمان نے کہا ہے کہ:

﴿ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ ﴾

(آل عمران : ۱۹۳)

''اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو پکار رہا تھا ایمان کے لیے کہ ''اپنے رب پر ایمان لاؤ۔'' پس ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ معاف فرمادے، برائیوں کو ہم سے دُور کردے اور نیکیوں کے ساتھ ہمیں موت دے۔''

اس سے ظاہر ہوا کہ اہلِ ایمان نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے سے پہلے اپنے ایمان کا ذکر کیا ہے اور اسے قبولِ دُعا کے لیے وسیلہ بنایا ہے۔ اس کی دوسری مثال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے بارے میں قرآنِ مجید میں ذکر فرمایا ہے:

﴿ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴾ (مومنون: ۱۰۹)

''میرے بندوں میں سے ایک گروہ تھا جو کہا کرتا تھا اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے ہیں پس ہمیں معاف فرما اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے اچھا رحم کرنے والا ہے۔''

آنحضرت ﷺ کی دعا و شفاعت کا وسیلہ

اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی دعا اور شفاعت کو وسیلہ بنانے کی بھی دو صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ آنحضرت ﷺ سے دعا اور شفاعت کی درخواست کی جائے اور آپ دُعا اور شفاعت کریں جیسا کہ آپ ﷺ کی حیات میں آپ سے دُعا وغیرہ کی درخواست کی جاتی تھی جیسا کہ قیامت کے دن آپ ﷺ سے شفاعت کی درخواست کی جائے گی۔ اُس روز لوگ حضرت آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے پھر وہ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے پاس آئیں گے، اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے شفاعت کی درخواست کریں گے۔ جب وہ سب معذرت پیش کر دیں گے تو سب سے آخر میں لوگ سیّدنا محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور آپ سے شفاعت کی التجا کریں گے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دُعا و شفاعت کے ذریعہ توسل کیا جائے بالفاظِ دیگر آپ ﷺ کی دعا و شفاعت کا واسطہ دے کر اللہ سے سوال کیا جائے، جیسا کہ ''حدیث اعمیٰ'' جس کا بیان و ذکر گزر چکا ہے، [1] میں ہے کہ ایک نابینا شخص نے آپ سے دعا و شفاعت کی درخواست کی تو آنحضرت ﷺ نے اس کے لیے دعا اور شفاعت کی اور اُسے یہ دعا مانگنے کی تلقین فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَسْأَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِهٖ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ.))

''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور اس (نبی ﷺ) کے واسطہ سے تیری طرف رجوع کرتا ہوں اے اللہ! ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔''

[1] اس کی مفصل تخریج حدیث نمبر: ۱۲۰، ۱۲۳ پر گزر چکی ہے۔ والحمدللہ۔ [الھلالی]

پھر اسے حکم دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے میری شفاعت کی قبولیت کی دعا کرے۔ اس کے برعکس وسیلہ کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کی دعا اور شفاعت کا وسیلہ تلاش کرے جب کہ انہوں نے اُس کے لیے نہ دُعا کی ہو نہ شفاعت۔ یہ توسل کہیں نہیں ملتا۔ نبی اکرم ﷺ کی دعا اور شفاعت کو وسیلہ بنانا اسی شخص کے لیے روا ہے جس کے لیے آپ ﷺ نے دُعا کی ہو اور جس کے حق میں آپ نے شفاعت فرمائی ہو۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بارش کے لیے دُعا اس ضمن میں آتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر مسلمان حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دُعا کو وسیلہ بناتے تھے اور اُن کی دعا کے واسطہ سے ہی اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے تھے۔ تمام لوگوں نے حضرتِ عباس رضی اللہ عنہ سے شفاعت کی درخواست کی تھی اور خود بھی دعا کی تھی۔ پس نبی اکرم ﷺ کی اطاعت اور آپ کی شفاعت کو وسیلہ بنانے کے لیے ضروری ہے کہ خود وسیلہ کا خواستگار بھی اللہ سے دُعا کرے اور اُس سے سوال کرے۔ اس کے بغیر وسیلہ کوئی مفہوم نہیں رکھتا۔ اس طرح وسیلہ کی چار قسمیں ہیں، ان میں سے کسی ایک قسم میں بھی اہل علم و ایمان کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔

دین اسلام کی دو بنیادیں

دین اسلام دو اساسات پر قائم ہے اس بات کی شہادت کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ پہلا بنیادی اصول جس پر اسلام مبنی ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو شریک نہ کیا جائے۔ مخلوق سے ویسی محبت نہ کی جائے جیسی محبت اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

کسی سے اللہ کے سوا امید نہ رکھی جائے اور جس طرح اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے کسی سے نہ ڈرا جائے۔ ان باتوں میں جو شخص خالق اور مخلوق کو برابر ٹھہراتا ہے وہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا مد مقابل ٹھہراتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو معبود بناتا ہے خواہ وہ یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس وحدہٗ لاشریک ہے اور وہ زمین و آسمان کی خالق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب کے مشرکین اس حقیقت کا اقرار کرتے تھے کہ خدائے یکتا

ہی تمام آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ط ﴾

(الزمر: ٣٨)

''(اے نبی ﷺ!) اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے (ان کو پیدا فرمایا ہے۔)''

اس اقرار و اعتراف کے باوجود وہ لوگ مشرک تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبود بھی بناتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ط قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ط ﴾

(الانعام: ١٩)

''کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہیں (اے نبی ﷺ!) آپ فرما دیں کہ میں تو گواہی نہیں دیتا۔''

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط ﴾ (البقرة: ١٥٦)

''کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا اور معبود بناتے ہیں۔ ان سے اس طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ سے محبت کرنا چاہیے۔ اور جو مومن ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔

یہ لوگ محض اس لیے مشرک قرار پائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دُوسری چیزوں سے ایسی محبت کرتے تھے جیسی اللہ سے کرنی چاہیے اور وہ کہتے تھے کہ ہمارے معبود بھی عملِ تخلیق میں مصروف ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات تخلیق فرما رہی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ ط فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ط ﴾

(الرّعد: ١٦)

''کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہرا لیے ہیں جو اُس کی خلق کی طرح خلق کرتے ہیں۔ خلق ان پر متشابہ ہوگئی ہے۔''

یہ استفہام، استفہام انکاری ہے جو کسی بات کی نفی پر دلالت کرتا ہے لہٰذا مذکورہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن ہستیوں کو وہ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرح تخلیق نہیں کرتیں وہ اس حقیقت کا برملا اقرار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اپنے ان معبودوں کو صرف سفارشی اور وسیلہ بناتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

﴿ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾ (یونس: ۱۸)

''اور یہ (مشرک) اللہ کے سوا اُن معبودوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ اُن کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں (اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ ''کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جسے وہ آسمانوں اور نہ زمین میں جانتا ہے وہ اُن کے شرک سے پاک اور بہت بلند ہے۔''

صاحب یٰسین ﷺ بزبانِ قرآنِ حکیم ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ۝ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ۝ ﴾

(یٰسٓ: ۲۲۔۲۵)

''اور مجھے کیا ہے کہ میں اس کی پرستش نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے، کیا میں اللہ کو چھوڑ کر اوروں کو معبود بناؤں؟ اگر اللہ میرے حق میں نقصان کرنا چاہے تو اُن کی سفارش مجھے کچھ بھی فائدہ نہ دے سکے اور نہ وہ مجھے چھڑا ہی سکیں تب تو میں صریح گمراہی میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ میں تمہارے پروردگار پر ایمان لایا ہوں پس میری بات کو غور سے سنو۔''

دینِ اسلام کی دوسری اساس یہ ہے کہ ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت رسول اللہ ﷺ

بتائے ہوئے طریقہ (سنت) کے مطابق بجالائیں۔ صرف اسی طریقہ سے اس کی عبادت
یں جو شریعت میں واجب یا مستحب ہو۔ جس عمل کا مقصود اللہ کی اطاعت ہو وہ مباح ہے
یہ مباح فعل بھی مستحب میں شامل ہے، دعا بھی منجملہ عبادات کے ایک عبادت ہے لہٰذا جو
ں مخلوق سے دُعا کرتا ہے خواہ وہ مخلوق مردہ ہو یا غیر حاضر اور اُس سے امداد طلب کرتا ہے
ین میں ایک بدعت پر عمل کرتا ہے، رب العالمین سے شرک کرتا ہے اور ایک ایسی
ت کا مرتکب ہے جس کے حق میں اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی ہے۔ کیونکہ
کام کا حکم نہ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور نہ اُس کے رسولِ مقبول ﷺ نے۔ اگر کوئی شخص
سے اختلاف رائے رکھتا ہے تو اُس کی مذمت کرنے والا اور اس کی ایذا رسانی میں
ماں شخص ظالم، جاہل اور سرکش ہے۔ اگر وہ ان باتوں کا کسی کو حکم دیتا ہے تو وہ ایک ایسے
کا حکم دیتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمایا ہے۔ اس کا حکم اجماعِ امت کے
ق غیر مؤثر ہے۔ اُس کے حکم کی تعمیل اور اس کی استعانت کے بجائے اس سے توبہ کا
بہ کیا جائے گا اور اس سے اس بات پر سزا دی جائے گی۔ ان تمام امور میں اجماعِ امت
ور ائمہ اربعہ اور دیگر علماء میں سے کسی کا بھی ان میں اختلاف منقول نہیں ہے۔

ان امور پر شرح و بسط سے کلام ہم اپنی ضخیم کتابوں میں کر چکے ہیں ان میں سے ایک
ب ان قواعد سے متعلق ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ حاکم کے لیے کن کاموں کا حکم دینا
ہے اور کن مسائل میں جائز نہیں ہے۔ اس باب میں اس سے بہتر کتاب کوئی نہیں ہے۔
کا تفصیلی ذکر یہاں پر ممکن نہیں کیونکہ اس مقام پر ہم صرف قواعد توحید اور اس کے
ات تک اپنی بات کو محدود رکھنا چاہتے ہیں۔

چوتھا باب

انبیاء وصلحاء کا وسیلہ؟

۱۱۷۰ھ کی بات ہے۔ میں مصر میں تھا۔ مجھ سے نبیٔ اکرم ﷺ کا وسیلہ تلاش کرنے کے بارے میں فتویٰ پوچھا گیا۔ میں نے اس کا مبسوط جواب دیا، جس کو میں یہاں پر بیان کرنا چاہتا ہوں کیونکہ اس میں مزید فوائد ہیں۔ یہ فتویٰ توحید کے بیان، شرک کی بیخ کنی اور غلو کی مذمت کے متعلق ہے۔ ان مسائل کو مختلف پیرایوں میں جس قدر بیان کریں گے اور فتویٰ کی عبارات کی جس قدر وضاحت کریں گے اتنا ہی زیادہ اس سے فائدہ حاصل ہوگا۔

سوال:...... علمائے کرام اور ائمہ دین سے سوال ہے کہ وہ واضح فرمائیں کہ انبیاء وصحابہ کو وسیلہ بنانا کس حد تک جائز ہے اور کس حد تک ناجائز؟

جواب:...... الحمد للہ رب العالمین! تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ قیامت کے دن جب لوگ نبی اکرم ﷺ سے شفاعت کی درخواست کریں گے تو آپ اُن کی شفاعت فرمائیں گے۔ حضور ﷺ اس وقت شفاعت فرمائیں گے جب اللہ عزوجل سے آپ کو شفاعت کی اجازت مل جائے گی۔ پھر اہل سنت والجماعت اس عقیدہ پر بھی متفق ہیں جس پر تمام اصحاب نبی ﷺ متفق ہیں اور جو احادیث وسنن سے ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنی امت کے ان لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے۔ جو کبائر کے مرتکب ہوں گے۔ نیز آپ عام مخلوق کے لیے بھی شفاعت کریں گے۔ آپ کو کئی قسم کی شفاعت کا حق ہوگا جو صرف آپ کے لیے مختص ہے اور کوئی ان میں آپ کا شریک نہیں ہے۔ شفاعت کی کچھ قسمیں ایسی ہیں جو انبیاء وصلحاء کے علاوہ بھی کچھ لوگ کریں گے۔ لیکن ان میں بھی آپ کی شفاعت سب سے افضل ہے کیونکہ آپ تمام مخلوقات سے افضل اور اپنے رب کی بارگاہ میں سب سے زیادہ صاحب

شرف وکرامت ہیں۔ آپ کے فضائل اس قدر بے شمار ہیں کہ ان کے تفصیلی بیان کی یہاں پر گنجائش نہیں ہے۔ ان فضائل میں سے ایک ''مقامِ محمود'' ہے جس پر اول وآخر سب لوگ رشک کرتے ہیں۔ شفاعت کے متعلق کثیر متواتر احادیث ملتی ہیں۔ ان میں متواتر احادیث بخاری ومسلم میں بھی روایت ہوئی ہیں۔ سنن اور مسانید میں تو اُن کا کوئی شمار ہی نہیں ہے۔

فرقہ وعیدیہ کا عقیدہ

لیکن فرقہ وعیدیہ جو خوارج اور معتزلہ ہی کی ایک شاخ ہے کا عقیدہ ہے کہ شفاعت مومنوں کے لیے صرف مخصوص حالات میں ہی ہوگی۔ بعض فرقے تو سرے سے شفاعت کا انکار ہی کر دیتے ہیں۔

اس امر پر اجماع امت ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین صرف حضور ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں آپ کی موجودگی میں ہی آپ سے شفاعت کی درخواست کرتے اور آپ کو وسیلہ بناتے تھے مثلاً صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ:

''جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، عباس بن عبدالمطلب کو دعائے استغفار میں وسیلہ بناتے اور یہ دُعا مانگتے: اے اللہ! جب بھی ہم خشک سالی میں مبتلا ہوتے تو ہم تیرے حضور اپنے نبی ﷺ کو وسیلہ بنا کر بارش کی دُعا مانگتے اور تو بارش نازل فرما دیتا اور اب ہم اپنے نبی ﷺ کے چچا (عباس) کو وسیلہ بناتے ہیں پس ہم پر بارش نازل فرما'' چنانچہ بارش نازل کر دی جاتی۔'' [1]

بخاری ہی میں روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جب نبی اکرم ﷺ بارش کے لیے دعا مانگتے تو میں اُن کے رُخِ انور پر نظریں جمائے اکثر شاعر کا یہ شعر دل میں پڑھا کرتا تھا: ؎

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الاستسقاء، باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا (۱۰۱۰).
کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب ذکر العباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ۳۷۱۰.

وَاَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ!

"یعنی آپ ﷺ گورے رنگ والے ہیں جن کے چہرہ کے وسیلہ سے بادلوں سے بارش مانگی جاتی ہے وہ یتیموں کا سہارا اور بیواؤں کا نگہبان ہیں۔" [1]

نبی اکرم ﷺ سے توسل کا مفہوم

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے ذریعہ جس وسیلہ کا ذکر کیا ہے اس کا بیان شرح وبسط سے دعائے استسقاء کی تمام احادیث میں آیا ہے اس وسیلہ سے مراد آپ سے سفارش کی درخواست کرنا ہے اور استشفاع سے عبارت ہے آپ ﷺ سے دُعا اور شفاعت کی درخواست کرنا، اس میں دراصل اللہ تعالیٰ سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ ہمارے حق میں آنحضرت ﷺ کی دعاء اور سفارش کو قبول فرمالے۔ ہم حضور ﷺ کو اپنے لیے سفارشی اور سوالی بناتے ہیں۔

یزید بن اسود سے توسل

اسی طرح جب شام کے لوگ خشک سالی اور قحط کا شکار ہو جاتے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یزید بن اسود الجرشی کو بارش کی دعا میں وسیلہ بناتے اور یہ دُعا مانگا کرتے:

((اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَشْفَعُ اَوْ نَتَوَسَّلُ بِخِيَارِنَا! يَا يَزِيْدُ! اِرْفَعْ يَدَيْهِ.)) [2]

" اے اللہ! ہم اپنے میں سے سب سے بہترین شخص کو وسیلہ بناتے ہیں۔ (راوی کہتا ہے کہ یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یوں کہتے کہ) ہم وسیلہ بناتے ہیں اے یزید اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائیے۔"

چنانچہ انہوں نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگی اور اُن کے ساتھ شام کے لوگوں نے بھی دُعا مانگی یہاں تک کہ بارش نازل ہوئی اور لوگ سیراب ہوگئے۔ اس بناء پر علماء کا قول ہے کہ:

((يُسْتَحِبُّ اَنْ يُّسْتَسْقَى بِاَهْلِ الدِّيْنِ وَالصَّلَاحِ وَاِذَا كَانُوْا مِنْ

---

[1] صحيح البخاری، ايضًا (۱۰۰۸، ۱۰۰۹)۔ [2] المعرفة والتاريخ ۳۸۰/۲، ۳۸ طبقات ابن سعد: ۴۴۴/۷۔

اَهْلِ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَهُوَ اَحْسَنُ.))

''مستحب یہ ہے کہ اہل دین وصلاح کے واسطہ سے بارش کی دُعا کی جائے اور رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت سے کوئی حیات ہو تو اُن کے وسیلہ سے دُعا کرنا بہترین دُعا ہے۔''

حضور ﷺ سے طلبِ شفاعت اُن کے وسیلہ سے طلبِ مراد دراصل آپ ﷺ کی دعا کو وسیلہ بنانا ہے کیونکہ آپ کو جو شخص وسیلہ ٹھہراتا تھا یا آپ سے شفاعت طلب کرتا تھا، آپ اُس کے لیے دُعا فرمایا کرتے تھے اور دُوسرے لوگ بھی آپ کے ساتھ دُعا کیا کرتے تھے۔ مثلاً جب عہدِ نبوی میں مسلمان خشک سالی کا شکار ہوئے تو ایک بدو آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

''یا رسول اللہ ﷺ! اموال برباد اور راستے منقطع ہو گئے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ وہ ہمیں (اس مصیبت) سے بچائیں۔''

چنانچہ حضور ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور کہا: ''اے اللہ! ہمیں بچا۔'' آسمان پر بادل کا نام ونشان نہ تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سمندر کی طرف سے بادل اُٹھے اور ہفتہ بھر برستے رہے اور لوگوں نے اس دوران سورج کی شکل تک نہ دیکھی۔ وہی بدو پھر حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا:

''یا رسول اللہ ﷺ! راستے مسدود اور مکان زمین بوس ہو گئے ہیں لہٰذا اللہ سے دُعا فرمائیں کہ وہ یہ مصیبت دور فرما دے۔''

حضور ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور دعا فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا اَللّٰهُمَّ عَلَى الْاٰكَامِ وَالظِّرَابِ وَمَنَابَةِ الشَّجَرِ وَبُطُوْنِ الْاَوْدِيَةِ.)) [1]

---

[1] صحيح البخاری، كتاب الاستفسقاء، باب الاستسقاء فی خطبه جمعة المبارك غير مستقبل الثبلة: ۱۵۱۵۔ صحيح مسلم كتاب الصلاة الاستسقاء، باب الدعا فی الاستسقاء: ۸۹۷۔

''اے اللہ! ہم پر نہیں بلکہ ہمارے اردگرد جھاڑیوں، جنگلوں اور وادیوں پر بارش نازل فرما۔''

آپ کی دُعا کی دیر تھی کہ سرزمینِ مدینہ اس طرح خشک ہوگئی جیسے کپڑا خشک ہو جاتا ہے۔ بخاری و مسلم اور دیگر کتب سنن میں یہ مشہور حدیث موجود ہے۔ سنن ابی داؤد میں ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ ''ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا شفیع بناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو آپ کے پاس شفیع بناتے ہیں۔'' اس پر رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور پاکی بیان کرنے لگے حتی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چہرے خوف سے متغیر ہو گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

((وَيُحَكَ اَتَدْرِیْ مَا اللّٰهُ؟ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُسْتَشْفَعُ بِهٖ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِهٖ، شَأْنُ اللّٰهِ اَعْظَمُ مِنْ ذٰلِكَ.)) [1]

''تو برباد ہو، کیا تو جانتا ہے کہ اللہ کیا ہے اللہ کو کسی کے سامنے شفیع نہیں بنایا جا سکتا۔ اللہ کی شان اس سے بہت بلند و بالا ہے۔''

اس سے ثابت ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کلام میں کسی شخص سے شفاعت طلب کرنے کے معنی سے دُعا اور شفاعت کی درخواست کرنا ہے۔ اس کا مطلب کسی ذات سے سوال کرنا نہیں ہوتا۔ اگر اس سے مراد ذات سے سوال کرنا ہوتا تو اللہ کے واسطہ سے مخلوق سے سوال، مخلوق کے واسطہ سے اللہ سے سوال کرنے سے اولیٰ تھا مگر چونکہ اس کا مفہوم وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں اس لیے نبی اکرم ﷺ نے اللہ کو آپ کے پاس شفیع بنانے کی ممانعت فرما دی اور آپ کو اللہ کے ہاں شفیع بنانے سے منع نہ فرمایا، کیونکہ شفیع مشفوع الیہ سے درخواست کرتا ہے کہ اے اللہ! حاجت مند کی حاجت پوری فرما دے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کسی سے درخواست نہیں کرتا کہ اُس کے فلاں بندے کی

---

[1] سنن ابی داؤد، كتاب السنه، باب فی الجهمية: ٤٧٢٦۔ السنه لابن ابی عاصم: ٥٧٥۔ ٥٧٦۔ الشريعه للآجری: ٢٩٣۔ كتاب التوحيد لابن خزيمه: ٦٥٠٠۔ اس کی سند محمد بن اسحاق کے عنعنہ اور جبیر بن محمد کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حاجت پوری کردے۔

بعض شعراء اور اتحادیہ ❶ کی لغویات

بعض شعراء نے حضور ﷺ کے ہاں اللہ تعالیٰ کو سفارشی بنایا ہے مثلاً اُن کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

شَفِيْعِيْ اِلَيْكَ اللّٰهُ لَا رَبَّ غَيْرَهٗ وَلَيْسَ اِلٰى رَدِّ الشَّفِيْعِ السَّبِيْلُ

''یعنی آپ کے پاس میرا شفیع وہ ہے جس کے سوا کوئی رب نہیں ہے اور اس سفارشی کی سفارش رد کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔''

اسی طرح فرقہ اتحادیہ کے بعض لوگ بھی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو نبی اکرم ﷺ کے سامنے سفارشی بنایا۔ یہ ہر دو فرقے خطا کار اور گمراہ ہیں۔ اللہ کی ذات پاک ہے۔ زمین و آسمان کی ساری مخلوقات اپنی حاجات اُسی کے ہاں پیش کرتی ہیں اور اسی سے دُعا مانگتی ہیں۔ وہ بزرگ و برتر ذات ہے جو اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے اور وہ اُس کی اطاعت بجا لاتے ہیں۔ اگر کسی مخلوق کی اطاعت کو واجب قرار دیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی اطاعت فی الواقع اللہ کی اطاعت ہے۔ اللہ کے پیغمبر لوگوں تک اللہ کے احکامات پہنچاتے ہیں، اس لیے ان کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے جو شخص انبیاء و رسل کی بیعت کرتا ہے وہ دراصل اللہ جل شانہ کی بیعت کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ (النساء: ٦٤)

''اور ہم نے جو پیغمبر (بھی) بھیجا ہے اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے فرمان کے مطابق اس کا حکم مانا جائے۔''

﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ (النساء: ٨٠)

''جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

---

❶ اتحادیہ وہ گمراہ فرقہ ہے جو وحدت الوجود کا قائل ہے۔

اولو الامر خواہ اہل علم و دانش میں سے ہوں خواہ اربابِ اقتدار میں سے، ان کی اطاعت اسی وقت تک جائز ہے جب تک وہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم دیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک صحیح حدیث میں فرمایا ہے:

((عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِي عُسْرِهٖ وَيُسْرِهٖ وَانْشَطِهٖ وَتَكْرَهِهٖ مَالَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةِ اللّٰهِ، فَإِذَا أَمَرَ بِمَعْصِيَةِ اللّٰهِ فَقَدْ لَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ.)) ❶

''ایک مسلمان پر سمع و طاعت واجب ہے تنگی میں بھی اور فراخی میں بھی۔ پسندیدہ باتوں میں بھی اور ناپسندیدہ باتوں میں بھی جب تک اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے اور جب وہ اللہ کی نافرمانی کا حکم دے تو نہ سمع ہے اور نہ طاعت۔''

نیز حضور ﷺ نے فرمایا:

((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ.)) ❷

''اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔''

حضور ﷺ محض شفاعت کرنے والے ہیں

شفاعت کرنے والا محض ایک سائل ہوتا ہے۔ اُس کی شفاعت کو قبول کرنا اور اس کے مطابق عمل کرنا لازمی نہیں ہوتا خواہ شفاعت کرنے والا کتنا ہی عظیم الشان شخص کیوں نہ ہو۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

---

❶ صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب وجوب طاعة الامراء في غير معصية وتحريمها في المعصية (۱۸۳۹)، صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب السمع والطاعة للامام (۲۹۵۵).

❷ طبراني كبير: ۱۷۰/۱۸ عن عمران بن حصين رضي الله عنه شرح السنة ۴۴/۱۰ عن النواس بن سمعان رضي الله عنه. صحيح البخاري، كتاب اخبار الاحاد (۷۲۵۷)، صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب وجوب طاعة الامراء في غير معصية ...... (۱۸۴۰)، مسند احمد: ۱۳۱/۱ عن علي رضي الله عنه نحوه.

''جب تو آزاد ہو جائے تو اپنے خاوند کو نہ چھوڑنا اور اسے مضبوطی سے پکڑے رکھنا۔ نبی اکرم ﷺ نے اسے اختیار دے دیا کہ چاہے اپنے خاوند کے ساتھ رہے چاہے علیحدگی اختیار کرے چنانچہ اُس نے علیحدگی اختیار کرلی۔ اُن کے خاوند اُن سے بہت محبت کرتے تھے اور اس علیحدگی پر رونے لگے۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اپنے خاوند کو نہ چھوڑ۔ اُس نے سوال کیا کہ ((اَتَأْمُرُنِیْ)) کیا یہ آپ ﷺ کا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: ((لَا اِنَّمَا اَنَا شَافِعٌ)) نہیں! میں تو محض سفارش کر رہا ہوں۔''[1]

غور فرمایئے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے اُس خاتون سے کہا کہ اپنے خاوند کو نہ چھوڑو تو اُس نے فوراً سوال کیا کہ ''کیا یہ آپ کا حکم ہے؟'' اس کی وجہ یہ تھی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے حکم کو واجب التعمیل سمجھتے تھے۔ لیکن آپ کی سفارش پر عمل ضروری خیال نہیں کرتے تھے۔ آپ کی سفارش کو قبول کرنا وہ ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی سفارش کی عدم تعمیل پر بریرہ رضی اللہ عنہا کی کوئی ملامت نہیں فرمائی۔ جب آنحضرت ﷺ کی سفارش کو قبول کرنا لازمی نہیں تو پھر کسی مخلوق کی سفارش کو قبول کرنے کی کیا حیثیت ہے اسے تو بدرجہ اولیٰ قبول نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ جل شانہٗ کی شان اتنی اعلیٰ و ارفع ہے کہ اسے کسی مخلوق کے سامنے سفارشی نہیں بنایا جا سکتا بلکہ اُس کی ذاتِ اقدس اس قدر عظیم الشان ہے کہ کوئی مخلوق بھی اُس کے اذن کے بغیر اُس کے حضور کسی کی سفارش کے لیے زبان کھولنے کا یارا نہیں رکھتی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ○ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ○ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب شفاعة النبی ﷺ فی زوج بریرة (۵۲۸۳).

وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ○ ﴾

(انبیاء: ۲۶، ۲۹)

''اور کہتے ہیں کہ اللہ بیٹا رکھتا ہے۔ وہ پاک ہے (اس کے نہ بیٹا ہے نہ بیٹی) بلکہ (جن کو یہ لوگ اُس کے بیٹے سمجھتے ہیں) وہ اُس کے عزت والے بندے ہیں اُس کے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے اور اُس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ جو کچھ اُن کے آگے ہو چکا ہے اور جو پیچھے ہوگا وہ سب کا علم رکھتا ہے اور وہ (اس کے پاس کسی کی سفارش نہیں کر سکتے) مگر اس شخص کی جس سے اللہ خوش ہو اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو شخص اُن میں سے یہ کہے کہ اللہ کے سوا میں بھی معبود ہوں تو اسے ہم دوزخ کی سزا دیں گے اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔''

شفاعت کے مستحق لوگ

مذکورہ بالا حدیثِ رسول ﷺ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفیع بنایا جائے گا۔ بالفاظِ دیگر دُنیا و آخرت میں آپ ﷺ سے شفاعت کی درخواست کی جاتی ہے۔ جہاں تک آخرت کا تعلق ہے، مخلوق آپ ﷺ سے اس بات کی درخواست کرے گی کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادیں یعنی اُس کا حساب و کتاب ہو اور انہیں جنت میں داخل فرمایا جائے۔ نیز آنحضرت ﷺ بارگاہِ الٰہی میں اپنی امت کے گنہگاروں کے بارے میں بھی شفاعت فرمائیں گے اور بعض ایسے لوگوں کے حق میں بھی شفاعت فرمائیں گے جو اپنی بداعمالیوں کی بنا پر عذابِ جہنم کے مستحق بن چکے ہوں گے۔ آپ ﷺ بعض ایسے لوگوں کے بارے میں جو جہنم میں ڈال دیے ہوں گے شفاعت فرمائیں گے کہ اُن کو اس عذاب سے نکال دیا جائے۔

شفاعت اور اہل بدعت

جمہور علمائے امت کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ آنخضرت ﷺ ایسے لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کرتے رہے۔ اور مستحق عذاب ٹھہرے۔ لیکن اہل بدعت میں سے ایک بڑی تعداد جو خوارج، معتزلہ وغیرہ پر مشتمل ہے، گناہِ کبیرہ کے مرتکب لوگوں کے حق میں شفاعت کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ:

((لَا يُشْفَعُ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ .))

''گناہ کبیرہ کے مرتکب لوگوں کے لیے کوئی شفاعت نہیں ہے۔''

اُن کے اس دعوے کی بنیاد یہ ہے کہ اُن کے نزدیک گناہِ کبیرہ کے مرتکب لوگوں کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائے گا اور جب ایک دفعہ وہ جہنم میں داخل ہو جائیں گے تو پھر نہ شفاعت اور نہ کوئی دوسری چیز ہی اُن کو اس سے نکال سکے گی۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، ائمہ کرام اور تمام علمائے اہل سنت والجماعت کا متفقہ مذہب یہ ہے کہ آنخضرت ﷺ کبیرہ گناہ کے مرتکب لوگوں کے لیے بھی شفاعت کریں گے اور کوئی صاحبِ ایمان جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نہیں ڈالا جائے گا بلکہ جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان بھی موجود ہوگا اس کو جہنم سے نکال لیا جائے گا لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ بارش کے لیے دُعا کی درخواست، طلبِ سفارش اور آپ ﷺ کو وسیلہ بنانا صرف آپ کی حیاتِ طیبہ میں جائز تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ سے دُعا کی درخواست کیا کرتے تھے اور آپ ﷺ ان کے حق میں دُعا فرمایا کرتے تھے۔ لہٰذا وہ آپ کی دُعا کو وسیلہ بنایا کرتے تھے ''استشفاع بہ'' سے مراد آپ سے شفاعت کی درخواست کرنا تھا اور شفاعت آپ کی دُعا سے عبارت تھی۔

آنحضرت ﷺ کی ذات سے توسُّل

رہا آنحضرت ﷺ کی ذات کا وسیلہ تلاش کرنا خواہ وہ آپ کی موجودگی میں ہو یا آپ کے وصال کے بعد ہو، یہ آپ کی ذاتِ اقدس اور دُوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی ذات کی قسم دلانے اور اس کے واسطہ سے، نہ کہ اُن کی دُعا کے توسل سے سوال کرنا ہے۔ یہ عقیدہ فاسدہ صحابہ کرام اور تابعین کے ہاں معروف نہیں ہے۔ اس کے برعکس حضرت عمر بن خطاب اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اور دُوسرے صحابہ کرام اور تابعین جو اُن کے پاس موجود ہوتے تھے قحط اور خشک سالی کے دوران اس شخص سے بارش کے لیے دُعا کی درخواست کرتے جو بقید حیات ہوتا۔ مثلاً وہ حضرت عباس اور یزید بن الاسود رضی اللہ عنہما کو اپنی دُعا میں وسیلہ بناتے اور اُن سے شفاعت کی درخواست کرتے۔ ایسے عالم میں وہ نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس کو نہ وسیلہ بناتے نہ اُن سے شفاعت (یعنی دعا) کی درخواست کرتے اور نہ بارش کے لیے دُعا طلب کرتے۔ نہ آپ کی قبر اطہر کے پاس نہ کسی دوسرے نبی و ولی کی قبر کے پاس۔ اُن کے بجائے وہ حضرت عباس اور حضرت یزید بن الاسود رضی اللہ عنہما کو اپنا وسیلہ بناتے۔ البتہ وہ اپنی دعاؤں میں آنحضرت ﷺ پر درود بھیجتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ دُعا پڑھا کرتے تھے۔

((اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا، وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا.)) [1]

"اے اللہ! ہم تیرے حضور اپنے نبی کو وسیلہ بناتے تھے اور تو بارش نازل فرما دیتا تھا اور اب ہم اپنے نبی ﷺ کے چچا (عباس رضی اللہ عنہ) کو تیرے ہاں وسیلہ بناتے ہیں۔ پس ہم پر بارش نازل فرما۔"

پس صحابہ کرام نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ کو رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ کا بدل

[1] حدیث نمبر: ۱۵۱ دیکھیں۔

قرار دیا کیونکہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد کوئی شرعی جواز باقی نہ رہا تھا کہ آپ کو وسیلہ بنایا جائے حالانکہ یہ عین ممکن تھا کہ وہ آپ کی قبر انور پر حاضری دیتے اور وہاں آپ کا وسیلہ تلاش کرتے اور اپنی دُعا میں آپ کی حرمت و جاہ کی قسم دلاتے یا ایسے الفاظ ادا کرتے جس سے اللہ کو مخلوق کی قسم دلانا یا اُس کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے کا مفہوم پایا جاتا اور یوں دُعا کرتے کہ: ''اے اللہ! ہم تجھ سے اپنے نبی مکرم ﷺ کے واسطہ سے مانگتے ہیں۔'' یا یوں کہتے کہ: ''اے اللہ! ہم تجھے تیرے نبی کی قسم دلاتے ہیں'' یا اس کے ہم معنی دوسرے الفاظ ادا کرتے جو اکثر جاہل لوگ ادا کرتے رہتے ہیں لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا طرزِ عمل اختیار نہیں فرمایا۔

آنحضرت ﷺ کی حرمت و جاہ کا وسیلہ

بعض جاہل اور پرلے درجے کے غبی لوگوں نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا سَاَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْئَلُوْهُ بِجَاهِيْ، فَاِنَّ جَاهِيْ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ.))

''جب تمہیں اللہ سے سوال کرنا ہو تو میرے جاہ کے واسطہ سے سوال کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میرا جاہ و مرتبہ بہت بڑا ہے۔''

یہ روایت جھوٹ کا طومار ہے۔ علمائے حدیث جن کتبِ حدیث پر اعتماد کرتے ہیں ان میں اس حدیث کا کوئی نام و نشان نہیں ملتا۔ بلاشبہ نبی اکرم ﷺ کا مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بہت اعلیٰ و ارفع ہے۔ اس کے باوجود کسی بھی عالمِ حدیث نے آپ کے جاہ کے واسطہ سے سوال کرنے کا کہیں ذکر نہیں کیا ہے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ ہمیں بتاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑی مکرم اور قابلِ عظمت ہستیاں ہیں۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں آتا ہے کہ:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ۝ ﴾ (الاحزاب: ٦٩)

''اے ایمان والو! اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اذیت دی تو اللہ نے اسے اس عیب سے بچا لیا جو لوگ آپ پر لگاتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آبرو والے تھے۔''

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

﴿ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ ﴾ (اٰل عمران: ٤٥)

''(یاد کرو وہ وقت) جب فرشتوں نے (مریم علیہا السلام سے) کہا کہ اے مریم علیہا السلام! اللہ تعالیٰ تم کو اپنی طرف سے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم علیہا السلام ہوگا، دُنیا و آخرت میں آبرومند اور اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہوگا۔''

جب حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اس قدر صاحب مرتبت ہیں تو نبی آخر الزمان ﷺ، جو سید اولادِ آدم اور صاحب مقامِ محمود ہیں وہ مقامِ محمود جس پر اولین و آخرین سب رشک کرتے ہیں، کی کرامت و وجاہت کا اندازہ کیسے کیا جا سکتا ہے؟ وہ صاحبِ حوضِ کوثر ہیں۔ یہ وہ حوضِ کوثر ہے جس پر ستاروں کی طرح ان گنت برتن رکھے ہوئے ہیں، جس کا پانی دُودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ اس حوض سے جو شخص ایک مرتبہ پانی پی لے گا اُسے اُس کے بعد کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ یہ وہ جلیل القدر پیغمبر ہیں جو قیامت کے دن شفاعت فرمائیں گے جبکہ تمام انبیاء کرام مثلاً حضرت آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام شفاعت کرنے سے معذوری ظاہر کریں۔ اس روز

صرف آپ ہی اللہ کے حضور آگے بڑھیں گے ایک جھنڈا آپ کے ہاتھ میں ہوگا اور حضرت آدم اور دیگر اولوا العزم انبیاء کرام علیہم السلام آپ کے جھنڈے تلے جمع ہوں گے۔ آپ سید اولادِ آدم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ سب سے زیادہ صاحبِ کرامت و وجاہت ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے امام اور خطیب ہیں، اُن کا مرتبہ بہت ہی عظیم الشان ہے۔

جاہِ مخلوق کی حیثیت

لیکن یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی ہستی ولی یا نبی کو جو وجاہت حاصل ہوتی ہے اُسے اس وجاہت پر محمول نہیں کیا جاسکتا جو مخلوق کو مخلوق کے پاس حاصل ہوتی ہے کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کسی شخص کے حق میں سفارش و شفاعت کے لیے جنبشِ زبان کی جرأت نہیں کرے گا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ○ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ○ ﴾ (مريم: ۹۳، ۹٤)

”تمام شخص جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اللہ کے روبرو بندے ہو کر آئیں گے اس نے (ان سب) کو اپنے علم سے گھیر رکھا اور ایک ایک کو شمار کر رکھا ہے۔“

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

﴿ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ○ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ○ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ○ ﴾

(النساء: ۱۷۲، ۱۷۳)

''مسیح علیہ السلام اس بات سے ہرگز عار نہیں رکھتے کہ اللہ کے بندے ہوں اور نہ مقرب فرشتے (عار رکھتے ہیں) اور جو شخص اللہ کا بندہ ہونے کو موجب عار سمجھے اور سرکشی کرے تو اللہ سب کو اپنے پاس جمع کرلے گا۔ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے وہ اُن کو اُن کا پورا پورا بدلہ دے گا اور اپنے فضل سے کچھ زیادہ بھی عنایت کرے گا اور جنھوں نے (بندہ ہونے سے) عار و انکار اور تکبر کیا ان کو وہ دردناک عذاب دے گا اور وہ اللہ کے سوا نہ اپنا کوئی حامی پائیں گے نہ مددگار۔''

مخلوق مخلوق کے پاس بغیر کسی پیشگی اجازت کے سفارش کیا کرتی ہے اس لیے جو شخص کسی کی سفارش کرتا ہے وہ حصولِ مراد میں اُس کا شریک ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے، جیسا کہ اُس کا فرمان ہے کہ:

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ط ﴾

(سبا: ۲۲، ۲۳)

''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) کہہ دو کہ جن کو تم اللہ کے سوا (معبود) خیال کرتے ہو اُن کو بلاؤ وہ آسمانوں اور زمین میں ذرہ بھر چیز کے بھی مالک نہیں ہیں اور نہ اُن میں اُن کی کوئی شرکت ہے اور نہ اُن میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے اور اللہ کے ہاں (کسی کے لیے) سفارش فائدہ نہ دے گی مگر اس کے لیے جس کے بارے میں وہ اجازت بخشے۔''

مقابر کو عبادت گاہ بنانے کی ممانعت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقابر کو سجدہ گاہ

بنانے سے منع فرمایا ہے اور جو لوگ قبروں کو عبادت گاہ بناتے ہیں اُن پر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔ نیز آپ نے قبروں کو میلہ گاہ بنانے سے بھی منع فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بنی آدم میں سے سب سے پہلے جس قوم میں شرک نے جڑ پکڑی وہ قومِ نوح علیہ السلام تھی اور اس کے شرک کی وجہ یہی قبر پرستی تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ''حضرتِ آدم علیہ السلام اور حضرتِ نوح علیہ السلام کے درمیانی عرصہ میں دس قومیں گزری ہیں جو سب کی سب اسلام پر قائم تھیں۔'' [1]

نیز صحیح بخاری اور مسلم میں نبی اکرم ﷺ کی حدیث سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ: ''حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اہلِ زمین کی طرف مبعوث فرمایا۔'' [2]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے کہا:

﴿ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۝ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ۝ ﴾

(نوح: ۲۳، ۲۴)

''(اور کہنے لگے) کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ودّ اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو کبھی ترک نہ کرنا (حالانکہ) انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔''

قومِ نوح علیہ السلام کی ان بزرگ ہستیوں کے بارے میں متعدد سلف صالحین کی رائے یہ ہے کہ یہ قومِ نوح کے صالح اور نیکوکار بزرگ تھے۔ جب وہ اس دُنیا سے کوچ کر گئے تو لوگ اُن کی قبروں پر معتکف ہو گئے۔ امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ لوگ اُن کی پرستش کا شکار ہو گئے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو اپنی جامع صحیح میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت

---

[1] المستدرك للحاكم: ۲/۶ ۵ ۵۔ [2] صحيح البخاري، كتاب احاديث الانبياء: ۳۳۴۰۔ صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب ادنى اهل الجنة منزلة فيها: ۱۹۴

کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ یہ بت عرب میں پہنچے اور جن عرب قبائل میں وہ گئے انہوں نے ان کے مختلف نام رکھ لیے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل

جب صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو معلوم ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے مقابر کو سجدہ گاہ بنانے سے منع فرمایا ہے، خواہ کوئی شخص خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لیے نماز پڑھ رہا ہو جس طرح حضور ﷺ نے طلوعِ آفتاب کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، خواہ کوئی اللہ ہی کی نماز پڑھ رہا ہو، تا کہ آفتاب پرستوں سے مشابہت پیدا نہ ہونے پائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پتہ چل گیا کہ اس طرح اللہ کے نبی نے شرک کی جڑ کاٹ دی ہے تو انہوں نے نہ قبروں کو سجدہ گاہ بنایا، نہ طلوعِ آفتاب کے وقت نماز پڑھی۔ حضور ﷺ نے یہ بھی واضح فرما دیا کہ جو شخص کسی مردے سے دُعا مانگتا ہے یا اس کی قبر کے پاس دُعا مانگتا ہے وہ اُس شخص کی نسبت شرک سے زیادہ قریب ہے جو قبر کے پاس صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے۔

اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یہ بھی جان گئے تھے کہ نبی اکرم ﷺ سے توسل سے مراد آپ کی رسالت پر ایمان، آپ کی اطاعت و فرمانبرداری اور آپ سے محبت و موالات کو وسیلہ بنانا ہے یا آپ کو وسیلہ بنانے سے مراد آپ کی دُعا اور سفارش کو وسیلہ بنانا ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے کبھی بھی مجرد آپ کی ذاتِ اقدس کو وسیلہ نہیں بنایا۔ جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا کوئی کام نہیں کیا ہے اور نہ انہوں نے کبھی ایسی دُعا ہی مانگی ہے بلکہ وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بناتے رہے جو کسی لحاظ سے بھی سرورِ کائنات ﷺ کے مثل نہ تھے حالانکہ وہ ہم سے زیادہ صاحب علم تھے وہ بہتر جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مقبول ﷺ کن باتوں کو پسند فرماتے ہیں اور انہوں نے کس قسم کی دُعاؤں کا حکم دیا ہے اور کون سی دُعائیں قبولیت کے زیادہ قریب ہیں تو اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ اشرف المخلوقات نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنانا آپ کے وصال کے بعد ممکن نہ رہا تھا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے افضل ترین ہستی

کے وسیلہ کی جگہ نسبتاً کم درجہ کی افضل شخصیت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ اختیار کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کو سجدہ گاہ بنانے کی ممانعت

امام مالک نے اپنی مؤطا میں روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا يُّعْبَدُ، اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ نِ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآءِهِمْ مَسَاجِدًا.)) ❶

''اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اُس کی پرستش ہونے لگے اللہ کا اس قوم پر سخت غضب ہوا جس نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔''

سنن ابی داود میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

((لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِيْدًا وَصَلُّوْا عَلَیَّ حَيْثُمَا كُنْتُمْ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ تُبَلِّغُنِیْ.)) ❷

''میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنانا اور جہاں کہیں بھی تم ہو مجھ پر درود بھیجنا کیونکہ تمہارا درود مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔''

صحیحین میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں فرمایا کہ:

((لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِ هِمْ مَسْجِدَ يُحَذِّرُ مَا فَعَلُوْا قَالَتْ عَائِشَةُ رضی اللہ عنہا وَلَوْلَا ذٰلِكَ لَاُبْرِزُ قَبْرُهٗ وَلٰكِنْ كُرِهَ اَنْ يُّتَّخِذَ مَسْجِدًا.)) ❸

''اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ راوی کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس سے روکا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر اس بات کا ڈر نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھلی

---

❶ انظر الحدیث: ۱۳۷۔ ❷ مسند احمد: ۳۶۷/۲، سنن ابی داؤد، کتاب المناسك، باب زیارۃ القبور (۲۰۴۲) طبرانی اوسط (۸۰۲۹). ❸ صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما یکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور (۱۳۳۰)، صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النهی عن بناء المسجد علی القبور (۵۲۹).

جگہ نمایاں بنائی جاتی لیکن یہ ناپسند کیا گیا کہ آپ کی قبر کو سجدہ گاہ بنالیا جائے۔"

صحیح مسلم میں حضرت جندب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال سے پانچ روز پہلے فرمایا کہ:

((إِنِّي أَبْرَأُ إِلَى اللّٰهِ أَنْ يَّكُوْنَ لِيْ مِنْكُمْ خَلِيْلٌ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِّنْ أُمَّتِيْ خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَابَكْرٍ رضی اللہ عنہ خَلِيْلًا، فَإِنَّ اللّٰهَ قَدِ اتَّخَذَنِيْ خَلِيْلًا كَمَا اتَّخَذَ إِبْرَاهِيْمَ علیہ السلام خَلِيْلًا، إِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ فَإِنِّيْ أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ.)) [1]

"میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے بری ہوں کہ تم میں سے کسی کو اپنا خلیل بناؤں اگر مجھے کوئی خلیل اپنی امت میں سے بنانا ہوتا تو میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیل بناتا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنالیا ہے جس طرح اس نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تھا تم سے پہلے لوگ قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا کرتے تھے۔ خبردار! قبروں کو سجدہ گاہ نہ بناؤ۔ میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔"

صحیحین میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

((لَا تُطْرُوْنِيْ كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰى عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ علیہ السلام، فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ فَقُوْلُوْا: عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ.)) [2]

"مجھے اتنا نہ بڑھاؤ جتنا عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بڑھا دیا تھا۔ میں تو صرف ایک بندہ ہوں لہٰذا مجھے اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول کہا کرو۔"

مشہور محدث امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت بیان کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو درج ذیل دُعا سکھائی:

---

[1] صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب النهي عن بناء المسجد على القبور (٥٣٢).

[2] صحيح البخاري، كتاب الانبياء، باب قول الله " واذكر في الكتاب مريم اذ انتبذت من اهلها " (٣٤٤٥).

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ وَاَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ ﷺ، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! اِنِّيْ اَتَوَسَّلُ بِكَ اِلٰى رَبِّيْ فِيْ حَاجَتِيْ لِيَقْضِيَهَا لِيْ. اَللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِيَّ.)) [1]

''اے اللہ! میں تیرے نبی رحمت محمد ﷺ کے واسطہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں اور اسے تیرے ہاں وسیلہ بناتا ہوں۔ اے محمد ﷺ! اے اللہ کے رسول ﷺ! میں تجھے وسیلہ بناتا ہوں) اپنے رب کے ہاں کہ وہ میری ضرورت پوری فرمادے۔ اے اللہ! ان کی شفاعت (سفارش) میرے حق میں قبول فرما۔''

حدیثِ اعمٰی پر بحث

امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح کی ایک دُعا نقل کی ہے۔ حضرت عثمان بن حنیف کے حوالہ سے ترمذی رحمہ اللہ اور ابن ماجہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ:

''ایک نابینا شخص بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: اللہ سے دُعا فرمائیں کہ وہ مجھے اس اندھے پن سے بچائے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اگر تو چاہتا ہے تو میں دعا کرتا ہوں اور اگر تو پسند کرتا ہے تو صبر سے کام لے یہ تمہارے حق میں اچھا ہوگا۔'' لیکن نابینا نے کہا کہ ''آپ میرے لیے اللہ سے دُعا کریں۔'' اس پر حضور ﷺ نے اسے تلقین کی کہ وہ اچھی طرح وضو کرے اور اللہ تعالیٰ سے یوں دُعا مانگے ؛ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی رحمت حضرت محمد ﷺ کے واسطہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اے اللہ کے رسول محمد ﷺ! میں اپنی ضرورت کے سلسلہ میں تیرے واسطہ سے اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میری حاجت روائی

---

[1] انظر الحدیث: ۱۲۰.

فرمائے۔اے اللہ! اُن کی شفاعت (دُعا) میرے حق میں قبول فرما۔''❶

ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔نسائی رحمہ اللہ نے اسے عثمان بن حنیف سے روایت کیا ہے۔جس کے الفاظ ہیں کہ نابینا شخص نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ وہ میری نگاہ سے عدمِ بینائی کا پردہ دُور فرما دے۔'' حضور ﷺ نے فرمایا کہ جا اور وضو کر، پھر دو رکعت نماز پڑھ اور یوں دعا مانگ: ''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی رحمت حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد ﷺ! میں تیرے واسطہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ وہ میری بینائی بحال فرما دے۔اے اللہ! اُن کی شفاعت (دُعا) میرے حق میں قبول فرما۔'' راوی کا قول ہے کہ جب وہ بارگاہِ رسالت سے واپس لوٹا تو اُس کی بینائی لوٹ آئی تھی۔''❷

امام احمد رحمہ اللہ اپنی مسند میں ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ:

''روح نے شعبہ سے روایت کیا کہ عمر بن یزید الخطمی المدینی نے کہا کہ میں نے عمارہ بن خزیمہ بن ثابت کو عثمان بن حنیف سے حدیث بیان کرتے ہوئے سنا کہ: ایک نابینا شخص بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا اور کہا کہ: اے اللہ کے نبی ﷺ! اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ وہ مجھے (اندھے پن کی مصیبت سے) بچائے۔'' حضور ﷺ نے فرمایا کہ: ''اگر تو پسند کرے تو اسے مؤخر کر دے۔ یہ تیری آخرت کے لیے بہتر ہے اور اگر تو چاہے تو میں تیرے لیے دُعا کیے دیتا ہوں۔'' اس نے عرض کیا کہ: ''نہیں! بلکہ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائیں۔'' اس پر حضور ﷺ نے اسے کہا کہ ''وضو کرو، دو رکعت نماز پڑھو اور یہ دُعا مانگو:

---

❶ انظر الحدیث السابق.

❷ انظر الحدیث: (۱۲۰).

اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی رحمت محمد ﷺ کے ذریعہ تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد ﷺ! میں آپ کے ذریعہ اپنی اس ضرورت کے لیے اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ وہ میری حاجت روائی فرمائے۔ اے اللہ! میری درخواست اُن کے لیے قبول فرما اور اُن کی شفاعت (دُعا) میرے حق میں قبول فرما۔'' کہا جاتا ہے کہ نابینا شخص نے اس پر عمل کیا اور اس کی بینائی ٹھیک ہوگئی۔''[1]

حضور ﷺ سے مطلق توسل: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ جلال میں آپ سے توسل آپ کی دُعا کے ذریعہ سے ہے۔ بعض نادان لوگوں کا خیال ہے کہ حدیث مذکور حضور ﷺ سے مطلق توسل کا تقاضا کرتی ہے خواہ آپ بقید حیات ہوں خواہ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے ہوں۔ یہی وہ حدیث ہے جس سے یہ گروہ یہ استدلال کرتا ہے کہ حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس کو آپ کے وصال کے بعد اور آپ کی غیر حاضری میں بھی وسیلہ بنایا جا سکتا ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ نابینا شخص اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی حیاتِ مبارکہ میں اگر آپ کو وسیلہ بنایا تھا تو اُس کے یہ معنی تھے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو حضور ﷺ کی قسم دلائی تھی یا اس کا مطلب یہ تھا کہ انہوں نے حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا کہ وہ ان کی حاجات پوری فرمادے۔ وہ یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ آپ کو وسیلہ بنانے کے لیے یہ لازم نہیں کہ آپ کسی کے لیے دُعا بھی فرمائیں اور نہ یہ ہی ضروری ہے کہ آپ کی اطاعت بجالائی جائے۔ ان کے نزدیک اس سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا کہ حضور ﷺ کسی کے لیے دُعا فرماتے ہیں یا نہیں۔ مختصر یہ ہے کہ یہ لوگ مجرد آپ کی ذات کو وسیلہ بنانا جائز سمجھتے ہیں۔ کوئی حضور ﷺ کی اطاعت کرے یا نہ کرے، اُن کے نزدیک اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اُن کا عقیدہ ہے کہ

---

[1] انظر الحدیث: ۱۲۰.

جو شخص بھی حضور کو وسیلہ بناتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی اسی طرح حاجت روائی فرما دیتا ہے۔ خواہ حضور ﷺ اُس کے حق میں کوئی دعا نہ کریں جس طرح اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی حاجت پوری کرتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی دُعا کو وسیلہ بناتا ہے اور خود رسول اللہ ﷺ بھی اس کے لیے دُعا کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا عقیدہ شرعاً باطل ہے، اُن کا عمل شریعتِ الٰہی کے موافق نہیں ہے اور نہ ہی یہ قانونِ الٰہی سے مطابقت رکھتا ہے۔

بعض لوگ یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ نابینا شخص کا معاملہ اس طرح کے نظائر میں حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ غیر موافق اور غیر مماثل حالات پر اس حدیث سے کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ جس شخص کے لیے حضور دُعا فرمائیں اور جس کے حق میں حضور دُعا نہ فرمائیں دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پہلے شخص کو دوسرے شخص کی مانند سمجھنا درست نہیں ہے۔ جہاں تک مذکورہ نابینا شخص کا تعلق ہے حضور ﷺ نے اس کے لیے شفاعت (دُعا) فرمائی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس نابینا شخص نے اپنی دُعا میں کہا تھا کہ ((اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ.)) ...... ''اے اللہ! اُن کی سفارش میرے حق میں قبول فرما۔'' پس معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے اُس کے حق میں دُعا فرمائی تھی اس لیے آپ اُس کے لیے شفیع تھے۔ آپ کے الفاظ تھے کہ: ((اِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ وَاِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ لَكَ.)) ...... ''اگر تو پسند کرے تو صبر کر اور اگر تو چاہے تو میں تیرے حق میں دُعا کیے دیتا ہوں۔'' نابینا شخص نے عرض کیا تھا کہ: ''حضور ﷺ! میرے لیے دُعا فرمائیں۔'' اس طرح اس شخص نے حضور ﷺ سے دُعا کی درخواست کی تھی جس پر حضور ﷺ نے اسے نماز پڑھ کر دُعا مانگنے کی تلقین فرمائی۔ نیز آپ نے یہ دُعا مانگنے کی بھی تلقین کی۔ ((اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ.)) ...... ''یعنی اے اللہ! میرے حق میں اُن کی سفارش قبول فرما۔'' اس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی ہے کہ جب اُس نابینا شخص نے دُعا مانگی کہ: ((أَسْأَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ ﷺ.)) تو اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ: ''اے اللہ! میں حضور ﷺ کی دُعا اور سفارش

کے واسطہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں۔'' جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ:

((اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا اِذْ اَجْدَبْنَا تَوَسَّلْنَا اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ ﷺ فَتَسْقِيْنَا.)) [1]

''اے اللہ! جب کبھی ہم قحط سالی کا شکار ہوئے ہم نے تیری بارگاہ میں محمد ﷺ کو وسیلہ بنایا اور تو نے ہم کو سیراب کر دیا۔''

ان دونوں حدیثوں سے ایک ہی معنی نکلتے ہیں۔ حضور ﷺ نے نابینا شخص کو اس بات کی تعلیم دی تھی کہ آپ کو آپ کی زندگی ہی میں وسیلہ بنایا جائے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ لوگ قحط سالی میں آپ کو وسیلہ بناتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی دوسرے شخص کا وسیلہ تلاش کیا کرتے تھے۔ اگر آپ کی زندگی میں اور وصال کے بعد دونوں صورتوں میں وسیلہ بنانا جائز ہوتا اور ایک ایسا شخص جس کے لیے حضور ﷺ دعا فرمائیں ایسے شخص کی مانند ہوتا جس کے لیے حضور نے دعا نہ فرمائی ہو تو صحابہ کرام افضل الخلوقات، سرورِ دو عالم کو چھوڑ کر کسی دوسرے شخص کو وسیلہ نہ بناتے۔ اسی طرح اگر ایک نابینا شخص جس کے لیے حضور ﷺ نے دعا نہیں کی اس نابینا شخص کی طرح ہوتا جس کا حدیث میں ذکر موجود ہے تو آنحضرت ﷺ کے تمام نابینا صحابی یا کم از کم ان میں سے بعض نے ضرور اس نابینا صحابی کی طرح دعا کی ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کا اعلیٰ و افضل ہستی کو چھوڑ کر کمتر درجہ کی شخصیت کو وسیلہ بنانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ انہوں نے جس بات پر عمل کیا وہی مشروع تھا اور جس کو ترک کر دیا وہ مشروع نہ تھا، ان کا عمل ہمارے لیے قابلِ تقلید اور حجت ہے کیونکہ وہ لوگ سابقون الاوّلون تھے، مہاجرین و انصار میں سے تھے اور تابعین کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بارے میں ہم سے زیادہ علم رکھتے تھے، ان

---

[1] تقدم و تخریجه.

کے حقوق کو خوب پہچانتے تھے، وہ ہم سے بہتر جانتے تھے کہ کونسی دعا شریعت میں جائز اور نفع بخشنے والی ہے اور کون سی دُعا ناجائز اور ضرر رساں ہے۔ اگرچہ وہ مصائب و آلام میں مبتلا ہوئے، قحط سالی اور خشک سالی کا شکار ہوئے اور تکالیف سے نجات طلب کرتے تھے اور ہر ممکن طریقہ سے بارش کی دُعا کیا کرتے تھے لیکن ایسی غیر شرعی بات انہوں نے نہیں کی۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے اپنی کتابوں میں استسقاء کے متعلق وہی کچھ لکھا ہے جو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کیا، جو کام انہوں نے نہیں کیا اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں آپ ﷺ کو وسیلہ بنانے کا مطلب یہ تھا کہ آپ ﷺ سے دُعا کی درخواست کی جائے جو کہ شریعت میں جائز ہے۔ چنانچہ مسلمان ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں آپ سے دُعا کی درخواست کیا کرتے تھے لیکن آپ کے وصال کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے بھی دُعا کی درخواست نہیں کی نہ آپ کی قبر کے پاس نہ کسی دُوسرے نبی کی قبر کے پاس، جیسا کہ اکثر لوگ صلحاء کی قبور کے پاس دُعا کی درخواست کرتے ہیں، کوئی ان سے اپنی حاجت براری کی درخواست کرتا ہے اور کوئی اللہ کو ان کی قسم دلاتا ہے۔

دوسروں سے دُعا کی درخواست

ایک مومن کی دُوسرے مومن سے دُعا کی درخواست شریعت میں جائز ہے حتی کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے عمرہ کی اجازت چاہی تو حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَنْسَنَا يَا أَخِيْ مِنْ دُعَائِكَ.)) [1]

آنحضرت ﷺ نے یہاں تک حکم دیا کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے بخشش کی دُعا کی درخواست کرو۔ [2] خواہ درخواست گزار حضرت اویس قرنی سے افضل ہی کیوں نہ ہو۔

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب الدعاء (۱٤۹۸)، سنن الترمذی، الدعوات (۳٥٦۲)، سنن ابن ماجه، کتاب المناسك، باب فضل دعاء الحج (۲۸۹٤). مسند احمد ۲۹/۱ اس کی سند میں ''عاصم بن عبیداللہ'' ضعیف راوی ہے۔

[2] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابه، باب من فضائل اویس قرنی رضی اللہ عنہ (٦٥٤۲).

نیز صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''جب تم مؤذن کی آواز سنو تو جو کچھ وہ کہتا ہے تم بھی اسے دہراؤ۔ پھر مجھ پر دُرود بھیجو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک بار دُرود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لیے وسیلہ طلب کرو۔ یہ جنت میں ایک مقام ہے جس کا کوئی سزاوار نہیں مگر اللہ کا ایک بندہ اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں۔ پس جس نے میرے لیے وسیلہ طلب کیا اُس کے لیے قیامت کے روز میری شفاعت حلال ہوگئی۔'' [1]

حضور ﷺ کی امت سے اپنے لیے دُعا کی درخواست یہ معنی نہیں رکھتی کہ آپ مخلوق سے اپنی کوئی حاجت طلب کرتے ہیں بلکہ اس سے حضور ﷺ نے اپنی امت کو ایسے کاموں کی تعلیم دی ہے جو اُن کے دین میں نفع بخش ہو۔ اس تعلیم و تلقین کے باعث اللہ آپ کے اجر و ثواب کو دوچند کر دیتا ہے۔ چنانچہ جب ہم آنحضرت ﷺ پر ایک مرتبہ دُرود بھیجتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہم پر دس مرتبہ رحمت نازل فرماتا ہے اور جب ہم آپ کے لیے وسیلہ کی دُعا کرتے ہیں تو آپ کی شفاعت قیامت کے روز ہمارے لیے حلال ہو جاتی ہے۔

ہمارے اعمال پر ہمیں جو ثواب ملتا ہے ایسا ہی ثواب آنحضرت ﷺ کو بھی ملتا ہے اور ہمارے اجر و ثواب میں کوئی کمی بھی واقع نہیں ہوتی۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ:

((مَنْ دَعَا اِلٰی هُدًی كَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهٗ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا.)) [2]

''جس نے کسی کو ہدایت کی طرف دعوت دی اُسے ان لوگوں کے ثواب کی طرح ثواب ملے گا جو اُس کی اتباع کریں گے بغیر اس کے کہ اُن کے اپنے

---

[1] انظر الحدیث: (٥٩).

[2] صحیح مسلم، کتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سيئة ...... (٢٦٧٤). سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب لزوم السنة (٤٦٠٩).

اجروں میں کوئی کمی واقع ہو۔"

نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو ہر خیر کی دعوت دی ہے۔ آپ ﷺ کی امت جس بھلائی پر بھی عمل کرے گی اس کے اجر و ثواب کی مثل آپ ﷺ کو بھی اجر و ثواب ملے گا جبکہ امت کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین اپنے اعمال کا ثواب آپ کو ہدیہ نہیں کیا کرتے تھے وہ نہ آپ کی طرف سے حج کرتے اور نہ صدقہ اور نہ تلاوتِ قرآن کا ثواب آپ کو پہنچاتے تھے کیونکہ اہلِ ایمان، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، تلاوتِ قرآن وغیرہ جو اعمالِ صالحہ بجالاتے ہیں اس کا ثواب حضور اکرم ﷺ کو بھی ویسا ہی ملتا ہے جیسا کہ ان نیک کاموں کے کرنے والوں کو ملتا ہے البتہ والدین کا معاملہ مختلف ہے۔ ایک مسلم جو نیک عمل بھی کرتا ہے اس کا ثواب اسے ہی ملتا ہے اور والدین کو اپنی اولاد کے نیک اعمال کے اجر کی مانند اجر حاصل نہیں ہوتا، اسی لیے اولاد اپنے والدین کو اور دیگر اقارب کو ثواب ہدیہ کرتی ہے۔

حضور ﷺ اپنے رب کے مطیع تھے

سب کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے پروردگار کے احکامات کے تابع تھے۔ چنانچہ آپ اللہ عزوجل کے فرمانِ ذیل پر پوری طرح کاربند تھے۔

﴿ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ٥ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ ٥ ﴾ (سورۃ الانشراح)

"جب تو فارغ ہو تو (اللہ کی عبادت میں) محنت کر اور اپنے رب کی طرف رغبت رکھ۔"

چنانچہ حضور ﷺ نے کبھی غیر اللہ کی طرف رغبت نہیں کی، صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

((یَدْخُلُ مِنْ اُمَّتِیَ الْجَنَّةَ سَبْعُوْنَ اَلْفًا بِغَیْرِ حِسَابٍ وَهُمُ الَّذِیْنَ لَا

يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَكْتُوُنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ.)) ❶

"میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب جنت میں داخل ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جو نہ جھاڑ پھونک کراتے ہیں، نہ دغواتے ہیں نہ بدشگونی لیتے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔"

مذکورہ لوگ آپ کی امت سے ہوں گے۔ آپ نے اُن کی تعریف اس لیے فرمائی ہے کہ وہ تعویذ گنڈے اور جھاڑ پھونک نہیں کراتے۔ استرقاء کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے تعویذ گنڈہ طلب کرے اور رقیہ ایک طرح کی دُعا ہے، نبی اکرم ﷺ اپنے جسم پر اور دوسروں پر بھی پھونکتے تھے لیکن کسی سے کبھی جھاڑ پھونک کے لیے نہیں کہا۔ وہ روایت جس میں ((لَا يَرْقُوْنَ)) یعنی وہ جھاڑ پھونک نہیں کرتے کے الفاظ منقول ہوئے ہیں۔ ضعیف اور جھوٹی ہے، اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کا اُمت سے اپنے لیے دُعا چاہنا مخلوق کا مخلوق سے سوال کرنے کے مترادف نہ تھا۔ جو شخص لوگوں سے نہیں مانگتا بلکہ صرف اللہ تعالیٰ سے ہی سوال کرتا ہے وہ اُس شخص سے افضل ہے جو لوگوں سے سوال کرتا ہے اور حضرت محمد ﷺ تو سر سید اولادِ آدم ہیں۔

غائب کی غائب کے لیے دُعا

غائب کی غائب شخص کے لیے دُعا زیادہ مقبول و مستجاب ہے۔ بہ نسبت ایسے شخص کی دُعا کے جو کسی کے سامنے اس کے لیے کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی صورت میں وہ اپنے اخلاص میں درجہ کمال اور شرک سے کوسوں دُور ہوتا ہے لہٰذا ایسے شخص کی دُعا جو کسی درخواست کے بغیر کسی کے لیے کرتا ہے ایسے شخص کی دُعا کے مشابہ کیسے ہو سکتی ہے جو کسی کی درخواست پر اللہ تعالیٰ سے کرے جبکہ دُعا کا طالب موجود بھی ہو، حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

❶ صحيح البخاري، كتاب الطب، باب من لم يرق (٥٧٥٢)، صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب الدليل على دخول طوائف من المسلمين الجنة بغير حساب ولا عذاب (٢٢٠).

((اَعْظَمُ الدُّعَاءِ اِجَابَةً دُعَاءُ غَائِبٍ لِغَائِبٍ.)) [1]

"قبولیت کے لحاظ سے سب سے عمدہ دُعا غیر حاضر کی غیر حاضر کے لیے دُعا ہے۔"

صحیح مسلم میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

((مَا مِنْ رَجُلٍ يَّدْعُوا لِاَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ بِدَعْوَةٍ اِلَّا وَكَّلَ اللّٰهُ بِهٖ مَلَكًا كُلَّمَا دَعَا لِاَخِيْهِ بِدَعْوَةٍ، قَالَ الْمَلَكُ الْمُؤَكَّلُ بِهٖ: اٰمِيْنَ. وَلَكَ بِمِثْلٍ.)) [2]

"کوئی آدمی ایسا نہیں جو اپنے بھائی کے لیے اُس کی عدم موجودگی میں دُعا کرے مگر اللہ تعالیٰ اُس کے لیے فرشتہ مقرر کر دیتا ہے۔ جب بھی وہ اپنے بھائی کے لیے دُعا کرتا ہے وہ فرشتہ جو اُس کے لیے مقرر ہے کہتا ہے کہ آمین! اور تیرے لیے بھی ایسا ہی ہو۔"

یہ اس لیے ہے کہ مخلوق مخلوق سے صرف اُس چیز کی درخواست کر سکتی ہے جو اُس کی قدرت اور بس میں ہوتی ہے۔ مخلوق اس بات پر قادر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ﷺ دُعا کر سکے اور اُس سے سوال کر سکے اسی لیے کسی مخلوق سے دُعا کی درخواست کرنا جائز ہے جس طرح اُس کی قدرت کے مطابق مدد اور اعانت طلب کرنا جائز ہے۔

ملائکہ اور انبیاء کی دُعا

البتہ جو چیزیں اللہ رب العزت کے سوا کسی کے قبضۂ قدرت میں نہیں ہیں اُن کو اللہ سبحانہٗ کے سوا کسی سے طلب کرنا جائز نہیں ہے۔ ایسی چیز نہ فرشتوں سے طلب کی جائے گی نہ انبیاء کرام سے نہ دیگر صلحاء وغیرہ سے۔ غیر اللہ سے اس طرح کی دُعا بھی جائز نہیں کہ

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الدعاء بظهر الغیب (۱۵۳۵)، سنن الترمذی، البر والصلة، باب ما جاء فی دعوة الاخ لاخيه بظهر الغيب (۱۹۸۰)، الادب المفرد (۶۲۳).

[2] صحیح مسلم، کتاب الذکر، باب فضل الدعاء للمسلمین بظهر الغیب (۲۷۳۲).

اے فلاں! مجھے بخش دے، ہم پر بادل بھیج اور منکرینِ حق کی قوم پر ہمیں نصرت عطا فرما۔''
نیز یہ دُعا کرنا بھی جائز نہیں ہے کہ ''اے فلاں! ہمارے دلوں کو سیدھی راہ پر گامزن کر۔''
چنانچہ طبرانی رحمہ اللہ نے اپنی ''معجم'' میں روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ایک منافق تھا جو اہلِ ایمان کو اذیت دیا کرتا تھا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''چلو، حضور ﷺ سے جا کر اس منافق کے خلاف فریاد کریں چنانچہ وہ بارگاہِ نبوی میں آئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

((اِنَّهٗ لَا يُغَاثُ بِيْ وَاِنَّمَا يُسْتَغَاثُ بِاللّٰهِ.)) [1]

''مجھ سے پناہ مانگنا درست نہیں صرف اللہ سے پناہ مانگو۔''

جن چیزوں پر انسان کو قدرت حاصل نہیں وہ اس ضمن میں نہیں آتیں۔ قرآن میں اللہ فرماتا ہے:

﴿ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ ﴾ (الانفال: ۹)

''جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری (فریاد) سن لی۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا میں ہے:

((اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَاِلَيْكَ الْمُشْتَكٰى، وَاِلَيْكَ الْمُسْتَعَانُ وَبِكَ الْمُسْتَغَاثُ وَعَلَيْكَ التُّكْلَانُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ.))

''اے اللہ! تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں تجھ ہی سے ہر طرح کا شکوہ ہے اور تجھ ہی سے مدد مانگی جاتی ہے، تجھ ہی سے فریاد کی جاتی ہے، تجھ ہی پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔ تیرے سوا کسی کے پاس طاقت وقوت نہیں ہے۔''

حضرت ابو یزید بسطامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''مخلوق کا مخلوق سے فریاد کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک ڈوبنے والا شخص دوسرے ڈوبتے ہوئے شخص سے مدد چاہے۔'' حضرت

---

[1] انظر الحدیث (۱٤۱).

ابوعبداللہ القرشی کا قول ہے کہ ''مخلوق کا مخلوق سے مدد کے لیے فریاد کرنا ایسا ہی جیسا کہ ایک قیدی دُوسرے قیدی سے مدد کی فریاد کرے۔''[1] اللہ تعالیٰ فرماتے ہے کہ:

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝ ﴾ (بنی اسرائیل: ٥٦، ٥٧)

''(اے نبی ﷺ!) کہہ دے کہ اللہ کے سوا جن کو تم (معبود) سمجھتے ہو اُن کو پکارو، وہ تم سے مصیبت کو دور کرنے کی کوئی طاقت نہیں رکھتے اور نہ اسے تبدیل کرسکتے ہیں، جن لوگوں کو یہ پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کے ہاں وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ اُن میں سے کون (اللہ کے) قریب ہو، وہ اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اُس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بیشک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔''

سلف صالحین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ بہت سے لوگ ملائکہ اور انبیاء کرام کو پکارا کرتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''جن لوگوں کو تم مدد کے لیے پکارتے ہو وہ تو تمہاری ہی طرح میرے عاجز بندے ہیں۔ جس طرح تم میری رحمت کے امید وار ہو اُسی طرح وہ بھی میری رحمت کے امید وار ہیں۔ تمہاری طرح وہ بھی میرے عذاب سے لرزہ براندام ہیں اور تمہاری طرح میرا قرب حاصل کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو فرشتوں اور نبیوں کو دُعا مانگنے سے منع فرمادیا اور یہ خبر بھی ہمیں دے دی کہ فرشتے تو خود ہمارے لیے دُعائیں کرتے ہیں اور اللہ سے ہماری بخشش طلب کرتے رہتے ہیں اگرچہ اُن سے اس طرح کی کوئی درخواست نہیں کرتے۔ یہی معاملہ انبیاء وصلحاء کا ہے وہ

[1] تفسير روح المعاني: ١٢٨/٦، بقول ابی يزيد البسطامی.

اپنی قبروں میں خواہ زندہ ہوں اور زندہ لوگوں کے لیے دُعا کیوں نہ کرتے ہوں اور خواہ اس ضمن میں کتنے ہی آثار واقوال موجود کیوں نہ ہوں، پھر بھی کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اُن سے دُعائیں مانگے۔ سلف صالحین میں سے کسی ایک فرد نے بھی ایسا کام نہیں کیا ہے کیونکہ اس سے شرک اور اُن کی عبادت کے دروازے کھلتے ہیں۔ اس کے برعکس کسی نبی یا ولی کی زندگی میں اس سے دُعا کی درخواست کرنا شرک کا سبب نہیں بنا سکتا۔ انبیاء اور صلحاء اپنی موت کے بعد زندہ لوگوں کے حق میں جو دُعا کرتے ہیں، وہ امرِ تکوینی کے تحت کرتے ہیں۔ سائل کا سوال اُن کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ البتہ کسی نبی یا ولی کی زندگی میں اُس سے سوال کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔

کسی سائل کی التجاء کو قبول کرنے کے لیے ایک نبی یا ولی صرف اپنی زندگی ہی میں مکلّف ہے۔ موت کے بعد وہ اس تکلیف سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

﴿ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ٥ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ٥ ﴾

(اٰل عمران : ۷۹، ۸۰)

''کسی آدمی کے لیے زیبا نہیں کہ اللہ اُس کو کتاب، حکومت اور نبوت عطا کرے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ کیونکہ تم کتاب پڑھتے اور پڑھاتے ہو اور نہ وہ یہ حکم دے گا کہ فرشتوں اور نبیوں کو رب بنالو۔ کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے گا بعد اس کے کہ تم اسلام لا چکے ہو۔''

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ جو شخص ملائکہ اور انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنا رب بنالیتا ہے وہ کافر بن جاتا ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ○ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ط ﴾

(سبا: ۲۲، ۲۳)

’’ (اے نبی ﷺ!) کہہ دے کہ پکارو اُن لوگوں کو جن کو اللہ کے سوا تم (معبود) خیال کرتے ہو وہ نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں ذرہ برابر قدرت بھی نہیں رکھتے اور نہ انہیں اُن میں کوئی حصہ ہی حاصل ہے اور ان میں سے کوئی بھی (اللہ کا) مددگار نہیں ہے اس کے ہاں کسی کی شفاعت بھی نفع نہیں دیتی مگر اُس کے لیے جس کے لیے وہ اجازت دے دے۔‘‘

﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ط ﴾ (البقرۃ: ۲۵۵)

’’کون ہے جو اُس کے پاس اس کے اذن کے بغیر شفاعت کرے؟‘‘

﴿ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ط ﴾ (یونس: ۳)

’’اس کی بارگاہ میں اُس کے اذن کے بغیر کوئی بھی شفاعت کرنے والا نہیں ہے۔‘‘

﴿ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ط ﴾ (السجدۃ: ٤)

’’اس کے سوا نہ تمہارا کوئی ولی (کارساز) ہے۔ اور نہ کوئی شفاعت کرنے والا۔‘‘

﴿ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ ﴾ (یونس: ۱۸)

’’اور وہ اللہ کو چھوڑ کر اُن چیزوں کو پوجتے ہیں جو انہیں نہ نقصان پہنچا سکتی ہیں اور نہ نفع اور وہ کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں (اے نبی صلی

اللہ علیہ وسلم!) کہہ دیجیے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جس کو وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے نہ زمین میں، وہ بہت پاک اور بلند ہے اُس شرک سے جو وہ کرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ صاحبِ یٰسین سرورِ عالم ﷺ کے متعلق فرماتا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

﴿ وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ءَ اَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنَ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ۝ ﴾

(یٰسٓ: ۲۲،۲۵)

'' مجھے کیا ہوگیا ہے کہ میں اُس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور تمہیں اس کی طرف لوٹنا ہے۔ کیا اللہ کو چھوڑ کر میں ایسے معبود بنالوں کہ ربّ رحمٰن مجھے کوئی تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرے تو اُس کی سفارش مجھے کوئی فائدہ نہ دے اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں۔ تب تو میں کھلی کھلی گمراہی میں ہوں گا۔ میں تمہارے پروردگار پر ایمان لایا ہوں۔ پس میری بات سنو۔''

شفاعت کی دو قسمیں

شفاعت کی دو قسمیں ہیں، پہلی قسم وہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ نفی فرماتا ہے لیکن مشرکین اور امت مسلمہ میں سے ان کے ہم مشرب لوگ اثبات کرتے ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے جس میں شفیع اللہ تعالیٰ کے اذن سے شفاعت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شفاعت کا اپنے نیک بندوں کے لیے اثبات کرتا ہے۔ لہٰذا سید الشفعاء حضرت محمد ﷺ سے جب لوگ قیامت کے دن شفاعت کی درخواست کریں گے تو آپ اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ:

((فَاَحْمَدُ رَبِّیْ بِمَحَامِدِ یَفْتَحُهَا عَلَیَّ لَا اُحْسِنُهَا الْاٰنَ فَیُقَالُ اَیْ مُحَمَّدُ ﷺ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ.)) ❶

''میں اپنے رب کی ایسی صفات کے ساتھ تعریف کروں گا جو اس وقت مجھ پر کھولی جائیں گی۔ آج میں اُن کو نہیں جانتا۔ پھر کہا جائے گا کہ اے محمد ﷺ! اپنا سر اوپر اٹھا اور کہہ تیری بات سنی جائے گی۔ مانگ تجھے دیا جائے گا۔ اور شفاعت کر تیری شفاعت قبول کی جائے گی۔''

چنانچہ جب حضور ﷺ کو شفاعت کی اجازت مل جائے گی تو آپ شفاعت فرمائیں گے۔

اس مذکورہ بالا قول کے قائل کا کہنا ہے کہ: ''آپ ﷺ سے توسل اور استشفاع سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کی غیر حاضری میں یا آپ کے وصال کے بعد بھی آپ کا وسیلہ اور آپ سے شفاعت (دُعا) کی درخواست جائز اور مشروع ہے درآنحالیکہ آپ طالب وسیلہ و شفاعت کے حق میں دُعا نہ فرمارہے ہوں۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ جو شخص آنحضرت ﷺ کی عدم موجودگی میں یا آپ کی رحلت کے بعد آپ کو وسیلہ بناتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کو آپ کی قسم دلاتا ہے۔ یا پھر آپ کی ذات کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان دونوں صورتوں میں فرق کرتے تھے۔ یہ اس لیے ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی حیاتِ مبارکہ میں طالب وسیلہ کے حق میں دُعا فرمایا کرتے تھے اور آپ کی دُعا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمام مخلوق کی دُعاء سے افضل تھی۔ آپ چونکہ تمام مخلوقات سے افضل ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کو اعلیٰ وارفع مقام حاصل ہے۔ اس لیے کسی شخص کے حق میں آپ کی دُعا اور شفاعت ہر اُس دُعا اور شفاعت سے افضل ہے جو مخلوق کسی دوسری مخلوق کے حق میں کرسکتی ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کو جس کے حق میں رسول اللہ ﷺ نے

❶ انظر الحدیث: ۱۳۳

دُعا کی ہو نہ شفاعت، کسی ایسے شخص کا ہم پلہ کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے جس کے حق میں آنحضرت ﷺ نے دُعا و شفاعت فرمائی ہو۔ جو شخص ان دونوں شخصوں کے درمیان تفریق و امتیاز نہیں کرتا اور اول الذکر وسیلہ کو موخر الذکر وسیلہ کے مانند سمجھتا ہے وہ بدترین گمراہ شخص ہے۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں اُن سے دُعا کی درخواست کرنے اور آپ کی دُعا کو وسیلہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ یہ سراسر خیر ہے جس میں شر کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ اس وسیلہ میں نہ کوئی خطرہ ہے نہ مفسدہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی نبی بھی اپنی زندگی میں اپنی موجودگی میں پوجا نہیں گیا، کیونکہ جو شخص بھی نبی کی عبادت کرنا چاہتا ہے اور اُس کو اللہ تعالیٰ کا شریک و سہیم بنانے کی جسارت کرتا ہے، نبی فوراً اس کو اس سے منع فرما دیتا ہے حتی کہ معمولی سے شرک کو بھی وہ گوارا نہیں فرماتا۔ مثلاً ایک شخص نے جب نبی اکرم ﷺ کے حضور سجدہ بجا لانا چاہا تو آپ نے اسے سجدہ سے منع فرما دیا۔ [1]

نیز نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

((لَا تَقُوْلُوْا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَشَآءَ مُحَمَّدٌ ﷺ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا: مَا شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَآءَ مُحَمَّدٌ ﷺ.)) [2]

یہ نہ کہا کرو کہ ''جو کچھ اللہ چاہے اور محمد ﷺ چاہے۔'' بلکہ یوں کہا کرو کہ:

''جو کچھ اللہ چاہے پھر محمد ﷺ چاہے۔''

اسی طرح کے دوسرے کلمات سے بھی آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

وصال کے بعد حضور ﷺ سے دُعا

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ سے دُعا کی درخواست درست نہیں ہے۔

---

[1] دلائل النبوة لابی نعیم (۲۹۱) عن ابی بریدة رضی اللّٰه عنه، ذکر اخبار اصبهان لابی نعیم ۱۰۳/۲ عن سلمان رضی اللّٰه عنه موارد الظمآن (۱۲۹۱) عن ابی هريرة رضی اللّٰه عنه ارواء الغلیل للالبانی (۱۹۹۸).

[2] انظر الحدیث (۱۳۹).

اس میں فتنہ اور شرک کے مرض سر چھپائے ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت مسیح اور عزیر علیہما السلام کی وفات کے بعد لوگوں نے اُن کی قبور کے پاس اُن کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنالیا۔ لہٰذا نبی آخر الزمان ﷺ نے فرمایا:

((لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ، فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدٌ فَقُوْلُوْا: عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ.))[1]

''مجھے اتنا نہ بڑھانا جتنا عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بڑھایا۔ میں تو صرف ایک بندہ ہوں پس مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ﷺ کہو۔''

((اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُّعْبَدُ.))[2]

''اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا جس کی پوجا ہونے لگے۔''

((لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَآءِ ھُمْ مَّسْجِدًا.))[3]

''اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے انہوں نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی قبور کو سجدہ گاہ بنالیا۔''

راوی کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ لوگ یہود و نصاریٰ کی مشابہت سے احتراز کریں۔

دو بنیادی اصول

المختصر اس سے واضح ہوا کہ اس باب میں دو بڑی بنیادیں موجود ہیں۔ پہلی یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، دوسری یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت اسی طریقہ سے بجا لائیں جو شریعت نے ہمیں بتایا ہے۔ بالفاظِ دیگر کسی بدعی عبادت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی

[1] انظر الحدیث (۱۶۲). [2] الموطا للمالك، کتاب قصر الصلاۃ فی السفر (۸۵) عن عطاء بن یسار مرسلاً، مسند احمد: ۲/۲۴۶، مسند الحمیدی (۱۰۲۵)، عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ.

[3] صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، (۴۳۵، ۴۳۶)، صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النھی عن بناء المسجد علی القبور ...... (۵۲۹، ۵۳۱)، نیز حدیث (۱۶۰) کی تخریج دیکھیں۔

پرستش نہ کریں۔ یہ دونوں بنیادی اصول کلمۂ شہادت ((اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ.)) سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اُس نے انسانوں کو اس لیے پیدا کیا کہ

﴿ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ ﴾ (الملك: ۲)

''تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے۔''

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ کہا: ((اَخْلَصُهٗ وَاَصْوَبُهٗ))... ''یعنی سب سے زیادہ مخلص اور سب سے زیادہ درست۔'' لوگوں نے دریافت کیا کہ: ''اے ابوعلی! ((اَخْلَصُهٗ وَاَصْوَبُهٗ)) سے کیا مراد ہے؟'' انہوں نے فرمایا کہ جب عمل تو خالص ہو لیکن درست نہ ہو تو وہ مقبول نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب عمل ظاہراً درست ہوتا ہے لیکن اس میں اخلاص نہیں ہوتا وہ بھی قبول نہیں ہوتا۔ حتی کہ جب وہ خالص اور درست ہو جاتا ہے تو شرفِ قبولیت پالیتا ہے۔ عمل خالص سے مراد یہ ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے لیے کیا جائے اور عمل صواب یہ ہے کہ اسے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق انجام دیا جائے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ثابت ہے:

﴿ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝ ﴾ (الكهف: ۱۱۰)

''جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی دُعا میں کہا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِيْ عَمَلِيْ كُلَّهٗ صَالِحًا وَّاجْعَلْهُ لِوَجْهِكَ خَالِصًا وَّلَا تَجْعَلْ لِاَحَدٍ فِيْهِ شَيْئًا.))

''اے اللہ! میرے سارے عمل کو صالح بنادے اور اسے اپنی رضا کے لیے

خالص کر لے او. اس میں کسی کے لیے کوئی حصہ نہ بنا۔"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ط ﴾

(الشوریٰ: ٢١)

"لیکن ان لوگوں کے کچھ شریک ہیں جنھوں نے دین میں کچھ ایسی باتیں مقرر کر دی ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔"

بدعت اور سنت سے انحراف

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

((مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ.)) [1]

"جس نے ہمارے امر (دین) میں ایسی بات گھڑی جو اس دین میں نہیں ہے وہ (بات) مردود ہے۔"

ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ.)) [2]

"جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔"

صحیح بخاری میں ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((اَنَا اَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا اَشْرَكَ فِيْهِ غَيْرِيْ فَاَنَا مِنْهُ بَرِيْءٌ وَهُوَ كُلُّهُ لِلَّذِيْ اَشْرَكَ.)) [3]

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود (٢٦٩٧). صحیح مسلم، کتاب الأقضیة، باب نقض الامور الاحکام الباطلة ورد محدثات الامور (١٧١٨).

[2] صحیح البخاری، کتاب الاعتصام، باب اذا اجتهد العالم او الحاکم فاخطا خلاف الرسول من غیر علم، قبل الحدیث (٧٣٥٠، ٧٣٥١) تعلیقًا صحیح مسلم ایضًا (١٨/ ١٧١٨).

[3] مسند احمد: ٣٠١/٢، صحیح مسلم، کتاب الزهد، باب تحریم الریاء (٢٩٨٥). سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، باب الریاء والسمعة (٤٢٠٢).

''میں شرک کے بارے میں تمام شریکوں سے بے نیاز ہوں جو شخص کوئی عمل کرتا اور اس میں اللہ کے سوا دُوسروں کو شریک ٹھہراتا ہے میں اُس سے بری الذمہ ہوں۔ وہ (عمل) سارے کا سارا اُس کے لیے ہے جس کو اُس نے شریک ٹھہرایا۔''

عبادت کی دو بنیادیں

اسی لیے فقہاء کا قول ہے کہ عبادات کی بنیاد نص پر قائم ہے رائے اور قیاس پر نہیں۔ مثلاً صحیحین میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو بوسہ دیا تو کہا:

((وَاللّٰهِ اِنِّیُ لَاَعْلَمُ اَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ، وَلَوْ لَا اِنِّیُ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یُقَبِّلُكَ لَمَا قَبَّلْتُكَ.)) ❶

''اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ تو صرف ایک پتھر ہے جو نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع۔ اگر میں رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا تو تجھے ہرگز نہ بوسہ دیتا۔''

اللہ تعالیٰ نے ہمیں رسولِ مقبول ﷺ کی اتباع و اطاعت کا حکم دیا ہے اُن سے محبت و موالات کی تعلیم دی ہے اور دُنیا و ما فیہا کی ہر چیز سے بڑھ کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو محبوب رکھنے کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و محبت کو اللہ تعالیٰ کی محبت و کرامت کو ضامن قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ ﴾ (اٰل عمران: ۳۱)

''اے نبی ﷺ! کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت چاہتے ہو تو میری اتباع کرو

---

❶ صحیح البخاری، کتاب الحج، باب ما ذکر فی الحجر الاسود (۱۵۹۷)، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب تقبیل الحجر الاسود فی الطواف (۱۲۷۰).

اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا۔''

نیز اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں فرماتے ہیں:

﴿ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ﴾ (النور: ٥٤)

''اگر تم اُس (رسول) کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا لو گے۔''

﴿ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴾ (النساء: ١٣)

''اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا اللہ اُن کو باغوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اُس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔''

قرآن حکیم میں اس طرح کی مثالیں اَن گنت ہیں۔

کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ سنت رسول ﷺ سے سرِ مو انحراف کرے اور شریعت کے مقررہ راستے سے ہٹے۔ کتاب و سنت اس امر پر دلالت کرتی ہیں اور امت کے سلفِ صالحین کا اسی پر عمل رہا ہے۔ ہر شخص کو وہی کہنا چاہیے جس کا اُسے علم ہے اور جس بات کا اسے علم نہیں ہے اس کے متعلق اسے خاموشی اختیار کرنی چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ کی دُعائیں

صحیح احادیثِ نبویہ میں وہ سب چیزیں مذکور ہیں جن کے حوالہ سے نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے تھے، مثلاً آپ دُعا مانگا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدُ. لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ يَا حَيُّ يَا

قَیُّوْمُ .)) ❶

''اے اللہ! میں تجھ سے سوالی ہوں کیونکہ ساری تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں کوئی معبود نہیں مگر تو ہی منان اور زمین و آسمان کو پیدا کرنا والا ہے، یا ذالجلال والاکرام، یا حی یا قیوم۔''

غیر اللہ کی قسم

تمام علمائے امت کا اتفاق ہے کہ غیر اللہ کی قسم منعقد نہیں ہوتی۔ یہ مخلوقات کی قسم کھانے کے مترادف ہے۔ قسم خواہ خانہ کعبہ اور ملائکہ کی کھائی جائے یا کسی شیخ و پیرو بادشاہ کی کھائی جائے وہ نافذ العمل نہیں ہوتی اور نہ شریعت نے اس کی اجازت ہی دی ہے بلکہ اس سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ مخلوق کی قسم کھانا یا تو نہی تحریمی ہے یا نہی تنزیہی۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ کَانَ حَالِفًا فَلْیَحْلِفْ بِاللّٰہِ اَوْ لِیَصْمُتْ .)) ❷

''جسے قسم کھانی ہو اسے اللہ کی قسم کھانی چاہیے ورنہ خاموش رہے۔''

ترمذی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اللّٰہِ فَقَدْ اَشْرَکَ .)) ❸

''جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔''

علمائے متقدمین میں سے کسی نے بھی یہ فتویٰ نہیں دیا کہ کسی مخلوق کی قسم منعقد ہو جاتی ہے......صرف نبی مکرم ﷺ کی قسم کھانے میں اختلاف ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے

---

❶ سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب الدعاء، (۱۴۹۵)، سنن النسائی، کتاب السهو، باب الدعاء بعد الذکر (۱۳۰۱). ❷ صحیح البخاری، کتاب الادب، باب من لم یر اکفار من قال ذلك متأولاً او جاهلاً (۳۲۰۸). صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب النهی عن الحلف بغیر الله تعالی (۱۲۴۶).

❸ مسند احمد (۴۷/۱)، سنن ابی داؤد، کتاب الایمان والنذور (۳۲۵۱)، سنن الترمذی، النذور والایمان، باب ماجاء فی کراهیة الحلف بغیر الله (۱۵۳۵).

دو روایتیں منقول ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی قسم منعقد ہو جاتی ہے۔ امام احمد کے شاگرد مثلاً ابن عقیل رحمہ اللہ بھی اس کے قائل ہیں لیکن یہ ضعیف قول ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی قسم کے انعقاد کے بارے میں جو اصل روایت ملتی ہے وہ ضعیف اور شاذ ہے۔ جہاں تک ہمیں علم ہے کسی عالم نے اس کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا۔ جمہور علماء مثلاً امام مالک، شافعی اور ابوحنیفہ رحمہم اللہ کا مسلک یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی قسم نافذ العمل نہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت اسی مفہوم کی مروی ہے اور یہی روایت صحیح اور مستند ہے۔ [1]

مخلوق سے پناہ مانگنا

اسی طرح مخلوق سے پناہ مانگنا بھی جائز نہیں ہے صرف اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور اُس کی صفاتِ حمیدہ کے ساتھ پناہ مانگنا چاہیے۔ اسی بناء پر سلف صالحین مثلاً امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ استدلال کرتے ہیں کہ کلام اللہ قرآن مجید مخلوق نہیں۔ اس ضمن میں وہ سرورِ دو عالم ﷺ کا یہ فرمان بطورِ حجت پیش کرتے ہیں:

((اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ.)) [2]

''میں اللہ کے مکمل کلمات کی پناہ مانگتا ہوں۔''

مذکورہ الفاظ کی بناء پر علمائے سلف کا یہ کہنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کلمات کی پناہ مانگی ہے حالانکہ وہ مخلوق سے پناہ نہیں مانگتے تھے۔ صحیح حدیث میں روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَا بَأْسَ بِالرُّقٰى مَا لَمْ تَكُنْ شِرْكًا.)) [3]

''تعویذ گنڈے میں کوئی حرج نہیں جب تک وہ شرک نہ ہوں۔''

آنحضرت ﷺ نے ایسے تعویذ گنڈے اور جھاڑ پھونک سے منع فرمایا ہے جس میں

---

[1] المغنی لابن قدامه: ۴۷۲/۱۳.

[2] صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فی التعوذ من سوء القضاء ودرك الشقاء وغیرہ (۲۷۰۸).

[3] صحیح مسلم، کتاب السلام، باب لا باس بالرقی ما لم یکن فیه شرك (۲۲۰۰).

اللہ تعالیٰ سے شرک پایا جاتا ہو مثلاً وہ تعویذ اور جھاڑ پھونک جائز نہیں ہے جس میں ملائکہ سے استعاذہ ہو جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝ ﴾ (جنّ: ٦)

''اور بعض انسان بعض جنات کی پناہ پکڑا کرتے تھے (اس سے) اُن کی سرکشی اور بڑھ گئی۔''

لہٰذا علماء نے اُن تمام تعویذوں اور ٹونوں سے منع کر دیا ہے جن کو لوگ مرگی اور دیگر امراض میں استعمال کرتے ہیں کیونکہ ان میں شرک کی آمیزش ہوتی ہے بلکہ علمائے دین نے اُن تمام ٹونوں وغیرہ سے منع کر دیا ہے جن کے معنی آدمی نہ سمجھ سکتا ہو، مبادا اُن میں شرک کی آلائش موجود ہو، اس کے برعکس جو تعویذ گنڈے شریعت میں پائے جاتے ہیں اُن کا استعمال جائز اور درست ہے۔ اس طرح واضح ہو گیا کہ مطلقاً مخلوق کی قسم کھانا اور اللہ عزوجل کے سوا دوسروں کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔

غیر اللہ کے حوالہ سے سوال

جو شخص غیر اللہ کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے وہ یا تو اللہ تعالیٰ کو غیر اللہ کی قسم دلاتا ہے یا اُس مخلوق کے بسبب اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز طلب کرتا ہے جیسا کہ تین اشخاص نے اپنے اعمال کو وسیلہ بنایا جیسا کہ نبی اکرم ﷺ اور صلحاء امت کی دعا کو وسیلہ بنایا جاتا ہے۔ اگر پہلی صورت ہو یعنی کسی غیر اللہ کی اللہ کو قسم دلائی جائے تو جاننا چاہیے کہ شریعت اس کو جائز نہیں سمجھتی۔ اگر اس سے مراد ایسے سبب کے ذریعہ توسل ہے جس سے دُعا مقبول ہوتی ہے تو یہ توسل جائز ہے، اس توسل کی چند مثالیں یہ ہیں:

۱۔ ایسے اعمال کو وسیلہ بنانا جن میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت پائی جاتی ہو۔

۲۔ ایمان بالرسالت کو وسیلہ بنانا۔

۳۔ نبی اکرم ﷺ کی صحبت، محبت وغیرہ کو وسیلہ بنانا۔

البتہ اگر مجرد انبیاء علیہم السلام کی ذات کو وسیلہ بنایا جائے تو شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

بیشتر علمائے دین نے اس کی ممانعت فرمائی ہے اور کہا ہے کہ یہ جائز نہیں ہے بعض نے اس سلسلہ میں رخصت بھی دی ہے لیکن اول الذکر قول ہی زیادہ قابلِ ترجیح ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسے سبب کے توسط سے دُعا ہے جو قبولیت کا موجب نہیں ہے۔ اس کے برعکس ایسے سبب کو وسیلہ بنانا جس کے ذریعہ گو ہر مطلوب حاصل ہوتا ہو جائز ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ سے صلحاء کی دُعا کے ذریعہ توسل اور اعمالِ صالحہ کے ذریعہ توسل۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صلحاء کی دُعا ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کے ثواب کا سبب ہے۔ جب ہم اُن صلحاء کی دُعا اور اپنے نیک اعمال کو وسیلہ بناتے ہیں تو ہم اللہ تعالیٰ کے حضور طالب وسیلہ ہوتے ہیں، خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ط ﴾

(المائدہ: ۳۵)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے حضور وسیلہ تلاش کرو۔''

یہاں پر اعمالِ صالحہ کو وسیلہ گردانا گیا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ ط ﴾

(بنی اسرائیل: ۵۷)

''جن لوگوں کو یہ شریک پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کے ہاں (تقرب) کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔''

انبیاء وصلحاء کی ذات کا وسیلہ

اگر ہم اللہ سبحانہٗ کی بارگاہ میں انبیاء وصلحا کی دُعا کو وسیلہ نہیں بناتے بلکہ مجرد اُن کی ذات کو وسیلہ بناتے ہیں تو یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ وسیلہ ہماری دُعا کی مقبولیت کا سبب نہیں بن سکتا۔ گویا ہم بغیر کسی وسیلہ کے اللہ تعالیٰ سے دُعا کر رہے ہیں۔ ایسا وسیلہ کسی صحیح روایت کے ذریعہ نبی اکرم ﷺ سے منقول نہیں ہے اور نہ ہی سلف صالحین کے ہاں معروف ہے۔ منسک المرودی میں احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ایک دعا منقول ہوئی ہے جس سے نبی اکرم ﷺ سے سوال کا جواز ملتا ہے۔ غالباً یہ آپ کی قسم کے جواز میں مروی دو روایتوں میں سے ایک روایت ہے لیکن عظیم المرتبت علماء ان دونوں باتوں سے منع فرماتے ہیں۔

بلاشبہ انبیاء علیہم السلام کو بارگاہِ الٰہی میں عظیم الشان عزت وتکریم حاصل ہے جیسا کہ اوپر ذکر گزر چکا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے اعلیٰ وارفع مقام کا ذکر کیا ہے لیکن اُن کے بلند مرتبہ ومقام کا نفع صرف انہیں ہی پہنچتا ہے کسی دُوسرے شخص کو نہیں پہنچتا۔ اسی لیے ہم اُن کی اتباع اور اُن کے ساتھ اپنی محبت کے واسطہ سے نفع کی درخواست کرتے ہیں۔ جب ہم اپنے نبی ﷺ پر ایمان، اُن کے ساتھ اپنی محبت وموالات اور اُن کی سنت کو اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ ٹھہراتے ہیں تو ہم سب سے بڑے وسیلہ کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرتے ہیں۔ لیکن اگر ہم آنحضرت ﷺ پر ایمان اور اُن کے احکامات کی اطاعت کو نظر انداز کر کے آپ کی ذات کو وسیلہ بناتے ہیں تو ہمارا یہ فعل جائز اور مشروع نہیں ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک انسان کو کس چیز کو وسیلہ بنانا چاہیے۔

انسان جب کسی کو کسی کے پاس وسیلہ بناتا ہے تو وہ اس کے پاس شفاعت کی درخواست کرتا ہے مثلاً ایک آدمی کسی دوسرے آدمی کے والد یا اس کے دوست سے عرض کرتا ہے کہ: ''میرے لیے اُس کے پاس سفارش کریں۔'' یہ بالکل جائز ہے یا پھر وہ شخص کسی شخص کو دُوسرے شخص کی قسم دلاتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی قسم دلانا جائز نہیں اور نہ

مخلوق کو مخلوق کی قسم دلانا ہی جائز ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ انسان ایسے سبب کو وسیلہ بناتا ہے جو حاجت روائی کا موجب ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ط ﴾ (النساء: ۱)

''اور اللہ سے ڈرو جس کے ذریعہ تم ایک دُوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتہ داروں (ارحام) کا بھی خیال رکھو۔''

اس پر تفصیلی کلام آئندہ صفحات میں کیا جائے گا۔

یہ واضح ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو غیر اللہ کی قسم دلانا جائز نہیں ہے اور نہ اصولی طور پر مخلوق کی قسم کھانا ہی جائز ہے۔ رہا اللہ تعالیٰ کے حضور اُن لوگوں کی شفاعت کو وسیلہ بنانا جنہیں شفاعت کی اجازت دی گئی ہے تو یہ جائز ہے۔ نابینا صحابی رحمہ اللہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے لیے دُعا کی درخواست کی تھی جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بارش کے لیے آپ سے درخواست کیا کرتے تھے۔ نابینا صحابی نے یہ دُعا مانگی تھی:

((اَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ ﷺ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ.))

''(اے اللہ!) میں تیری طرف تیرے نبی رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے متوجہ ہوتا ہوں۔''

بالفاظِ دیگر وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ ''اے اللہ! میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا اور سفارش کو وسیلہ بناتا ہوں۔'' اسی لیے نابینا صحابی نے اپنی دُعا ان الفاظ پر ختم کی:

((اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ.))

''اے اللہ! میرے حق میں اُن کی شفاع قبول فرما۔''

پس حدیث میں جو کچھ بیان ہوا ہے تمام علمائے امت اُس کے جواز پر متفق ہیں اور ہماری بحث سے خارج ہے۔

ایک آیت کی تحقیق

اللہ تعالیٰ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ط ﴾ (النساء: ۱)

''اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، اور رشتہ داروں کا بھی خیال رکھو۔''

جمہور علماء کی قرأت کے مطابق ارحام پر نصب (زبر) ہے۔ اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ لوگوں کو صرف اللہ تعالیٰ کے واسطہ سے سوال کرنا چاہیے اور رشتہ داری کو واسطہ نہیں بنانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے واسطہ سے سوال کرنے میں اللہ تعالیٰ کے واسطہ سے بعض کو بعض کی قسم دلانا اور اللہ کے نام پر عہد کرنا شامل ہے۔ بعض قراء نے اَرْحَام کو مجرور (یعنی زیر سے) پڑھا ہے۔ اس قرأت کی بناء پر سلف کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ عرب ایک دوسرے سے اللہ تعالیٰ اور رشتہ داری کے واسطہ سے سوال کیا کرتے تھے۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی خبر دی گئی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر یہی معنی مراد ہوں تو یہ رشتہ داری کے واسطہ سے سوال کرنے کے جواز کی دلیل نہیں ہے۔ اگر یہ اس کے جواز پر دلیل بھی ہو تو ((أَسْأَلُكَ بِالرَّحِمِ.)) ''یعنی میں تجھے رشتہ داری کا واسطہ دیتا ہوں۔'' سے رشتہ داری کی قسم دلانا لازم نہیں آتا۔ اس مقام پر قسم دلانے کی گنجائش ہی نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ''میں رشتہ داری کے سبب سے سوال کرتا ہوں۔'' یہ اس لیے کہ رشتہ داری کی بنا پر بعض لوگوں پر بعض لوگوں کے حقوق ہوتے ہیں جن کو پورا کرنا واجب ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر غار میں محصور اشخاص نے اپنے اعمالِ صالحہ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ ٹھہرایا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دُعا اور سفارش کی درخواست کیا کرتے تھے۔ اسی ضمن میں امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے چچازاد بھائی عبداللہ بن جعفر جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حق کے حوالہ سے کوئی سوال کرتے تو

حضرت علی اسے پورا کردیتے۔ اس سے قسم دلانا لازم نہیں آتا کیونکہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی بجائے اللہ تعالیٰ کی قسم دلانا لازم نہیں آتا کیونکہ حضرت جعفر کی بجائے اللہ تعالیٰ کی قسم دلانا زیادہ اہم ہے۔ اس روایت سے صرف رشتہ داری کے حق کے ذریعہ سوال کرنا ثابت ہے کیونکہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حق تھا۔

بحق سائلین سوال کرنا

اس باب میں ابن ماجہ نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کی غرض سے گھر سے نکلتے تو یہ دُعا پڑھتے۔

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْكَ وَبِحَقِّ مَمْشَایَ ھٰذَا فَاِنِّیْ لَمْ اَخْرُجْ اَشَرًّا وَّلَا بَطَرًا وَّلَا رِیَاءً وَّلَا سُمْعَةً وَلٰكِنْ خَرَجْتُ اِتِّقَاءَ سَخَطِكَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِكَ وَاَنْ تَغْفِرَلِیْ ذُنُوْبِیْ، فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ.))[1]

”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس حق کے واسطہ سے جو سائلین کا تجھ پر ہے اور اپنے اس سفر کے حق کے واسطہ سے میں (گھر سے) فساد، تکبر، ریا اور شہرت کی غرض سے نہیں نکلا بلکہ تیرے غضب کے ڈر سے اور تیری رضا کی تلاش میں نکلا ہوں اور اس لیے کہ تو میرے گناہ معاف کردے، کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہ معاف کرنے والا نہیں ہے۔“

اس روایت کی اسناد میں ایک عطیہ العوفی نامی راوی بھی ہے جو ضعیف ہے لیکن اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس کی دو توجیہیں ہیں۔

اول یہ کہ اس میں سائلوں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں بھاگ دوڑ کرنے والوں کے حق کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا پایا جاتا ہے۔ سائلوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ وہ ان

---

[1] انظر الحدیث (۸۳).

کے سوال کو پورا کرے اور اطاعت الٰہی میں سرگرم لوگوں کا اس پر یہ حق ہے کہ وہ ان کو اجر و ثواب سے نوازے۔ یہ سارے حقوق اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر خود ہی واجب کر لیے ہیں۔ مخلوق اپنے خالق پر کوئی حق واجب نہیں ٹھہرا سکتی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ط ﴾ (الانعام: ٥٤)

''تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت کو واجب کر لیا ہے۔''

﴿ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ٥ ﴾ (الروم: ٤٧)

''اور ایمان والوں کی نصرت کرنا ہم پر حق ہے۔''

﴿ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ ط ﴾ (التوبة: ١١١)

''یہ تورات اور انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے، جسے پورا کرنا اسے ضروری ہے اور اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا اور کون ہے؟''

صحیح بخاری میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((حَقُّ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهٖ اَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا، وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ اِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ اَنْ لَّا يُعَذِّبَهُمْ.))[2]

''اپنے بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا اللہ تعالیٰ پر حق یہ ہے کہ جب وہ یہ کام کریں تو اللہ اُن کو عذاب نہ دے۔''

صحیح بخاری میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ

---

[1] انظر الحدیث (۸۳).

[2] صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب ارداف الرجل خلف الرجل (٥٩٦٧)، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من مات علی التوحید دخل الجنة قطعاً (٣٠).

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((يَا عِبَادِيْ! اِنِّيْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِيْ وَجَعَلْتُهٗ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا، فَلَا تَظَالَمُوْا.)) [1]

''اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام ٹھہرالیا ہے اور اسے تمہارے درمیان بھی حرام کردیا ہے پس ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔''

جب سائلوں اور عابدوں کا حق یہ ہے کہ ان کا سوال پورا ہو اور انہیں ثواب سے نوازا جائے تو ایسے حق کے حوالہ سے سوال کرنا درست اور نافع ہے۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی دُعا ہے اور اعمالِ صالحہ کے حوالہ سے پناہ مانگنا جائز ٹھہرتا ہے، آپ کی دُعا کے الفاظ ہیں:

((اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ، لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ، اَنْتَ كَمَا عَلٰى نَفْسِكَ.)) [2]

''(اے اللہ!) میں تیرے غصہ سے تیری رضا کی تیری سزا سے تیری بخشش کی پناہ مانگتا ہوں اور میں تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں میں تیری تعریف کا احاطہ نہیں کرسکتا، تو ویسا ہی ہے جیسی تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔''

پس جس طرح اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے جو کہ خود اُسی کا فعل ہے پناہ مانگنا درست ہے اسی طرح ثواب کے حوالہ سے جو کہ اس کا دوسرا فعل ہے دُعا کرنا جائز ہے۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنا اور اسی کے لیے عمل کرنا تاکہ اُس کے بند کی مراد پوری ہو۔ نبی اکرم ﷺ اور صلحائے اُمت کی دُعا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بنانے کی مانند ہے جیسا کہ ذکر گزر چکا ہے۔ نبی اکرم ﷺ اور صلحاء کے واسطہ سے دُعا کرنے کا مطلب یا تو اللہ تعالیٰ کو ان ہستیوں کی قسم دلانا ہے یا ان کو اپنے وسیلہ کا سبب بنانا

---

[1] صحیح مسلم، کتاب البرّ، باب تحریم الظلم (۲۵۷۷).

[2] صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب ما یقال فی الرکوع والسجود (٤٨٦).

ہے، اسی لیے حدیث کے الفاظ ((بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْكَ.)) سے اگر مقصود قسم دینا ہے تو یہ جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو خود اُسی کی ذات کی قسم دینا جائز ہے۔ اگر ان الفاظ سے مراد سائلوں کے حق کو سبب قرار دینا ہے تو یہ ایک سبب ہے جسے خود اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔ یہ سبب اللہ تعالیٰ سے دُعا اور اس کی عبادت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ پس واضح ہوگیا کہ یہ تمام صورتیں ایک دُوسرے کے مشابہ ہیں۔ ان میں سے کسی صورت میں بھی مخلوق سے سوال کرنا جائز نہیں ہے جب کہ اُس نے دُعا نہ کی ہو اور ہماری طرف سے کوئی نیک عمل بھی سرانجام نہ پایا ہو۔

جب کسی شخص کے لیے یہ کہنا جائز نہیں کہ ''میں ملائکہ، انبیاء اور صلحاء کے حق کے طفیل تجھ سے سوال کرتا ہوں۔'' تو ان ہستیوں کی قسم کھانا بھی جائز نہیں ہے جب مخلوق کو مخلوق کی قسم دلانا بھی جائز نہیں ہے تو پھر خالق کو مخلوق کی قسم دلانا کیونکر جائز قرار پاسکتا ہے لیکن اگر وہ کہتا ہے کہ میری مراد قسم دینا نہیں بلکہ اُن کے حق کو اجابت دُعا کا سبب بنانا ہے تو جان لینا چاہیے کہ ان برگزیدہ ہستیوں کی مجرد شخصیات میں کوئی سبب نہیں ہے جو حصولِ مقصود کا باعث ہو۔ حصولِ مراد کا صرف یہی ایک ذریعہ ہے کہ فرشتوں اور نبیوں پر ایمان لایا جائے یا وہ خود کسی کے حق میں دُعا فرمائیں لیکن بہت سے لوگ ان بزرگوں کی ذات کو وسیلہ بنانے کے عادی ہیں جس طرح وہ اُن کی قسمیں کھانے کے عادی ہیں حتی کہ اُن سے کوئی شخص یہاں تک کہہ دیتا ہے کہ ''اللہ پر تیرے حق کی قسم'' اور ''اللہ تعالیٰ پر اس بڑھاپے کی قسم۔''

اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ ''الٰہی! میں بحقِ فلاں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔'' اور اس سے اُس کی مراد اس شخصیت پر ایمان اور اس کے ساتھ اپنی محبت کو وسیلہ بنانا ہوتا ہے تو ایسا وسیلہ سب سے بڑا وسیلہ ہے۔ جو شخص ان الفاظ کے یہ معنی لیتا ہے تو یہ معنی بالکل صحیح اور درست ہیں لیکن اکثر لوگ یہ معنی نہیں لیتے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ ''الٰہی! میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان کو وسیلہ بناتا ہوں۔'' یا وہ یوں کہتا ہے کہ ''الٰہی! میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان

اور اس کے ساتھ اپنی محبت کو وسیلہ بناتا ہوں'' تو وہ بہترین چیز پر عمل پیرا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو یہ دُعا قرآنِ مجید میں بیان فرمائی ہے:

﴿ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْعَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ ﴾

(آل عمران: ۱۹۳)

''اے پروردگار! ہم نے ایک ندا کرنے والے کو سنا کہ ایمان کے لیے پکار رہا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ پس ہم ایمان لے آئے۔ پس ہمارے گناہ معاف فرمادے اور ہم سے ہماری برائیاں دُور کردے اور ہمیں نیکوکاروں کے ساتھ (دُنیا سے) اٹھا۔''

﴿ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ ﴾ (المؤمنون: ۱۰۹)

''میرے بندوں میں ایک گروہ تھا جو دُعا کیا کرتا تھا کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں پس تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو سب سے بہترین رحم کرنے والا ہے۔''

﴿ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ ﴾ (آل عمران: ۱٦)

''وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں۔ پس ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔''

﴿ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ ﴾

(آل عمران: ۵۳)

''ہمارے پروردگار! جو کچھ تو نے نازل کیا ہے ہم اس پر ایمان لائے اور

رسول ﷺ کی اتباع کی پس ہمیں گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے۔"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ درجِ ذیل دُعا مانگا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اَمَرْتَنِیْ فَاَطَعْتُ، وَدَعَوْتَنِیْ فَاَجَبْتُ وَهٰذَا سَحَرٌ فَاغْفِرْلِیْ.))

"اے اللہ! تو نے مجھے حکم دیا تو میں نے اطاعت کی اور تو نے مجھے بلایا تو میں نے سن لیا اور یہ سحر کا وقت ہے پس مجھے بخش دے۔"

اسی سلسلہ میں یہ حدیث بھی مروی ہے کہ تین آدمیوں کو بارش نے گھیر لیا، انہوں نے ایک غار میں پناہ لی اور ایک پتھر غار کے سامنے آ گیا پھر انہوں نے اللہ سبحانہٗ کو پکارا اور اپنے اعمالِ صالحہ کا واسطہ دیا، اس پر وہ پتھر وہاں سے ہٹ گیا۔" یہ روایت صحیح بخاری اور مسلم دونوں میں موجود ہے۔ [1]

مردہ زندہ ہوگیا:

ابوبکر بن ابی دنیا، خالد بن خراش العجلانی، اسماعیل بن ابراہیم، صالح [2] المری اور ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "ہم ایک انصاری کے پاس گئے جو سخت بیمار تھا وہ صحت یاب نہ ہوا اور وفات پا گیا۔ ہم نے اُس پر اس کا کپڑا ڈال دیا اُس کے سرہانے ایک بہت بوڑھی کبڑی والدہ تھی ہم میں سے کسی نے اُس سے کہا کہ: "اے بی بی! اپنی مصیبت پر صبر کر۔" اُس نے کہا کہ: "کیا ہوا؟ کیا میرا بیٹا فوت ہوگیا ہے؟" ہم نے جواب دیا کہ: ہاں! اُس نے کہا کہ: "جو کچھ تم کہہ رہے وہ سچ ہے؟" ہم نے کہا: "ہاں!" اس پر اُس نے دونوں ہاتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اُٹھائے اور یہ دُعا کی:

((اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَعْلَمُ اِنِّیْ اَسْلَمْتُ وَهَاجَرْتُ اِلٰی رَسُوْلِكَ رِجَاءً اَنْ تَعْقُبَنِیْ عِنْدَ كُلِّ شِدَّةٍ فَرَجًا فَلَا تَحْمِلْ عَلَیَّ هٰذِهِ الْمُصِيْبَةَ الْيَوْمَ.))

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الإجارة، (۲۲۷۲)، صحیح مسلم، کتاب الذکر (۲۷۷۳).

[2] یہ صالح بن بشیر ہیں (متوفی سنہ ۱۷۶ھ) جو قدماء زہاد میں سے ہیں۔ ابن المدائنی نے اسے ضعیف کہا ہے۔

''اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے اسلام قبول کیا اور تیرے رسولوں کی طرف ہجرت کی اس امید پر کہ ہر مصیبت میں تو میری دستگیری کرے پس آج یہ مصیبت مجھ پر نہ ڈال۔''

راوی کہتا ہے کہ اس دُعا کے بعد اُس نے مردہ کے چہرہ سے کپڑا اٹھایا تو وہ زندہ ہوگیا حتی کہ ہم نے اُس کے ساتھ کھانا کھایا۔

حضرت داوٗد علیہ السلام کی دُعا

ابونعیم کی کتاب الحلیۃ میں روایت ہے کہ حضرت داوٗد علیہ السلام نے درج ذیل دُعا مانگی:

((بِحَقِّ اٰبَائِیْ عَلَیْكَ اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْحَاقَ وَیَعْقُوْبَ.))

''میرے آباء واجداد ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کا جو حق تجھ پر ہے اُس کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں۔''

اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ ''اے داوٗد علیہ السلام! میرے آباء واجداد کا کون سا حق مجھ پر واجب ہے؟'' یہ اور اس قبیل کی دوسری روایات جو شرعی دلائل پر پوری نہیں اترتیں، اسرائیلیات سے تعلق رکھتی ہیں جن پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

زندہ ہستیوں سے سوال

سنتِ نبوی ﷺ سے ثابت ہے کہ جس طرح زندہ آدمی سے ہر وہ چیز مانگی جاسکتی ہے جس کی وہ قدرت رکھتا ہے اسی طرح زندہ سے دُعا کی درخواست بھی کی جاسکتی ہے لیکن مردہ یا غیر حاضر مخلوق سے کسی چیز کا سوال نہیں کیا جاسکتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنانے اور اُن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کے الفاظ میں اجمال اور ابہام پایا جاتا ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی لغت میں ان الفاظ کے معنی آنحضرت ﷺ سے دُعا اور سفارش کی درخواست کرنا تھے۔ لہٰذا وہ آنحضرت ﷺ کی دُعا اور اُن کی سفارش کو وسیلہ بناتے اور اسی کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی دُعا

اور سفارش اللہ عزوجل کی بارگاہ میں سب سے عظیم وسیلہ تھی لیکن آج اکثر لوگ اس سے یہ معنی لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے آپ ﷺ کی ذات کے واسطہ سے سوال کیا جائے اور آپ کی ذات کی اللہ تعالیٰ کو قسم دلائی جائے۔

اب بات واضح ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کی قسم نہیں دلائی جا سکتی بلکہ خود مخلوق کے لیے بھی کسی مخلوق کی قسم کھانا جائز نہیں ہے، لہٰذا یہ کہنا جائز نہیں کہ: ''اے پروردگار! میں تجھے ملائکہ، کعبۃ اللہ اور صلحاء کی عبادت گزاری کی قسم دلاتا ہوں۔'' جس طرح کسی شخص کو ان چیزوں کی قسم دلانا جائز نہیں ہے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کی قسم اس کے اسماء وصفات کے ذریعہ کھائی جانی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی سنت یہ تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے اُس کے اسمائے حسنیٰ اور اُس کی صفات کے ذریعہ سوال کیا کرتے تھے، آپ ﷺ یہ دُعا مانگا کرتے تھے:

((أَسْأَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ، وَأَسْأَلُكَ بِكَ اَنْتَ اللّٰهُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ.))[1]

''میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو منان ہے اور آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے، یا ذا الجلال والاکرام یا حی و قیوم اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تو اللہ ہے اکیلا اور بے نیاز جس نے کسی کو نہیں جنا، نہ خود جنا گیا ہے اور جس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔''

اسی طرح آپ کی ایک دُعا یوں منقول ہوئی ہے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ بِمُعَاقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ وَمُنْتَهَى الرَّحْمَةِ مِنْ كِتَابِكَ وَبِاسْمِكَ الْاَعْظَمِ وَجَدِّكَ الْاَعْلٰى وَبِكَلِمَاتِكَ التَّامَّاتِ.))

[1] مسند احمد: ١/١ ٣٩، ٤٥٢، نیز حدیث نمبر (١٨٥، ١٨٦) کی تخریج دیکھیں۔

''الٰہی! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے عرش پر عزت کی گرہوں کے ساتھ تیری کتاب میں سے منتہائے رحمت کے ساتھ اور تیرے عظیم الشان نام کے ساتھ اور تیرے کلماتِ تامات کے ساتھ۔''

اگرچہ یہ دُعا ایک ثالث کی حیثیت رکھتی ہے لیکن اس دُعا کے جواز میں بھی علماء کے دو قول ہیں۔ ابو الشیخ ابو الحسین القدوری اپنی کتاب شرح الکرخی میں فرماتے ہیں کہ بشر بن ولید نے کہا کہ میں نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کو یہ کہتے سنا کہ ''امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو دُعا میں وسیلہ بنائے اور میں اس کو مکروہ سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص یوں کہے: ((بِمُعَاقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ.)) یا یوں کہے کہ: ((بِحَقِّ خَلْقِكَ.))

نیز امام ابو یوسف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ((مَقْعَدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِهِ)).... ''یعنی اللہ کی عرش کی عزت کی گرہ'' خود اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لیے ایسا کہنا مکروہ نہیں البتہ میں ((بِحَقِّ اَنْبِيَآئِكَ وَرُسُلِكَ وَبِحَقِّ الْبَيْتِ وَالْمَشْعَرِ الْحَرَامِ)) کے الفاظ کو مکروہ سمجھتا ہوں۔''

امام قدوری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ سے اُس کی مخلوق کے حق کے واسطہ سے سوال کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ کسی مخلوق کو خالق پر کوئی حق حاصل نہیں ہے۔'' پس معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ غیر اللہ کے حوالہ سے مانگنے کو ممنوع سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کی قسمیں کھانا

اگر سوال کیا جائے کہ جب خود اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کی قسم کھائی ہے جبکہ ہمیں صرف اللہ ہی کی قسم کھانے کی اجازت ہے تو پھر کیوں نہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوقات کی قسم دلانا جائز ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی مدح وثنا ظاہر ہوتی ہے اور اس کی قدرت کی نشانیوں کا تذکرہ ہوتا ہے لیکن جب ہم اللہ تعالیٰ کو اُس کی مخلوقات کی قسم دلاتے ہیں تو اس سے شرک لازم آتا ہے،

اگر ہم اس قسم کے ذریعہ کوئی چیز حاصل کرنا چاہتے ہیں یا روکنا چاہتے ہیں یا کسی خبر کی تصدیق یا تکذیب چاہتے ہیں۔ جو شخص غیر اللہ سے سوال کرتا ہے یا اس سے مقصود، یا قسم دینا ہوگا جو جائز نہیں ہے اور کفارہ قسم دینے والے پر ہے نہ کہ اس پر جسے قسم دی گئی۔ جیسا کہ فقہاء نے تصریح کر دی ہے، یا اس سے مراد قسم دینا نہیں ہوگا۔ اس صورت میں یہ صرف سوال کرنے کے مترادف ہے اور قسم کا کفارہ کسی پر نہیں ہے۔

پس واضح ہوا کہ سائل اگر اللہ تعالیٰ سے اس کی مخلوق کے حوالہ سے سوال کرتا ہے تو وہ یا تو خالق کو مخلوق کی قسم دلاتا ہے جو کہ جائز نہیں ہے یا اُس کے واسطہ سے سوال کرتا ہے اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ''میں اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے یہ کام کر رہا ہوں۔'' تو کسی پر کوئی کفارہ نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ ''میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ فلاں کام کرو۔'' اور یوں کہتا ہے کہ: ''اللہ کی قسم! یہ کام ضرور کرو۔'' تو اگر مخاطب اس کی قسم کو پورا نہ کرے تو قسم دلانے والے پر کفارہ ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو ایسی قسم دلاتا ہے جیسی حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ قسم دلایا کرتے تھے مثلاً ''الٰہی! میں تجھے فلاں کام کرنے کی قسم دلاتا ہوں۔'' تو یہ ثابت ہے صحیح روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''بہت سے گرد آلود، پراگندہ بالوں والے، پرانے کپڑے پہننے والے ایسے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو قسم دلا دیں تو وہ اُن کی قسم پوری کر دے۔''[1]

نیز انس بن النضیر اور ربیع رضی اللہ عنہما کے بارے میں صحیح بخاری میں آیا ہے کہ جب انس بن نضیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: ''قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! ربیع کے دانت ہرگز نہیں توڑے جائیں گے۔'' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے قصاص فرض کیا ہے۔'' لیکن اس کی قوم نے قصاص معاف کر دیا۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] المعجم الاوسط للطبرانی (٨٦٥)، مجمع الزوائد: ١٠/٢٦٤، عن انس رضی اللہ عنہ.

((اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ مَنْ لَّوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ.)) [1]

"اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ کو قسم دلائیں تو وہ اُس کو پورا کر دیتا ہے۔"

یہ اللہ تعالیٰ کو کسی کام کرنے کی قسم دلاتا ہے۔ اس کا مطلب اللہ کو مخلوق کی قسم دلانا نہیں۔

صرف مسنون دعائیں مانگنا چاہیے

لوگوں کو ایسی دعائیں مانگنا چاہیے جو کتاب وسنت سے ثابت ہیں۔ اُن کی فضیلت میں کسی کو کوئی کلام نہیں ہے۔ یہی دُعائیں صراطِ مستقیم ہیں۔ یہ ان نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالح لوگوں کا راستہ ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام واکرام کی بارش کی ہے۔ بعض لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان بیان کیا ہے کہ:

((اِذَا كَانَتْ لَكُمْ حَاجَةٌ فَاسْئَلُوا اللّٰهَ بِجَاهِيْ.))

"جب تمہیں کوئی حاجت درپیش ہو تو میرے جاہ کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرو۔"

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ یہ روایت باطل ہے اور کسی بھی اہلِ علم نے اسے روایت نہیں کیا ہے۔ کتب حدیث میں بھی اس کا تذکرہ کہیں نہیں ملتا۔ صرف ہر دُعا میں آنحضرت ﷺ پر دُرود بھیجنا مشروع ہے اسی لیے جب علماء نے استسقاء وغیرہ کی دُعا کا ذکر کیا تو اس کے ساتھ آپ پر درود بھیجنے کا بھی ذکر کیا لیکن کسی نے یہ روایت نہیں کیا کہ ہر درود میں آپ کو وسیلہ بنانا بھی ضروری ہے جس طرح کسی عالم نے غیر اللہ سے دُعا اور اس سے استمداد کو جائز قرار نہیں دیا۔ غیر اللہ سے دُعا کفر ہے۔ لہٰذا سلف صالحین میں سے کسی کے متعلق یہ منقول نہیں ہوا کہ وہ مردوں اور غیر حاضر لوگوں سے دُعا مانگتا تھا۔ صرف

---

[1] صحيح البخارى، كتاب الصلح، باب الصلح فى دية (٢٧٠٣)، صحيح مسلم، كتاب القيامة، باب اثبات القصاص فى الاسنان وما فى معناها (١٦٧٥).

متاخرین میں سے بعض لوگوں نے اس کا ذکر کیا ہے لیکن یہ لوگ علمائے دین اور مجتہدین سے تعلق نہیں رکھتے۔ نیز بعض متقدمین سے بھی منقول ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے جاہ یا حق کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کرتے تھے لیکن یہ بات اُن کے ہاں نہ مشہور تھی اور نہ نبی اکرم ﷺ کی سنت ہی سے اُس کی تائید ہوتی ہے بلکہ سنت تو ایسے سوال ہی کی نفی پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ سے منقول ہے۔

مشہور فقیہ ابومحمد بن عبدالسلام رحمہ اللہ کے فتاویٰ میں ہے کہ اگر حدیث اعمیٰ صحیح ہے تو رسول اللہ ﷺ کے سوا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی کو وسیلہ بنانا جائز نہیں ہے لیکن اس حدیث کی صحت معروف نہیں ہے۔ اس سے پہلے تفصیل گزر چکی ہے کہ اس حدیث سے صرف نبی اکرم کی دُعا کا وسیلہ ثابت ہوتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی قسم دلانا لازم نہیں آتا۔ اور نہ اس سے رسول اللہ ﷺ کی ذات کے طفیل سوال کرنا جائز قرار پاتا ہے۔ جو لوگ اپنی دُعا کی قبولیت کے لیے حضور ﷺ کی ذات کو وسیلہ بناتے ہیں وہ مشروع اور مامور بہ طریقہ چھوڑ کر دُوسرا طریقہ اختیار کرتے ہیں جس سے انہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجنا قبولیت دُعا کا سب سے بڑا وسیلہ ہے اور اسی کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے۔

دُعا میں دُرود پڑھنا قرآن و سنت اور اجماعِ امت سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ ﴾ (الاحزاب: ۵۶)

”بے شک اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی اُن پر درود اور کثرت سے سلام بھیجا کرو۔“

صحیح روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مَرَّةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا.)) ❶

''جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ دُرود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اُس پر دس بار رحمت نازل کرتا ہے۔''

فضالہ بن عبید سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو نماز میں دُعا مانگتے سُنا، اس نے نہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کی اور نہ نبی اکرم ﷺ پر دُرود بھیجا۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اس شخص نے بہت جلد بازی سے کام لیا ہے۔'' پھر اُسے بلایا اور اُسے بتایا کہ:

((مَنْ صَلّٰى اَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِحَمْدِ رَبِّهٖ، ثُمَّ لِيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ لِيَدْعُ بَعْدَهٗ بِمَا شَآءَ.)) ❷

''تم میں سے جب کوئی نماز پڑھے تو اُسے اپنے رب کی حمد کے ساتھ نماز کو شروع کرنا چاہیے پھر نبی ﷺ پر دُرود پڑھے اور اس کے بعد جو چاہے دُعا مانگے۔''

ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ، ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ فَاِنَّ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا، ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ فَاِنَّهَا دَرَجَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَبْتَغِيْ اِلَّا لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ، وَاَرْجُوْا اَنْ اَكُوْنَ اَنَا هُوَ، فَمَنْ سَأَلَ اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ.)) ❸

---

❶ مسند احمد: ٣٧٢/٢، صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبي ﷺ (٤٠٨).

❷ مسند احمد: ١٨/٦، سنن ابى داؤد، كتاب الوتر، باب الدعاء (١٤٥١)، سنن الترمذى، الدعوات، باب فى ايجاب الدعاء بتقديم الحمد والثناء والصلاة على النبى ﷺ (٣٤٧٧).

❸ انظر الحديث (٥٩).

''جب تم مؤذن (کی اذان) سنو تو جو کچھ وہ کہتا ہے تم اسے دہراتے جاؤ، پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو ایک مرتبہ مجھ پر درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے پھر میرے لیے اللہ سے وسیلہ مانگو یہ جنت میں ایک مقام ہے۔ اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ ہی اس کا سزاوار ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں گا۔ پس جس نے میرے لیے اللہ سے وسیلہ مانگا اس کے لیے شفاعت واجب ہوگئی۔''

سنن ابی داؤد اور نسائی میں مذکورہ راوی کی ایک روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا:

((يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الْمُؤَذِّنِيْنَ يُفَضِّلُوْنَنَا.))

''یارسول اللہ ﷺ! مؤذن ہم سے افضل ہیں۔''

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((قُلْ كَمَا يَقُوْلُوْنَ، فَاِذَا انْتَهَتْ سَلْ تُعْطَهْ.)) [1]

''جو کچھ وہ کہتے ہیں تو بھی کہہ۔ جب اذان ختم ہو جائے تو دُعا کر قبول ہوگی۔''

مسند میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب مؤذن اذان کہتا ہے تو جو شخص درج ذیل دُعا مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دُعا کو قبول فرمالیتا ہے۔

((اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ الْقَائِمَةِ وَالصَّلٰوةِ النَّافِعَةِ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّارْضَ عَنْهُ رِضًا لَا سَخَطَ بَعْدَهْ.)) [2]

''اے اللہ! اس دعوتِ قائمہ اور نافع نماز کے رب! محمد ﷺ پر رحمت نازل فرما اور اُن سے ایسا راضی ہو جا کہ اس کے بعد کبھی ناراض نہ ہو۔''

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب ما یقول اذا سمع المؤذن (۵۳٤) عمل الیوم واللیلة للنسائی (٤٤).

[2] مسند احمد: ۳۳۷/۳، عمل الیوم واللیلة لابن السنی (۹٦) طبرانی اوسط (۱۹٦) اس کی سند میں ''عبداللہ بن لھیعہ'' ضعیف راوی ہے۔

((اَلدُّعَاءُ لَا یُرَدُّ بَیْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ.)) [1]

''اذان اور اقامت کے درمیان دُعا کو رد نہیں کیا جاتا۔''

اس روایت کو احمد، ابو داؤد، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ نے بیان کیا ہے اور ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن حدیث قرار دیا ہے۔

دو مبارک ساعتیں:

سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

((سَاعَتَانِ تُفْتَحُ فِیْهِمَا اَبْوَابُ السَّمَاءِ فَلَمَّا تُرَدُّ عَلٰی دَاعٍ دَعْوَتُهٗ، عِنْدَ حُضُوْلِ الدَّاءِ وَالصَّفِّ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ.)) [2]

''دو ساعتیں ایسی ہیں جن میں آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور کم ہی کسی کی دُعا رد کی جاتی ہے۔ بیماری کے وقت اور راہِ الٰہی میں (جہاد کے لیے) صف باندھتے وقت۔''

مسند اور ترمذی وغیرہ میں طفیل بن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ جب چوتھائی رات گزر جاتی تو رسول اللہ ﷺ اُٹھتے اور فرماتے:

((یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا اللّٰهَ جَاءَتِ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِیْهِ.)) [3]

''اے لوگو! اللہ کو یاد کرو۔ زلزلہ آ گیا اور اُس کے پیچھے دوسرا زلزلہ ہے۔ موت اپنی سب حالتوں کے ساتھ آ گئی ہے۔''

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب فی الدعاء بین الاذان (۵۲۱)، سنن الترمذی، الصلاة، باب ما جاء فی الدعاء بین الاذان والاقامة (۲۱۲).
[2] صحیح ابن حبان: (۱۷۲۰، ۱۷٦٤)، موارد الظمأن (۲۹۸)، سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، باب الدعاء عند اللقاء (۲۵٤۰).

[3] مسند احمد: ۵/۱۳٦، کتاب الزهد لوکیع (٤٤)، سنن الترمذی، صفة القیامة، باب فی الترغیب فی ذکر الله وذکر الموت آخر اللیل ...... (۲٤۵۷). اس کی سند میں سفیان ثوری کا عنعنہ ہے اور عبداللہ بن محمد عقیل ضعیف راوی ہے۔

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ پر کثرت سے درود بھیجتا ہوں۔ میں کتنا دُرود آپ کے لیے مخصوص کروں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس قدر تو چاہے۔'' میں نے عرض کیا: ''کیا چوتھا حصہ آپ کے لیے مخصوص کرلوں؟'' آپ نے فرمایا: ''جس قدر تو چاہے کردے اور اگر کچھ زیادہ کردے تو یہ تیرے لیے بہتر ہے۔'' میں نے عرض کیا کہ: ''کیا نصف حصہ مخصوص کردوں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس قدر تو چاہے اور اگر کچھ زیادہ کردے تو یہ میرے لیے بہتر ہے۔'' میں نے عرض کیا کہ: ''کیا تین حصے مخصوص کردوں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس قدر تو چاہے اور اگر کچھ زیادہ کردے تو یہ تیرے لیے بہتر ہے۔'' میں نے عرض کیا کہ: ''کیا سارا دُرود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص کردوں؟'' اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تب اللہ تعالیٰ دُنیا و آخرت کی تمام پریشانیوں سے تجھے نجات دے گا۔'' ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں: ''تب تو اپنی پریشانی سے نجات پائے گا اور اللہ تیرے گناہ معاف فرمادے گا۔''[1] سائل کے الفاظ ((اَجۡمَعُهُ لَكَ مِنۡ صَلَاتِیۡ .)) میں لفظِ صلوٰۃ کے معنی دُعا کے ہیں کیونکہ لغت میں صلوٰۃ کے معنی دُعا ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ ؕ ﴾ (التوبة: ۱۰۳)

''ان کے حق میں دُعا کرو کیونکہ تیری دُعا ان کے لیے تسلی کا موجب ہے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ اَبِیۡ اَوۡفٰى .))[2]

''اے اللہ! ابو اوفیٰ کے خاندان پر رحم فرما۔''

ایک عورت بارگاہِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئی اور عرض کیا:

---

[1] انظر الحديث السابق. [2] صحيح البخاری، كتاب الدعوات، باب هل يصلى على غير النبی ﷺ (٦٣٥٩)، صحيح مسلم، كتاب الزكوة، باب الدعاء لمن أتى بصدقة (١٠٧٨).

((صَلِّ عَلَيَّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلٰى زَوْجِيْ.))

''یا رسول اللہ! میرے لیے اور میرے شوہر کے لیے دُعا فرمائیے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

((صَلَّ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَعَلٰى زَوْجِكَ.)) [1]

''اللہ تجھ پر اور تیرے شوہر پر رحمت فرمائے۔''

سائل دراصل یہ کہنا چاہتا تھا کہ ''اے اللہ کے رسول ﷺ! میں دُعا مانگا کرتا ہوں تاکہ خیر حاصل کروں اور شر سے نجات پاؤں، بتائیے اس دُعا کا کتنا حصہ آپ ﷺ کے لیے مخصوص کردوں؟'' اس پر حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''جس قدر تو چاہے دُعا کو میرے لیے مخصوص کردے۔'' سائل نے جب کہا کہ: ''کیا اپنی ساری دُعا (صلوٰۃ) آپ کے لیے مخصوص کردوں؟'' تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: ''تب اللہ تجھے پریشانی سے نجات دے گا اور تیرے گناہ بخش دے گا۔'' ایک دوسری روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: ''تب تو اللہ تعالیٰ دُنیا وآخرت کی پریشانیوں سے تجھے نجات دے دے گا۔''

خیرات اور دفع مضرات کے لیے انسان جو دُعا مانگتا ہے اُس کی غایت یہی ہے کیونکہ دُعا سے مقصود گوہرِ مطلوب کا حصول اور ناپسندیدہ چیز سے نجات ہوتا ہے۔

شرعی اور بدعی دعائیں

علمائے اسلام اور ائمہ دین نے شرعی دُعاؤں کو بیان فرمادیا ہے اور بدعی دعاؤں سے اعراض کیا ہے۔ لہٰذا ہر شخص کو شرعی دعائیں مانگنا چاہیے۔ اس بات میں تین درجے ہیں۔

اوّل یہ کہ غیر اللہ سے دُعائیں مانگی جائیں جبکہ وہ غیر حاضر ہو یا فوت ہو چکا ہو اس معاملہ میں انبیاء وصلحاء سب برابر ہیں۔ مردہ یا غیر حاضر شخصیت کو بدیں الفاظ نہ پکارا جائے۔

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب الصلاة علی غیر النبی ﷺ (۱۵۳۳)، عمل الیوم واللیلة للنسائی (۴۲۳)، مسند احمد: ۳/ ۳۹۸، الشمائل للترمذی (۱۵۲).

''یا سیدی! میری مدد فرما۔''

''میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔''

''میں تجھ سے فریاد کرتا ہوں۔''

''دشمن کے خلاف میری مدد کر۔''

سب سے ناپسندیدہ اور قابل اعتراض یہ بات ہے کہ کوئی کہے: ''مجھے بخش دے اور میری طرف نظر کرم فرما۔''

جاہل، مشرکین کی ایک جماعت ان خرافات میں مبتلا ہے۔ سب سے بری بات یہ ہے کہ انسان کسی مردہ نبی یا ولی کی قبر کو سجدہ کرے، قبر کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھے اور یہ عقیدہ رکھے کہ قبر کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ بعض لوگ تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ ''فلاں نبی یا ولی کی قبر خواص کا قبلہ ہے اور کعبۃ اللہ عوام الناس کا قبلہ ہے۔'' اس سے بھی قابل اعتراض یہ ہے کہ کوئی آدمی یہ عقیدہ رکھے کہ ایسی قبر کی طرف سفر اختیار کرنا حج کی جنس سے ہے۔ بعض لوگ یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ اس قبر کی طرف بار بار سفر، حج سے بے نیاز کر دیتا ہے بعض غالی لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ کسی ولی کی قبر کی زیارت کئی بار بیت اللہ کا حج کرنے سے افضل ہے۔ یہ چیز سراسر شرک ہے خواہ کثیر تعداد میں لوگ اس میں مبتلا ہو جائیں۔

دوم یہ کہ کوئی شخص کسی مردہ یا غیر حاضر ولی یا نبی سے یہ درخواست کرے کہ ''میرے لیے اللہ سے دعا کرو۔'' یا ''ہمارے لیے اپنے رب سے دُعا کریں۔'' یا ''ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے سوال کریں۔'' عیسائی، حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام سے ایسی ہی دُعائیں مانگتے ہیں۔ کسی عالم کو اس میں اختلاف نہیں کہ یہ ناجائز ہے۔ یہ ایک ایسی بدعت ہے جس کا ارتکاب اسلافِ امت میں سے کسی نے نہیں کیا، البتہ اہل قبور پر سلام بھیجنا اور انہیں مخاطب کرنا جائز ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو تعلیم دی ہے کہ جب وہ قبروں

کی زیارت کریں تو کہیں:

((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَإِنَّا إِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ، نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ اَللّٰهُمَّ لَا تُحَرِّمْنَا اَجْرَهُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُمْ وَاغْفِرْلَنَا وَلَهُمْ.)) [1]

''اس دیار کے مومن اور مسلم مکینو! تم پر سلامتی ہو۔ ان شاء اللہ ہم بھی تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ اللہ ہمیں اور تمہیں معاف فرمائے۔ ہم تمہارے لیے اور اپنے لیے اللہ سے عافیت مانگتے ہیں اے اللہ! ہمیں اُن کے اجر سے محروم نہ کر۔ اور نہ اُن کے بعد ہمیں فتنہ میں نہ ڈال۔ ہمیں اور اُن کو بخش دے۔''

ابوعمر بن عبدالبر سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ رَجُلٍ يَمُرُّ بِقَبْرِ رَجُلٍ كَانَ يَعْرِفُهٗ فِي الدُّنْيَا فَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ رُوْحَهٗ حَتّٰى يَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ.)) [2]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب ما یقال عند دخول القبور والدعاء لاھلھا (۹۷۵)، سنن ابن ماجه، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی فیما یقال اذا دخل المقابر (۱۵۴۷)، مسند احمد: ۳۵۳/۵، عن بریدة رضی الله عنه. " اللهم لا تحرمنا اجرهم ......" کے الفاظ مسند احمد ۷۱/۶، سنن ابن ماجه، ایضًا (۱۵۴۶)، عمل الیوم واللیلة لابن السنی (۵۹۲) وغیرھا کتب میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں۔ مگر اس کی سند میں شریک بن عبداللہ القاضی اور عاصم بن عبیداللہ ضعیف راوی ہیں۔ یہ بات یاد رہے کہ زیارۃ قبور کے وقت ان الفاظ کی ادائیگی والی روایت ضعیف ہے۔ جبکہ جنازہ میں اس دعا کا پڑھنا ثابت ہے۔ [سنن ابی داؤد، عن ابی هریرة رضی الله عنه (۳۲۰۱)]

[2] الفوائد لامام الرازی (۱۳۹)، تاریخ مدینه دمشق لابن عساکر (۶۵/۲۷،۳۸۰/۱۰) جزء لابی العباس الاصم (۴۱۹،۲۱۴)، العلل والمتناهیه لابن الجوزی (۱۵۲۳،۴۲۹/۲) تاریخ بغداد ۱۳۷/۶، سلسله الاحادیث الضعیفه (۴۴۹۳) اس کی سند میں ''عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم'' راوی ہے جس کے متعلق امام حاکم فرماتے ہیں کہ ''اپنے باپ سے موضوع روایات بیان کرتا ہے۔'' (المدخل الی الصحیح صفحه ۱۰۴). اس روایت کا ایک شاہد ''امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ'' کی ''التذکار'' (۱۸۵/۱) میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ مگر اس میں ''امام ابن عبدالبر کا شیخ ابوعبداللہ عبید بن محمد اور جس سے یہ بیان کر رہا ہے..... (بقیہ اگلے صفحہ پر) ⇦⇦⇦

''جب کوئی شخص کسی آدمی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جسے وہ دُنیا میں جانتا تھا اور اس پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی رُوح اُس میں لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اسے سلام کا جواب دیتا ہے۔''

سنن ابی داؤد میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُّسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ.)) ❶

''جب کوئی مسلمان مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری رُوح مجھ میں لوٹا دیتا ہے۔ حتی کہ میں اُس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔''

لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ مردہ شخصیتوں سے دُعا وغیرہ کی درخواست کرنا جائز نہیں ہے۔ مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے:

((اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَا بَكْرٍ رضی اللہ عنہ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَهِ رضی اللہ عنہ.)) ❷

''یا رسول اللہ ﷺ! آپ پر سلامتی ہو، اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! تم پر سلامتی ہو، اے اباجان رضی اللہ عنہ! تم پر سلامتی ہو۔''

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما یہ کہتے اور چل دیتے۔ عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ''میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی قبرانور پر کھڑے ہیں اور آپ پر درود بھیج رہے ہیں اور حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے لیے دُعا کر رہے ہیں۔''

⇦⇦⇦ ''فاطمہ بنت الریان'' اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرنے والا راوی ''عبید بن عمیر'' تینوں مجہول ہیں۔ جیسا کہ شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الضعیفہ'' میں اور فضیلۃ الشیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے ''العلل والمتناھیہ'' کے حاشیہ پر وضاحت کی ہے۔

❶ سنن ابی داؤد، کتاب المناسك، باب زیارة القبور (٢٠٤١).

❷ الموطا لامام مالك، کتاب قصر الصلاة، باب ما جاء فی الصلاة علی النبی ﷺ (٢١٤) المصنف لعبد الرزاق: ٥٧٦/٣، سنن کبری بیهقی: ٢٤٥/٥.

اسی طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں نقل کیا ہے کہ ''وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلامتی بھیجتے تھے اور جب وہ دُعا کا ارادہ کرتے تو اپنا رُخ قبلہ کی طرف پھیر لیتے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ کی طرف رُخ کر کے دُعا نہیں مانگتے تھے۔ بعد کے بہت سے فقہاء وصوفیا اور عوام نے اس مسئلہ میں لغزش کھائی ہے لیکن ایک بھی ایسا امام اس طرف نہیں گیا جس کی رائے تسلیم کی جاتی ہو اور جسے امت میں مقبولیت حاصل ہو۔

ائمہ اربعہ امام مالک، ابوحنیفہ، شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ اور دیگر ائمہ اسلام کا مذہب یہ ہے کہ جب کوئی شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے اور اپنے لیے دُعا کا ارادہ کرتا ہے تو اسے قبلہ کی طرف رُخ کرنا چاہیے۔ اس مین اختلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کس طرح بھیجنا چاہیے۔ امام مالک، شافعی اور امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ: ''حضور کے حجرہ کی طرف منہ کر کے سلام بھیجنا چاہیے۔'' امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ''سلام کے وقت منہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ کی طرف نہیں کرنا چاہیے جس طرح باتفاق دُعا کے وقت منہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ کی طرف کرنا درست نہیں ہے۔'' نیز امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے بارے میں دو قول منقول ہیں۔'' (۱) وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ کی طرف پیٹھ کر کے سلام بھیجتے تھے۔ (۲) حجرہ کو اپنے بائیں جانب رکھ کر سلام بھیجتے تھے۔'' ائمہ اربعہ کا یہ اختلاف صرف سلام بھیجنے کے متعلق ہے، جہاں تک دُعا کرنے کا تعلق ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ سب کے نزدیک دُعا کے وقت انسان کو کعبۃ اللہ کی طرف منہ کرنا چاہیے نہ کہ حجرہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔

امام مالک رحمہ اللہ کی روایت کی حقیقت

امام مالک رحمتہ اللہ سے ایک حکایت منسوب کی جاتی ہے کہ جب منصور نے اُن سے حجرۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ کر کے دُعا مانگنے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے اس

کی اجازت دی اور کہا:

((هُوَ وَسِيْلَتُكَ وَوَسِيْلَةُ اَبِيْكَ اٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ .))

''حضور ﷺ تمہارے اور تمہارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کے وسیلہ ہیں۔''

یہ حکایت امام مالک رحمہ اللہ کی طرف غلط منسوب کی گئی ہے۔ اس کی اسناد مجہول ہے۔ ان کے شاگردوں کی کتب میں صحیح اسناد کے ساتھ ان کا جو مذہب منقول ہے، یہ روایت اس کے بھی خلاف ہے، جیسا کہ اسماعیل بن اسحاق القاضی نے ذکر کیا ہے، امام مالک کے اصحاب کا بیان ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ''لوگ حجرۂ نبوی ﷺ کی طرف رُخ کر کے دیر تک کھڑے رہتے ہیں اور اپنے لیے دُعائیں مانگتے ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اسے ناجائز قرار دیا اور کہا کہ ''یہ ایک ایسی بدعت ہے جس کا ارتکاب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے کسی نے نہیں کیا۔'' پھر امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:

((لَا يُصْلِحُ اٰخِرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا مَا اَصْلَحَ اَوَّلَهَا .))

''اس امت کے آخری حصہ کی وہی چیز اصلاح کرے گی جس نے اس کے پہلے حصہ کی اصلاح کی۔''

امام مالک رحمہ اللہ نے جو کچھ کہا ہے وہی صحیح ہے کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سے مروی آثارِ متواترہ سے واضح ہوتا ہے کہ دُعا یا سلام کے وقت حجرۂ نبوی ﷺ کی طرف رُخ کرنا اُن کا عمل اور عادت نہیں تھی۔ اگر دُعا کے وقت حضور ﷺ کے حجرہ کی جانب منہ کرنا مشروع ہوتا تو وہ اُس سے ضرور واقف ہوتے اور دوسرے لوگوں کی نسبت اس پر عمل کرنے میں سبقت لے جاتے۔ دُعا کرنے والا خواہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی سے دُعا کیوں نہ کر رہا ہو، اسے دعا کے وقت اپنا رُخ روضۂ اطہر کی جانب کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے لیے نماز پڑھتے وقت حجرۂ نبوی کی طرف رُخ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ابو مرثد الغنوی سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَيْهَا .)) [1]

"نہ قبروں پر بیٹھو اور نہ اُن کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔"

پس قبر خواہ وہ نبی کی ہو یا غیر نبی کی اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جائز نہیں کیونکہ حدیث مذکور صحیح ہے۔ علمائے اسلام کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضور ﷺ نے قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی ہے بلکہ یہ ایک بدعت محدثہ ہے۔ اسی طرح قبروں، خصوصاً انبیاء و صلحاء کی قبروں کی طرف جانا اور اُن کی طرف منہ کر کے دُعا کرنا بھی درست اور جائز نہیں ہے۔ جب خالص اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے وقت کسی قبر کی طرف رُخ کرنا جائز نہیں تو خود مردہ سے دُعا مانگنا کہیں زیادہ ناجائز عمل ہے۔ اسی طرح جب کسی شخص کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جائز نہیں تو اس کے لیے نماز پڑھنا بطریق اولیٰ ناجائز ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مردہ شخصیت سے نہ کچھ مانگنا چاہیے اور نہ اُس سے اللہ تعالیٰ سے دُعاء کی درخواست کرنا چاہیے۔ دین و دُنیا کے مصائب و مشکلات کے بارے میں بھی کسی مردہ سے فریاد نہیں کرنی چاہیے۔ اگر کسی نبی یا ولی کی زندگی میں اُس سے فریاد کرنا جائز ہے تو وہ اس لیے کہ اُس کی زندگی میں یہ فریاد شرک کا موجب نہیں بن سکتی۔ لیکن موت کے بعد ایسی فریاد شرک کا سبب بن جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی یا ولی اپنی زندگی میں سائل کا سوال پورا کرنے کا مکلّف ہے کیونکہ اس پر اسے اجر و ثواب ملتا ہے۔ لیکن موت کے بعد وہ سوال پورا کرنے کا مکلّف نہیں رہتا، بلکہ ذکرِ الٰہی اور دُعا سے بھی وہ فارغ ہو جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اگر اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہیں یا اگر انبیاء علیہم السلام نے نبی اکرم ﷺ کی اقتدا میں شبِ معراج کو بیت المقدس میں نماز پڑھی اور اگر اہلِ جنت اور ملائکہ تسبیح الٰہی بیان کرتے ہیں تو وہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ کام وہ اسی قدر کرتے ہیں جس قدر اللہ تعالیٰ اُن کے لیے آسان بناتا ہے اور قدرت دیتا ہے۔ یہ کام تکلیف کے زمرہ

[1] صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب النهی عن الجلوس علی القبر والصلاة علیها (۹۷۱، ۹۷۲).

میں نہیں آتے۔ جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے۔

لہٰذا مردہ سے سوال کرنا ذرہ بھی فائدہ مند نہیں ہے کیونکہ وہ اس سے بالکل متاثر نہیں ہوتا۔ وہ وہی کچھ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقرر کر دیا ہے۔ کوئی آدمی اسے پکارے یا نہ پکارے اسے وہی کرنا ہے جو اس کے لیے مقدر کر دیا گیا ہے جیسا کہ فرشتے صرف وہی کام سرانجام دیتے ہیں جن کا حکم انہیں ملتا ہے۔ وہ صرف اپنے خالق کے احکامات کی اطاعت کرتے ہیں مخلوق کی باتوں پر عمل نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ لَا يَسْبِقُوْنَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (الانبياء: ٢٦، ٢٧)

''اور کہتے ہیں کہ اللہ بیٹا رکھتا ہے وہ پاک ہے (اس کے نہ بیٹا ہے نہ بیٹی) بلکہ وہ اس کے عزت والے بندے ہیں۔ اس کے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے اور اُس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔''

نبی کی زندگی میں کسی چیز کے جواز سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس کی وفات کے بعد بھی جائز ہو۔ مثلاً نبی اکرم ﷺ کے مکان میں نماز پڑھنا جائز تھا اور اسے سجدہ گاہ بنانا بھی جائز تھا لیکن جب آنحضرت ﷺ کو آپ کے حجرہ میں دفن کر دیا گیا تو اس میں سجدہ اور عبادت حرام ہوگئی۔ جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''یہود و نصاریٰ پر اللہ لعنت فرمائے جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو عبادت گاہ بنا لیا۔'' [1]

صحیح مسلم میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

''تم سے پہلے لوگ قبور کو سجدہ گاہ بنا لیتے تھے، خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا۔ میں تمہیں اس کام سے منع کرتا ہوں۔'' [2]

---

[1] انظر الحديث (١٦٠).

[2] صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب النهي عن بناء المسجد على القبور (٥٣٢).

آنحضرت ﷺ اپنی زندگی میں نماز اپنی اقتدا میں پڑھایا کرتے تھے اور یہ سب سے افضل عمل تھا لیکن آپ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کی قبر کو سامنے رکھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح آپ کی زندگی میں آپ سے احکامات حاصل کیے جاتے تھے۔ مسائل دریافت کیے جاتے تھے اور جھگڑوں کے فیصلے کرائے جاتے تھے، لیکن آپ کے وصال کے بعد آپ سے کوئی فتویٰ اور فیصلہ طلب کرنا جائز نہیں ہے۔

قبر نبوی ﷺ کی زیارت

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ کہنا بھی مکروہ ہے کہ: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کی قبرِ اطہر کی زیارت کی ہے۔'' کیونکہ یہ الفاظ کہیں منقول نہیں ہیں۔ حضور ﷺ کی قبر اطہر کی زیارت کے متعلق جتنی احادیث مروی ہیں سب کی سب ضعیف بلکہ جھوٹی اور خانہ ساز ہیں۔ نیز یہ لفظ (زیارت) متاخرین کے عرف میں دو معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اول اس سے بدعی زیارت مراد لی جاتی ہے جو شرک ہے مثلاً ایک آدمی قبر کی زیارت اس لیے کرتا ہے کہ وہ میت سے دُعا کرے یا اس کے واسطہ سے اللہ سے سوال کرے یا اُس کے پاس اللہ سے دُعا کرے۔

دوم زیارتِ شرعیہ یہ ہے کہ آدمی قبر کی زیارت میت کے لیے دُعا کرنے اور اس پر سلام بھیجنے کے لیے کرے جیسا کہ میت پر نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ یہ دوسری قسم کی زیات مشروع ہے لیکن اکثر لوگ پہلے معنی میں قبروں کی زیارت کرتے ہیں۔ پس امام مالک رحمہ اللہ نے یہ کہنا مکروہ قرار دیا ہے کہ: ''میں نے حضور ﷺ کی قبر کی زیارت کی۔'' اس کی وجہ یہ ہے کہ ان الفاظ کے مفہوم میں ابہام پایا جاتا ہے اور اہلِ بدعت اور مشرک اس سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں۔

بدعی دُعا کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ کہا جائے: ''اے اللہ! میں فلاں بزرگ کے واسطہ سے یا فلاں بزرگ کے مرتبہ کے واسطہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں۔'' اوپر گزر چکا ہے کہ

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ نے ایسی دُعا سے منع فرمایا ہے۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ایسی کوئی مشہور دُعا منقول نہیں ہوئی۔ بلکہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دُعا کو وسیلہ بنایا تھا۔

اب واضح ہو گیا ہے کہ لفظ ''توسل'' کے دو معنی ہیں۔ ایک وہ جس پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عمل کرتے تھے اور دُوسرا وہ جس پر وہ عمل نہیں کرتے تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عرف و لغت میں ''توسل'' و ''توجہ'' سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا اور سفارش کے ذریعہ توسل و توجہ ہے۔ اس لیے ہر مومن کی دُعا کو ذریعہ وسیلہ بنایا جا سکتا ہے۔ بعض مشائخ استدلال کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِذَا اَعْیَتْکُمُ الْاُمُوْرُ فَعَلَیْکُمْ بِاَھْلِ الْقُبُوْرِ .)) ...... ''یعنی جب تم کسی مصیبت میں گرفتار ہو تو اہلِ قبور کی طرف رجوع کرو۔'' یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ((وَاسْتَعِیْنُوْا بِاَھْلِ الْقُبُوْرِ .)) ...... ''یعنی اہل قبور سے مدد طلب کیا کرو۔'' یہ حدیث تمام علمائے حدیث کے نزدیک من گھڑت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء ہے۔ کسی محدث نے ایسی روایت نقل نہیں کی ہے۔ حدیث کی معتبر کتب میں بھی ایسی روایت نہیں ملتی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۝ ﴾ (الفرقان: ۵۸)

''اور اُس (اللہ تعالیٰ) زندہ پر بھروسہ رکھو، جو (کبھی) نہیں مرے گا اور اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہو، وہ اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے کو کافی ہے۔''

یہ ایک ایسی چیز ہے جس کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ غیر مشروع ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبور کو سجدہ گاہ بنانے سے بھی اس لیے منع فرمادیا ہے کہ یہ بھی مردوں سے استمداد کے قریب قریب عمل ہے۔ آپ نے ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جو قبور کو سجدہ گاہ بنا لیتے ہیں

تاکہ لوگ ان کی مشابہت سے احتراز کریں یہی دراصل بت پرستی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۝ ﴾ (نوح: ۲۳)

"اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ودّ اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو ترک نہ کرنا۔"

یہ بزرگ قومِ نوح علیہ السلام کے صالح لوگ تھے، ان کی وفات کے بعد لوگ اُن کی قبروں پر معتکف ہوگئے، پھر انہوں نے ان کی تصویریں بنائیں اور اُن کی تصویروں کے مطابق اُن کے بت بنالیے۔

تمام انبیاء کا دین ایک ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرکیہ عمل سے منع فرمایا ہے۔ یہ لوگ دوسرے انبیاء کرام کی شریعت میں بھی شرک کرتے تھے، تورات میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مردوں سے دُعا مانگنے سے منع کیا اور واضح کردیا کہ جو شخص ایسا کرے گا اس کے لیے یہ فعل اللہ تعالیٰ کے عذاب کا موجب ہوگا۔ یہ اس لیے ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ایک ہے، اگرچہ ان کی شریعت میں تنوع ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ مَعْشَرَ الْأَنْبِيَاءِ دِيْنُنَا وَاحِدٌ.)) [1]

"ہم تمام انبیاء کا دین ایک ہے۔"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

[1] صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول الله تعالی: " واذکر فی الکتاب مریم اذ انتبذت من اهلها " (۳۴۴۳)، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل عیسی علیه السلام (۱۴۵، ۲۳۶۵) نحوه.

﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ ﴾

(الشوریٰ: ۱۳)

''اس نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس (کو اختیار کرنے) کا حکم نوح علیہ السلام کو دیا تھا اور جس کی (اے محمد ﷺ!) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو حکم دیا تھا، (وہ یہ) کہ دین کو قائم کرو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو، جس چیز کی طرف تم مشرکوں کو بلاتے ہو، وہ ان کو دشوار گزرتی ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ ﴾

(المومنون: ۵۱، ۵۳)

''اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو جو عمل تم کرتے ہو میں اُن سے خوب واقف ہوں۔ اور یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں، پس مجھ سے ڈرو۔ پھر انہوں نے اپنے کام کو متفرق کر کے جدا جدا کر دیا۔ جو چیز جس فرقہ کے پاس ہے وہ اس سے خوش ہو رہا ہے۔''

﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا

دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ ﴾

(الروم: ۳۰،۳۳)

''تو تم یکسو ہو کر دین پر سیدھا منہ کیے چلے جاؤ (اور) اللہ کی فطرت کو جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کیے رہو) خدا کی بنائی ہوئی فطرت میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ تم اسی اللہ کی طرف رجوع کیے رہو اور اس سے ڈرتے رہو اور نماز پڑھتے رہو اور مشرکوں میں نہ ہونا جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود فرقے فرقے ہو گئے۔ سب فرقے اسی سے خوش ہیں جو اُن کے پاس ہے۔''

یہی وہ دین اسلام ہے جس کے علاوہ کوئی دوسرا دین اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہے۔ اس موضوع پر کئی دوسرے مقامات پر شرح و بسط سے کلام ہو چکا ہے۔

پانچواں باب

شرک کی ممانعت

جب یہ واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ مقبول ﷺ اشرف المخلوقات، سید بنی نوع انسان، خاتم المرسلین والنبیین، افضل الاولین والآخرین اور سیّد الشافعین سیّدنا محمد ﷺ کے حق میں شرک کو جائز قرار نہیں دیا تو ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کے علاوہ دوسرے انبیاء وصلحاء کے حق میں شرک بدرجہ اولیٰ ممنوع ہے۔ کسی کی قبر کو بت بنا کر پوجا نہیں جاسکتا۔ اور اللہ کے سوا کسی نبی اور ولی کی زندگی یا موت کے بعد اُس سے دُعا نہیں کی جاسکتی۔

کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی شیخ یا بزرگ سے فریاد کرے جو اس دُنیا سے کوچ کر گیا ہو یا موقع پر موجود نہ ہو۔ مثلاً کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ کہے: ''یا سیدی! میری مدد فرما اور میری نصرت فرما اور میری مصیبت کو دُور کر۔'' اسی طرح کے دوسرے الفاظ ادا کرنا بھی درست نہیں بلکہ اس طرح کی ہر دُعا شرک کے زمرہ میں آتی ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے۔

شیطان اولیاء کے بھیس میں

جو لوگ غیر حاضر فوت شدہ بزرگوں سے ان کی قبروں کے پاس امداد طلب کرتے ہیں شیطان اُن کو گمراہ کر دیتا ہے اور راہِ راست سے بھٹکا دیتا ہے جیسا کہ وہ بتوں کی پرستش کرنے والوں کو گمراہ کرتا ہے۔ جس بزرگ سے مدد طلب کی جاتی ہے شیطان اس کے بھیس میں ظاہر ہوتا ہے۔ لوگوں پر کچھ باتیں کشف کرتا ہے جس طرح شیاطین کاہنوں سے ہمکلام

ہوتے ہیں۔ ان باتوں میں سے بعض سچی بھی نکلتی ہیں۔ لازمی نہیں کہ شیطان جو کچھ اپنے چیلے چانٹوں کو بتائے وہ جھوٹ ہی ہو۔ البتہ ان کی باتوں میں سچ پر جھوٹ غالب ہوتا ہے۔ شیاطین بعض اوقات لوگوں کی بعض ضرورتیں پوری کر دیتے ہیں اور ان کی بعض تکالیف کو رفع کر دیتے ہیں۔ لوگ اس گمان میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ وہ جس شیخ کو پکارتے تھے اُسی نے غیب سے ظاہر ہو کر یہ کارنامے سرانجام دیے ہیں یا یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتہ کا رُوپ دھار کر یہ کام کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ فلاں شیخ کا سر اور حال ہے جو رونما ہوا ہے حالانکہ وہ محض شیطان ہوتا ہے جو کسی بزرگ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح شیاطین بتوں کے اندر داخل ہو جاتے ہیں، ان کے پرستاروں سے ہمکلام ہوتے ہیں اور اُن کی بعض ضروریات کو پورا کر دیتے ہیں۔ مشرکین عرب کو ایسے واقعات اکثر پیش آتے رہتے تھے اور آج بھی ہندوستان اور ترکی کے مشرکین کو ایسے خرقِ عادت واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ذاتی تجربہ

میں جانتا ہوں کہ جو لوگ میری اور دوسرے بزرگوں کی مدد طلب کرتے ہیں، ان کو بھی ایسے واقعات کثرت سے پیش آئے ہیں۔ حالانکہ ہم موجود نہیں ہوتے تھے۔ جن لوگوں نے مجھ سے یا دوسرے لوگوں سے مدد طلب کی انہوں نے دیکھا کہ ہم ہوا میں اُڑتے ہوئے آئے اور ہم نے اُن کی تکلیف رفع کر دی۔ جب ان لوگوں نے مجھے یہ واقعہ بتایا تو میں نے اُن پر یہ واضح کر دیا کہ دراصل جسے تم نے دیکھا تھا وہ شیطان تھا جس نے میری اور دوسرے مشائخ کی جن سے تم نے مدد طلب کی، صورت اختیار کر لی تھی تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ ان مشائخ کی کرامات ہیں اس سے شیطانوں کی غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگ مردہ اور غیر موجود بزرگوں سے مدد طلب کرنے میں راسخ ہو جائیں۔ یہ چیز شرک اور بت پرستی کا سب سے بڑا سبب ہے۔ اسی طرح کے واقعات عیسائیوں کو بھی پیش آتے ہیں جو علاس وغیرہ

مشائخ سے مدد طلب کرتے ہیں۔

یہ لوگ جو فوت شدہ انبیاء و صلحاء، شیوخ اور اہل بیتِ رسول ﷺ سے فریاد کرتے ہیں ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان پر بھی بعض امورِ غیب منکشف ہو جائیں جب کسی پر شیطانی مکاشفات ہو جاتے ہیں تو وہ سمجھتا ہے کہ یہ اُس کے مشرکانہ فعل کی کرامت اور معجزہ ہے۔ بعض لوگ جب کسی بزرگ کی قبر پر جاتے ہیں جس سے مدد طلب کرتے ہیں تو فضاء سے ان پر کھانا، روپیہ اور ہتھیار وغیرہ یا دوسری اشیاء جو وہ مانگتا ہے نازل ہونے لگتی ہیں۔ چنانچہ وہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ سب اس بزرگ کی کرامت کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ یہ سب شیطان کی شعبدہ بازیاں ہیں۔ یہ شعبدہ بازیاں بت پرستی کا سب سے بڑا سبب ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ:

﴿ وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ ﴾ (ابراهيم: ۳۵، ۳٦)

''(الٰہی!) مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پوجا سے بچا۔ اے پروردگار! انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔''

اسی طرح کی دُعا حضرت نوح علیہ السلام نے بھی مانگی تھی، سب کو معلوم ہے کہ مجرد پتھر زیادہ لوگوں کو گمراہ نہیں کر سکتا جب تک اُس کے اندر کوئی ایسا سبب موجود نہ ہو جو لوگوں کی گمراہی کا موجب ہو۔ نیز کوئی بت پرست بھی یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ بتوں نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔ وہ تو ان بتوں کو صرف اللہ کے ہاں سفارشی اور وسیلہ بناتے ہیں۔ یہ بت پرست بعض بتوں کو انبیاء و صلحاء کی شکل پر تراشتے ہیں اور بعض نے ستاروں، سورج اور چاند کے بت بنائے اور بعض نے جنوں اور فرشتوں کے بت تراش لیے۔ اس طرح اُن کے معبود، اُن کی خواہش کے مطابق وجود میں آئے۔ اس طرح وہ سمجھنے لگے کہ وہ فرشتوں، نبیوں، نیکوکار لوگوں اور شمس و قمر وغیرہ کی پوجا کرتے تھے حالانکہ وہ تو محض شیاطین کی پوجا

کرتے تھے۔شیاطین کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ انسان اُن کی عبادت کریں۔ جو کچھ انسان اُن سے مانگیں انہیں مہیا کر دیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ○ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ○ ﴾ (سبا: ٤٠، ٤١)

''اور اس دن ہم تمام (مخلوق) کو اکٹھا کریں گے اور فرشتوں سے پوچھیں گے کہ کیا (یہ مشرک) تمہیں ہی پوجتے تھے؟ وہ کہیں گے تو پاک ہے، تو ہی ہمارا کارساز ہے ان کے مقابلہ میں بلکہ یہ تو جنوں کی پوجا کرتے تھے، ان میں سے اکثر ان پر ایمان رکھتے تھے۔''

شیطان کی فریب کاری

جب کوئی عبادت گزار شیاطین کی عبادت کو جائز نہیں سمجھتا تو شیاطین اسے انبیاء وصلحاء اور ملائکہ وغیرہ کی پرستش کی دعوت دیتے ہیں کیونکہ وہ ان ہستیوں کے بارے میں حسنِ ظن رکھتا ہے لیکن اگر کوئی شخص جنات پرستی کو حرام نہیں سمجھتا تو شیاطین اپنے آپ کو اُس کے سامنے بطور جن متعارف کراتے ہیں۔ شیطان انسان کے رُوپ میں سامنے آتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ اسے سجدہ کیا جائے یا اُس سے بدفعلی کی جائے، مردار کھایا جائے یا شراب نوشی کی جائے۔ لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے واقف نہیں ہوتے کہ یہ سب شیطانی فریب کاریاں ہیں بلکہ سمجھتے ہیں جو شخص ان سے ہمکلام ہوا ہے وہ یا تو کوئی فرشتہ ہے یا کوئی جن۔ ان کو وہ ''رجال الغیب'' یعنی عالم غیب کی شخصیات کا نام دیتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ یہ ''رجال الغیب'' اولیاء اللہ ہیں جو لوگوں کی نظروں سے روپوش رہتے ہیں، درحقیقت یہ جن ہوتا ہے جو انسانی شکل دھار لیتا ہے یا کسی دوسرے رُوپ میں دکھائی دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝ ﴾ (جن: ٦)

''اور یہ کہ بعض انسان بعض جنات کی پناہ پکڑا کرتے تھے (اس سے) اُن کی سرکشی اور بڑھ گئی۔''

انسان جب جنوں کی کسی وادی میں سے گزرتے ہیں تو اُس کے مکینوں سے خوف کھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ'' ہم اس وادی کے سب سے بڑے احمق جن کی پناہ مانگتے ہیں۔ انسان جنوں سے پناہ مانگا کرتے تھے جس کی وجہ سے جنوں میں سرکشی اور بغاوت پیدا ہوگئی اور کہنے لگے کہ'' انسان تو ہماری پناہ مانگتے ہیں۔''

عجمی تعویذ گنڈے

اسی طرح عجمی تعویذ گنڈوں میں بھی اِن جنوں کے نام لکھے جاتے ہیں جن سے لوگ دعائیں مانگتے اور فریاد کرتے ہیں اور بزرگ شخصیات کی انہیں قسم دلاتے ہیں۔ کبھی کبھی شیاطین اور جن ان تعویذوں کی وجہ سے اُن کے بعض کام بھی کر دیتے ہیں، اس طرح کے تعویذ جادو اور شرک کے زمرہ میں آتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

(البقرة: ۱۰۲)

"اور ان (ہزلیات) کے پیچھے لگ گئے جو سلیمان علیہ السلام کے عہدِ حکومت میں شیاطین پڑھا کرتے تھے اور سلیمان نے مطلق کفر کی بات نہیں کی بلکہ شیطان ہی کفر کرتے تھے کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور ان باتوں کے بھی (پیچھے لگ گئے) جو شہر بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اتری تھیں اور وہ دونوں کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم (ذریعہ) آزمائش ہیں۔تم کفر میں نہ پڑو۔غرض لوگ اُن سے ایسا (جادو) سیکھتے جس سے میاں بیوی میں جدائی ڈال دیں اور اللہ کے حکم کے سوا وہ اس (جادو) سے کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے اور کچھ ایسے (منتر) سیکھتے جو اُن کو نقصان ہی پہنچاتے اور فائدہ کچھ نہ دیتے اور وہ جانتے تھے کہ جو شخص ایسی چیزوں کا خریدار ہوگا اُس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور جس چیز کے عوض انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا وہ بری تھی۔کاش وہ (اس بات کو) جانتے۔"

بہت سے جن و شیاطین ہوا میں اُڑتے ہیں۔کبھی شیاطین کسی آدمی کو اُٹھا لیتے ہیں اور اُسے مکہ اور دوسرے مقدس مقامات پر لیے پھرتے ہیں۔ان خرقِ عادت کاموں کے باوجود وہ زندیق و کافر ہی ہوتا ہے وہ نماز اور روزہ وغیرہ، عبادات جن کا حکم اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے دیا ہے کا انکار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال گردانتا ہے۔شیاطین ان لوگوں کو دوست رکھتے ہیں کیونکہ وہ کفر، فسق اور معصیت کاری میں مستغرق ہوتے ہیں۔ جب یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آتے ہیں، اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کو شفاء بنا لیتے ہیں تو یہی شیاطین اُن کو لات مار دیتے ہیں اور سارے شیطانی مکاشفات کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔میں بہت سے ایسے لوگوں سے واقف ہوں جو شام، مصر، حجاز، یمن وغیرہ ممالک میں پائے جاتے ہیں البتہ جزیرہ، عراق، خراسان اور روم میں ایسے لوگ کثرت سے پائے

جاتے ہیں۔ مشرکین اور اہل کتاب کے علاقوں میں ایسے لوگ شمار سے باہر ہیں۔

یہ شیطانی احوال و واقعات جن کا سر چشمہ کفر، فسق اور معصیت کاری ہے اسی نسبت سے ظہور پذیر ہوتے ہیں جس نسبت سے یہ اسباب مہیا ہوتے ہیں۔ پس جس قدر ایمان و توحید اور نورِ فرقان و ایمان طاقتور ہوں گے اور جس قدر نبوت و رسالت کے آثار ظاہر ہوں گے اسی قدر یہ شیطانی احوال کمزور پڑتے چلے جائیں گے اور جس نسبت سے کفر و فسق اور اللہ کی نافرمانی انسان کے اندر راسخ ہوتی جائے گی اسی نسبت سے شیطانی احوال ظاہر ہوں گے۔ اگر کسی ایک ہی شخص کے اندر ایمان و نفاق کو نشو و نما دینے والے دونوں مادے موجود ہوں گے تو اُس کے اندر آثارِ نبوی ﷺ اور احوالِ شیطانی بھی دونوں پائے جائیں گے۔ وہ مشرکین جو حلقہ بگوشِ اسلام نہیں ہوئے مثلاً **نجشیہ**، لونیہ اور ترکی و ہندوستان کے مشرکین کے علما و مشائخ، ان میں احوالِ شیطانی بھی زیادہ پائے جاتے ہیں ان میں سے کوئی تو ہوا میں اُڑتا ہے اور امورِ غیب کی اطلاع دینے لگتا ہے ان کا دف بھی ہوا میں اڑتا اور بجتا، ان لوگوں کے سروں پر پڑتا ہے جو ان کے طریقوں سے روگردانی کرتے ہیں لیکن وہ کسی کو مارے ہوئے نہیں دیکھے جاتے۔ جن برتنوں میں وہ پانی پیتے ہیں وہ اُن کے اردگرد گھومتے ہیں لیکن جو چیز انہیں اٹھائے ہوئے ہوتی ہے نظر نہیں آتی۔ کبھی ایک آدمی کسی جگہ پر ہوتا ہے اور مہمان اترنے لگتے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے انواع و اقسام کے لذیذ کھانے نازل ہونے لگتے ہیں اور کھانا تمام مہمانوں کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ یہ شیطان ہوتے ہیں جو قریبی بستیوں سے سامان وغیرہ چوری کر کے لے آتے ہیں جن لوگوں کا ایمان ناقص ہوتا ہے اور جو شرک میں مبتلا ہوتے ہیں انہیں اس طرح کے واقعات کثرت سے پیش آتے رہتے ہیں۔

رہے وہ لوگ جو اسلام میں تو داخل ہو جاتے ہیں لیکن توحیدِ باری تعالیٰ اور اتباعِ رسول میں پختہ کار نہیں ہوتے بلکہ غیب میں مشائخ کو پکارتے ہیں اور اُن سے مدد طلب کرتے ہیں

انہیں شیطانی احوال اسی نسبت سے پیش آتے ہیں جس نسبت سے اُن کے اندر شیطان کو خوش کرنے والے عقائد و اعمال پائے جاتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جو دیندار اور عبادت گزار ہوتے ہیں لیکن جہالت کی بناء پر شیطانی شعبدہ بازیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ شیاطین و جنات کسی شخص کو اُٹھا کر لے جاتے ہیں اور وہ دوسرے حاجیوں کی معیت میں عرفات میں وقوف کرتا ہے حالانکہ اُس نے مواقیت کے پاس پہنچ کر احرام نہیں باندھا ہوتا نہ وہ مزدلفہ میں رات گزارتا ہے اور نہ طوافِ افاضہ بجا لاتا ہے اس کے باوجود وہ سمجھتا ہے کہ اُس نے اولیاء اللہ جیسا عمل صالح اور کرامت حاصل کر لی ہے۔ اُسے یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ یہ تو شیطانی کھیل تھا کیونکہ اس طرح کا حج جس میں نہ احرام باندھا جائے اور نہ دیگر مناسکِ حج ادا کیے جائیں، نہ جائز ہے اور نہ مشروع۔ جو شخص اسے عبادت یا کرامت اولیاء سمجھتا ہے وہ گمراہ اور جاہل ہے یہی وجہ ہے کہ کسی نبی یا کسی صحابی سے اس طرح کی نام نہاد کرامت کا ظہور نہیں ہوا ہے۔ اُن کا مرتبہ ان خرافات سے بہت بلند ہے۔

اسی طرح کا واقعہ ایک ایسے شخص کے ساتھ بھی پیش آیا جسے اپنی جماعت کے ساتھ اُٹھا لیا گیا اور اسے اسکندریہ سے مقامِ عرفات تک پہنچا دیا گیا۔ اس نے دیکھا کہ، ملائکہ آسمان سے نیچے اتر رہے ہیں اور حاجیوں کے نام لکھ رہے ہیں۔ اس شخص نے پوچھا کہ ''کیا میرا نام بھی تم نے لکھا ہے؟'' ملائکہ نے جواب دیا کہ ''تو نے دوسرے حاجیوں کی طرح حج ادا نہیں کیا ہے۔ تو نے نہ تو سفر کی صعوبت برداشت کی اور نہ احرام ہی باندھا۔ تجھے حج کا وہ ثواب حاصل نہیں ہوا جو دوسرے حجاج کو حاصل ہوا ہے۔'' بعض مشائخ سے پوچھا گیا کہ ''ہم نے آپ کے ساتھ ہوا میں حج کیا ہے۔ ایسے حج کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟'' انہوں نے کہا ''اس سے حج کا فرض ساقط نہیں ہوگا کیونکہ تم نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مقبول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ پر حج نہیں کیا ہے۔

دین اسلام کی دو بنیادیں:

دین اسلام دو اصولوں پر مبنی ہے ایک یہ کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے، دوسرے یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے عبادت کا جو طریقہ بیان فرمایا ہے اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالائی جائے۔ یہ دونوں اصول کلمۂ شہادت ((أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.)) سے ماخوذ ہیں۔ الٰہ وہ ذات ہے جو عبادت، استعانت، محبت، تعظیم، خوف و رجا اور اجلال و اکرام ہر بات میں دلوں پر محیط ہو۔ اللہ عز وجل کو جو حقوق حاصل ہیں ان میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرنی چاہیے۔ نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو پکارا جائے، اس کے سوا نہ کسی سے ڈرا جائے اور نہ کسی کی اطاعت ہی بجالائی جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی حیثیت

رسولِ خدا ﷺ ہم تک اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی اور اس کی طرف سے ٹھہرائی ہوئی حلال و حرام چیزوں کی خبر ہم تک پہنچانے والے ہیں۔ بنا بریں حلال وہی ہے جس کو آپ نے حلال کہا ہے اور حرام وہی ہے جسے آپ ﷺ نے حرام ٹھہرایا ہے، اسی طرح دین مقبول وہی ہے جسے آپ نے مقرر فرما دیا۔ اس طرح رسول خدا ﷺ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان ایک واسطہ کا کام دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی، وعدہ و وعید، حلال و حرام کے متعلق تعلیمات اور ہر وہ بات جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر نازل ہوئی ہے کو مخلوق تک پہنچانے والے ہیں۔ جہاں تک قبولیت دُعا، دفع بلا اور ہدایت و اغنا کا تعلق ہے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اُن کی فریاد سنتا ہے۔ وہ ان کی حالت کو دیکھتا ہے۔ ان کے بھیدوں اور خفیہ منصوبوں کو جانتا ہے۔ اسی طرح صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ان پر اپنی نعمتیں نازل کرنے، اُن کی مصیبتوں اور بیماریوں کو رفع کرنے پر قادر ہے اور اپنے بندوں کے احوال سے باخبر رہنے اور اُن کی حاجات کو پورا کرنے میں کسی دوسرے شخص کی مدد اور

تعاون کا وہ محتاج نہیں ہے۔ وہ اسباب جن کے ذریعہ مصائب اور بیماریاں رفع ہوتی ہیں ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ وہ مسبب الاسباب ہے، وہ تنہا و یکتا ہے، وہ بے نیاز ہے، اُس کی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ ماں باپ اور نہ کوئی اس کا مدمقابل ہی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَاْنٍ ۝ ﴾

(الرحمن: ۲۹)

''آسمانوں اور زمین میں جتنے لوگ ہیں، سب اُسی سے مانگتے ہیں۔ ہر روز اُس کی نئی شان ہوتی ہے۔''

پس ثابت ہوا کہ زمین و آسمان کے سب مکین اللہ تعالیٰ سے ہی مانگتے ہیں۔ ایک آدمی کی دُعا اُسے دوسرے آدمی کی دُعا سننے سے باز نہیں رکھتی۔ مختلف زبانیں اور بولیاں اسے کسی التباس میں مبتلا نہیں کرتی ہیں، بلکہ وہ بیک وقت کئی مختلف زبانوں کو سمجھتا اور سنتا ہے۔ وہ سائلین کی آوازوں کے شور و ہنگامہ کو سمجھتا ہے۔ اگرچہ وہ مختلف بولیوں میں اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوتے ہیں اور طرح طرح کی حاجات پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ الحاح و زاری کرنے والوں سے زچ نہیں ہوتا بلکہ دعاء میں تضرع اور الحاح کو پسند کرتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوالات

جب صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ سے احکامات دریافت کرتے تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اُن کے سوالات کا جوابات دینے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ط ﴾

(البقرة: ۱۸۹)

''(اے نبی ﷺ!) لوگ آپ ﷺ سے نئے چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دو کہ وہ لوگوں کے (کاموں کی مدت) اور حج کے وقت معلوم کرنے کا

ذریعہ ہے۔''

﴿ يَسْئَلُوْنَكَ مَا ذَا يُنفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ ط ﴾ (البقرة: ٢١٩)

''اورلوگ تم سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ کہہ دیں کہ جو ضرورت سے زیادہ ہو۔''

﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ط ﴾

(البقرة: ٢١٧)

''(اے نبی ﷺ!) لوگ تم سے حرمت والے مہینوں کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اُن میں قتال کیا ہے؟ کہہ دیجیے کہ ان میں قتال بہت بڑا گناہ ہے۔''

پس جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے متعلق دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ط ﴾ (البقرة: ١٨٦)

''اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو میں بالکل قریب ہی ہوں جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اُس کی پکار کو سنتا ہوں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ سے یہ نہیں فرمایا کہ ((فَقُلْ)) یعنی آپ فرما دیجیے بلکہ فرمایا کہ: ''میں قریب ہی ہوں اور ہر پکارنے والے کی دُعا کو سنتا ہوں۔'' پس وہ اپنے بندوں کے قریب ہی ہے جیسا کہ ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باآواز بلند ذکرِ الٰہی اور دُعا میں مشغول تھے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اَيُّهَا النَّاسُ اِرْبَعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ فَاِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا اِنَّمَا تَدْعُوْنَ سَمِيْعًا قَرِيْبًا اِنَّ الَّذِيْ تَدْعُوْنَهٗ اَقْرَبُ اِلٰى

اَحَدِكُمْ مِّنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهٖ.)) ❶

''اے لوگو! اپنے اوپر ضبط رکھو (یعنی بآواز بلند ذکر نہ کرو) کیونکہ تم کسی بہری اور غیر حاضر ہستی کو نہیں پکار رہے۔ جس ذات کو تم پکار رہے ہو وہ تو قریب ہی سن رہی ہے۔ جس ذات سے تم دُعا مانگ رہے ہو وہ تمہاری سواری کی گردن سے بھی زیادہ تمہارے قریب ہے۔''

نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَلَا يَبْصُقَنَّ قِبَلَ وَجْهِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ قِبَلَ وَجْهِهٖ وَلَا عَنْ يَمِيْنِهٖ فَاِنَّ عَنْ يَمِيْنِهٖ مَلَكًا وَّلٰكِنْ عَنْ يَّسَارِهٖ وَتَحْتَ قَدَمِهٖ.)) ❷

''تم میں سے جب کوئی نماز میں کھڑا ہو تو وہ اپنے سامنے ہرگز نہ تھوکے کیونکہ اس کے سامنے اللہ تعالیٰ ہے اور نہ دائیں جانب تھوکے کیونکہ اس کی دائیں جانب فرشتہ ہے بلکہ اپنی بائیں جانب یا اپنے قدموں کے نیچے تھوکے۔''

یہ حدیث صحیح بخاری میں متعدد وجوہ سے مروی ہے۔

اللہ تعالیٰ آسمانوں پر اپنے نورانی عرش پر جلوہ افروز ہیں۔ مخلوقات میں سے کوئی بھی اُس کی ذات میں شریک نہیں ہے اور نہ کوئی مخلوق اس کی ذات میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ عرش اور تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے۔ وہ اپنی مخلوقات میں سے کسی کا بھی محتاج نہیں ہے بلکہ وہ اپنی قدرتِ کاملہ سے عرش اور حاملینِ عرش کو قائم رکھے ہوئے ہے۔

---

❶ مسند احمد: ٤٠٢/٤، صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب ما يكره من رفع الصوت بالتكبير (٢٩٩٢)، صحيح مسلم، كتاب الذكر، باب استحباب خفض الصوت بالذكر (٢٧٠٤). " ان الذى تدعونه اقرب الى احدكم من عنق راحلته " کے الفاظ مسند احمد میں ہیں۔

❷ صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب دفن النخامة في المسجد (٤١٦).

طبقاتِ عالم

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو مختلف طبقات میں تقسیم کر رکھا ہے۔ اوپر کا طبقہ اپنے وجود کے قیام کے لیے کسی نچلے طبقہ کا محتاج نہیں ہے۔ مثلاً آسمان ہوا کا محتاج نہیں، ہوا زمین کی مرہونِ منت نہیں۔ سب سے اونچی اور اعلیٰ ذات آسمان اور زمین کے پروردگار کی ہے۔ اُس نے اپنی تعریف خود ہی بیان کی ہے:

﴿ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ ﴾

(الزمر: ٦٧)

''اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر شناسی جیسی کرنی چاہیے تھی نہیں کی، اور قیامت کے دن تمام زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اُس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے اور وہ ان لوگوں کے شرک سے پاک اور عالی شان ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی ذات بہت اعلیٰ وارفع اور عظیم الشان ہے، وہ اس سے بے نیاز ہے کہ کوئی مخلوق اُس کو اٹھائے رکھے بلکہ تمام کائنات اس کی محتاج ہے اور وہ ہر چیز سے مستغنی ہے۔

توحید قولی اور توحید عملی

مذکورہ اُمور پر تفصیلی بحث کسی دوسرے مقام پر گزر چکی ہے۔ یہ بھی واضح ہو چکا ہے کہ جس توحید کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے رسولِ مقبول ﷺ کو مبعوث فرمایا اس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) توحید قولی۔ (۲) توحید عملی۔ توحید قولی کی مثال سورۂ اخلاص میں پائی جاتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ ﴾ (اخلاص: ۱)

''(اے نبی!) کہہ دو کہ اللہ ایک ہے۔

توحید عملی کی مثال سورۃ الکٰفرون میں مذکور ہے جو ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔

﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ﴾ (الكفرون : ١)

''کہہ دیجئے اے لوگو! جنھوں نے کفر کیا۔''

یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نمازِ فجر میں ان دوسورتوں کی تلاوت فرماتے تھے۔ [1] نیز آپ نمازِ فجر اور سنت طواف میں مندرجہ ذیل آیات بھی تلاوت فرماتے تھے۔ پہلی رکعت میں یہ آیات پڑھتے:

﴿ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴾

(البقرة : ١٣٦)

''(ایمان والو!) کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کتاب ہم پر اتری اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے اُن پر اور جو (کتابیں) موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا ہوئیں ان پر اور جو اور پیغمبروں کو اُن کے پروردگار کی طرف سے ملیں (سب پر ایمان لائے) ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے۔ اور اسی (خدائے واحد) کے فرمانبردار ہیں۔''

دوسری رکعت میں یہ آیات تلاوت فرماتے:

﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴾ [2] (آل عمران : ٦٤)

''(اے نبی!) کہہ دو کہ اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے دونوں کے

[1] صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب استحباب رکعتی سنة الفجر ...... (٧٢٦)، سنن ابی داؤد، کتاب التطوع، باب فی تخفیفهما (١٢٥٦).

[2] صحیح مسلم، ایضاً (٧٢٧)، سنن ابی داؤد، ایضاً (١٢٥٩).

درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے۔ اس کی طرف آؤ، وہ یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا رب نہ بنائے اگر یہ لوگ (اس بات سے) منہ پھیر جائیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم (اللہ کے) فرمانبردار ہیں۔''

مذکورہ آیات میں دین اسلام کی بنیادی تعلیمات کا بیان ہے اور ان میں ایمان قولی اور ایمان عملی کا تذکرہ ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهِمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ ﴾ [القرآن] میں ایمان قولی اور اسلام یعنی اطاعت وفرمانبرداری پائی جاتی ہے اور آیت ﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ﴾ میں اسلام اور ایمان عملی کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو نعمتیں نازل فرمائی ہیں ان میں سب سے بڑی ایمان اور اسلام ہیں جن کا ذکر ان دو آیتوں میں ملتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یہاں پر وہ سوال اور جواب ختم ہو جاتا ہے جسے میں یہاں بیان کرنا ضروری سمجھتا تھا، کیونکہ اس فتوے اور جواب فتوے سے وسیلہ اور توسل کے بارے میں اہم مقاصد اور مفید قواعد پر مختصر طور پر روشنی پڑتی ہے۔ نیز اس لیے کہ توحید باری تعالیٰ سرِّ قرآن اور کتب ایمان کی رُوح ہے۔ اس فتویٰ کی عبارت کی تفصیل اور تشریح دُنیا و آخرت کے مصالح کے متعلق لوگوں کے لیے بہت اہم اور مفید ہے۔

تَمَّتْ بِالْخَيْرِ

الوابل الصیب
ذکرِ الٰہی
اسلامی اکادمی
اسلامی اکادمی
۱۷ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور